انقلاب روس

مصنّفہ

محمد مسعود صاحب جوہر (بی۔ اے)

ناشر

مکتبہ برہان۔ دہلی۔ قرولباغ

قیمت تین روپے

سنہ ۱۳۶۵ھ
۱۹۴۵ء

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار

روس کی عام حالت

ایک وسیع ملک جس کو قدرت نے زرخیز زمین، مفید معدنیات، شاداب نباتات، قوی حیوانات اور آب پاشی دریاؤں سے مالا مال کر رکھا ہو، اس کے متعلق اہل دول کا یہ فیصلہ کرنا کہ وہ ایک غیر ترقی یافتہ ملک ہے کتنا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی ملک کے باشندے تدبر و تفکر اور عمل کی اہلیت کھو بیٹھیں، اس حالت میں ان کو قدرت کی فیاضی سے بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے۔ انسان اپنا مقام سمجھ لینے پر قدرت کو تسخیر کرنے اور ایک شکر گزار بندے کی طرح اس کے انعامات سے فائدہ اٹھانے میں منہمک ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر انسان تدبر و تفکر سے بے بہرہ ہو جائے اور کائنات عالم سے اس کا جو تعلق ہے اس کو نہ سمجھے، اس وقت قدرت کی فیاضی ہر فرد و قوم کو سست کردار اور بے عمل بنا دیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ قدرت اور انسان میں باہم عمل و ردعمل کا سلسلہ مفقود ہو جانے پر ترقی مسدود ہو جاتی ہے۔ روس کے باشندے بظاہر تنومند، خوش رو، اور خوش خو انسان تھے۔ لیکن ذہانت وار تقا کے اعتبار سے وہ ابھی تمدن کے ابتدائی منازل طے کر رہے تھے۔ قدرت نے اپنی فیاضی سے ان کو جو کچھ بخش رکھا تھا اس پر قانع تھے نہ کبھی اقتصادی ترقی کا خیال ان کے ذہن میں آیا تھا اور نہ تاریخی

اقتضا کی طرف ان کی نظر گئی تھی ہمسایہ ممالک کی جد و جہد ان کو بے معنی معلوم ہوتی تھی وہ کائنات عالم کی حرکت و نمو ہست و بود سے لا پرواہ خس و خاشاک کی طرح وقت کی رو میں بہے چلے جا رہے تھے۔ روس کا مذہب نام کو عیسائیت تھا لیکن نہ وہاں کے باشندوں میں روحانی ترقی کا جذبہ کارفرما تھا اور نہ انسانی برادری کے تخیل سے وہ آشنا تھے جسمانی عیش و آرام اور انفرادی نفع ان کے ہر عمل کا محرک بنا ہوا تھا۔ چند توہمات اور بے مقصد رسومات ان کی روحانی زندگی کا کل سرمایہ تھیں جن پر وہ سختی سے کاربند تھے۔ انھوں نے کبھی اس امر پر غور نہیں کیا تھا کہ مذہب ہمیشہ اپنے اندر انقلابی روح مستور رکھتا ہے اور یہ مذہب کے روبہ ترقی انقلابی رجحانات ہی ہو سکتے ہیں جو اس کو کسی موجودہ نظام فکر کے خلاف فتح دیتے ہیں۔ انسانی فکر کی ہمیشہ سے یہی درماندگی رہی ہے کہ وہ مذہب کی انقلابی نوعیت کو فراموش کر دیتا ہے۔ اور یہ بھول جاتا ہے کہ پیغمبر دنیا کی سب سے زبردست انقلاب انگیز ہستیاں ہوتی ہیں جنھوں نے ہمیشہ اس نظام فکر و عمل کے خلاف جہاد کیا ہے جو امتدادِ زمانہ سے انسانی ترقی کے لئے رکاوٹ بن جاتا ہے۔ روسی عوام کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ مذہب دو اجزا سے مرکب ہوتا ہے ایک دوامی قدریں جو دائمی و لازوال ہوتی ہیں۔ دوسرے چند مجمل احکامات جو کسی خاص زمانہ کی ضرورت کے مطابق تشکیل کئے جاتے ہیں جو چند صدیاں گذرنے پر اجتہاد کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ اور ان مجمل احکامات کو بدلتے ہوئے دور کے مقتضائے وقت کے مطابق لانا ہی کسی معاشرہ میں دوامی قدروں کو از سر نو جاری کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ روس کے باشندے نہ صرف یہ کہ تاریخی تقاضوں کی روشنی میں مذہب میں اجتہاد کرنا کفر خیال کرتے تھے بلکہ انھوں نے عیسائیت کی تفسیر اس طرح کر لی تھی کہ ان کو

اپنی پامال زندگی حضرت عیسیٰ کی تعلیم کی حامل نظر آتی تھی۔ اس یقین کی بنا پر اس زندگی کے بدلنے اور کسی نئے فکر کو اپنا لینے کا تخیل کبھی ان کے ذہن میں آتا ہی نہ تھا مزدور، غریب طبقوں کی کم فہمی اور لاعلمی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی خستہ حالت میں یسوع مسیح کی سی بے سروسامانی پا کر اپنے آپ کو پیغمبر کا نمونہ تصور کرتے تھے چونکہ روس صنعتی ملک نہ تھا اس لئے وہاں متوسط طبقہ کم و بیش مفقود تھا اور جو اس طبقے سے متعلق تھے وہ بھی امارت کی ہوس کے شکار امیر اور حکمران طبقہ کے شکنجوں میں جکڑے ہوئے اپنی انفرادی زندگی کو خوش حال بنانے میں سرگرداں لیل و نہار سے کبھی مطمئن اور کبھی بیزار۔ حوادث زندگی سے کبھی خوش اور کبھی نالاں اپنی زندگی بسر کر رہے تھے۔ البتہ شاہی خاندان۔ جاگیردار، دولتمند، مذہبی رہنما اور ان کے متعلقین عیش و عشرت میں غرق تھے۔ ان کی زندگیاں نشاط کاریوں میں گذرتیں۔ دن سیر و شکار کے لئے تھا اور رات بادۂ ناب، چنگ و رباب اور لالہ رخوں کے لئے وقف تھی۔ جب قانون فطرت کے بموجب پیہم عیش و نشاط طبیعت پر بار ہونے لگتا تب کسی ماہ لقا سے محبت کرکے دردِ دل اور سوزِ جگر پیدا کر لیا جاتا تاکہ زندگی میں تنوع قائم رہے۔ پیٹر اعظم سے قبل کی روسی تاریخ برسر اقتدار طبقہ کی عیش کوشی کی ایک طویل داستان ہے۔ اور بس۔ لیکن جس طرح صالح انسان کی صحبت و ہمسائگی برے انسان پر آہستہ آہستہ اثر انداز ہوتی رہتی ہے اسی طرح روس بھی ترقی یافتہ مغربی سے اثر قبول کر رہا تھا۔ انیسویں صدی کے اخیر تک روس مغربی ممالک کی تجارت کے لئے ایک منڈی بنا ہوا تھا اور اس کے شہروں کا کام یہ تھا کہ سرمایہ دار ملکوں کا تجارتی سامان روس کے گوشہ گوشہ میں پہنچ جائے لیکن بیسوی صدی کے شروع میں جب روسیوں کا نظر مغربی ممالک کے بینکوں کی ان عالی شان عمارت پر پڑی جو روس کے گرجاؤں سے

کہیں زیادہ حسین و مرعوب کن تھیں اور جب بڑے بڑے ہوٹلوں کے سامنے روسی جاگیرداروں کو اپنے محلات ہیچ نظر آنے لگے۔ اس وقت اُن کے دل و دماغ میں سرمایہ دارانہ نظام کے رائج کرنے کی خواہش پیدا ہوئی حرص کے اکسانے پر روس کے امیر طبقہ نے اپنے ملک کو بہت بڑے پیمانے پر صنعتی بنانا شروع کر دیا۔ انسانی زندگی کچھ اس طرح ترتیب دی گئی ہے کہ انسان کی کسی نفسی کیفیت کو بُرا کہنا غلط معلوم ہوتا ہے حرص وطمع کا شمار حُسن جذبات میں نہیں ہوتا لیکن بعض مرتبہ انسان سے ان قبیح جذبات نے بھی کیسے کیسے مفید کام کرا دئے ہیں روس میں پہلے جس جگہ ایک دہقان تن تنہا ہل چلایا کرتا تھا اب وہاں آلاتی دنیا آباد ہو گئی۔ لیکن تاریخ کسی گنہ گار قوم کو بلا انتقام لئے نہیں چھوڑتی۔ سرپرآوردہ طبقہ کی صدیوں کی خواب غفلت کا انتقام تاریخ نے اس طرح لیا کہ جب ملک کو آلات سے آراستہ کرنے کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہوئی اس وقت روس کو دوسرے سرمایہ دار ملکوں سے نہ صرف کثیر رقم قرض لینی پڑی بلکہ ملک کی بڑی بڑی صنعتوں کے ٹھیکے بھی غیر ملکیوں کو مجبوراً دینے پڑے اس طرح روس پر غیر ملکی سرمایہ داروں کا قبضہ ہو گیا۔ اقتصادی اثر اور سیاسی ریشہ دوانیوں کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے چنانچہ (وقت گزرنے پر روس نہ صرف اقتصادی بلکہ سیاسی اعتبار سے بھی غیر ملکی سرمایہ داروں کے چنگل میں پھنس گیا) اور یہ بیرونی ممالک کے اقتصادی اثرات اور سیاسی ریشہ دوانیوں کا یہی نتیجہ تھا کہ جب ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی اس وقت روس کو بھی (ان ممالک کی طرف سے جنگ کی آگ میں کودنا پڑا اجنبی نقرئی وطلائی زنجیروں میں روس جکڑا ہوا تھا۔

روس اور ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم

دو ملک بہادر اور جنگجو ہوں لیکن ایک ملک کی فوج جدید آلاتی اور

دوسرے کی نیم آلاتی ہتھیاروں سے مسلح ہو۔ ایک کے پاس پرانی وضع کی بندوق ہو اور دوسرے کے پاس مشین گن اور ان دونوں کی جنگ ہو جائے اس صورت میں ہر انسان آلاتی ملک کی فتح کی پیشگوئی کرے گا۔ اتحادیوں کے اقتصادی افراد اور سیاسی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو (روس جنگ عظیم میں ضرور شریک ہو گیا لیکن جرمنی کی آلاتی فوج کا مقابلہ نہ کر سکا جب پے در پے شکستیں ہوئیں) اور ناامیدی و مایوسی کی لہر تمام ملکوں میں بجلی کی طرح دوڑی اس وقت روسی حکومت پر یہ انکشاف ہوا کہ روح و مادہ بحقیقت و بمجاز سب ایک ہی شے ہے۔ دنیا میں بہتر نفسی کیفیت کسی فرد و قوم کی کامیابی کے لئے کافی نہیں ہوتی بلکہ اس نفسی کیفیت کی مدد پر مادی ذرائع ہونے بھی ضروری ہیں۔ تب کہیں فتح و کامرانی حاصل ہوتی ہے زندگی کے ہر گوشے پر نظر ڈالنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر مہم کی کامیابی کے لئے اعلیٰ نفسی کیفیت اور اچھے مادی ذرائع دونوں ہی ضروری ہوتے ہیں ان میں سے کسی ایک کا ہونا کامیابی کے لئے ناکافی ہوتا ہے روسی فطری طور پر بہادر تھا لیکن آلاتی ہتھیاروں سے مسلح نہ تھا وہ کامرانی کی ایک شرط پوری کرتا تھا لیکن دوسری مفقود تھی مادی اور روحانی دنیا میں تفریق کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ جرمن فوج جو روح و مادہ کے امتزاج کا نتیجہ تھی حملہ آور ہوئی روس اس کو نہ روک سکا جب (۱۴ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں روس کی اسمبلی (ڈوما) میں ممبران نے وزیر جنگ سے فوجی حالات پر تبصرہ کرنے کا مطالبہ کیا) جواب ملا فتح کی ساری امید میں ملک کی وسعت دلدلوں کے ناقابل عبور ہونے اور سینٹ لیو کی شفقت سے وابستہ ہیں" یہ چند جملے اس امر کا اعلان تھے کہ کوئی معجزہ ہو جائے تو خیر ورنہ روس کی شکست لازمی ہے۔ اس ناامیدی کے باوجود اتحادیوں کی ساحری روسی حکومت سے برابر فوج تیار کرا رہی تھی اور بھرتی کی

تعداد ایک کروڑ ملین تک پہنچ گئی تھی، لیکن تاریخ عالم کا یہ فیصلہ ہے کہ غیر منظم بے سروسامان تعداد اگرچہ بہت بڑی ہی کیوں نہ ہو منظم اور سازوسامان سے مسلح کم تعداد پر قابو نہیں پا سکتی (حکومت نے دیہات سے نوجوان کسان پکڑ کر ان کو فوجی وردی ضرور پہنا دی لیکن نہ ان کی نفسی کیفیت کو سپاہیانہ بنا سکی۔ نہ ان میں فوجی جسارت اور جنگی زاویہ نظر پیدا کر سکی (اور نہ وہ فوجی قواعد اور ہتھیار کا استعمال ہی اس قلیل عرصے میں پوری طرح سکھا سکی) جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ خوش رو روسی نوجوان کی کثیر تعداد جرمن توپوں کی آگ میں جل کر خاکستر ہو گئی۔ جب پچیس لاکھ کسان حکومت کی غلط سیاست اور فوجی افسروں کی ناتجربہ کاری کا شکار ہو چکے تب باقی ماندہ بددل ہو کر محاذِ جنگ سے فرار ہونے شروع ہو گئے اور کیوں نہ ہوتے جان عزیز کو راٹگاں ہوتے نہیں دیکھا جاتا (جرمنی کی آلاتی فوج کے خلاف جنگ کرنا خودکشی کرنے کے ہم معنی تھا) روسی سپاہی تو جدید طریقہ جنگ سے نابلد تھا ہی، روسی فوج کے افسر بھی اس سے بے بہرہ تھے) ان میں بھی فوجی علم و عمل ہمت و شجاعت تفکر و تدبر، فوری فیصلہ و عمل کی اہلیت۔ دور بینی اور خالص فوجی نقطۂ نظر کا فقدان تھا۔ روسی افسروں کی نااہلیت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب جرمن افواج نے کیو کے سامنے پیرا جما دیا اس وقت فوج کے افسرانِ اعلیٰ میں یہ مباحثہ شروع ہوا کہ کیو میں جو بزرگانِ دین مدفون ہیں ان کی میتوں کو کس طرح کسی محفوظ جگہ پہنچایا جائے۔ چار قیمتی گھنٹے اسی رد و قدح میں گزر گئے اور لطف یہ کہ اس پر بھی طریقہ کار طے نہ کر سکے جب یہ مسئلہ زار روس کے سامنے پیش کیا گیا اس کے متعلق شہنشاہ روس کی عقیدتمندانہ رائے یہ تھی "جرمن اس متبرک شہر پر گولہ باری نہ کریں گے اور اگر انھوں نے ایسا کر کے بزرگانِ دین کے مزاروں کی بے حرمتی کی تب ہمارا کیا نقصان ہے انھیں پر قہر الٰہی نازل ہوگا" پادریوں کا طبقہ جن کے لئے ان بزرگوں

کی قبور قوت لایموت کا مسئلہ تھا اس معاملہ کو فوج و بادشاہ کے سپرد کس طرح کر سکتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے قبور کھود کر بزرگوں کی ہڈیاں نکالنی شروع کر دیں وہ کہتے تھے "جب ہم یہاں سے روانہ ہوں گے۔ اپنا اثاثۂ عظیم بھی اپنے ہمراہ لے جائیں گے۔ بھلا انسانی توہمات کی تجارت کرنے والے اپنا زر اصل کس طرح چھوڑ سکتے تھے۔ دشمن سامنے کھڑا ہو اور چار گھنٹے قبور کے مسئلہ پر لگا دیے جائیں۔ فوج کے لئے کس درجہ تباہ کن ثابت ہو سکتا تھا لیکن فوجی افسروں کے فکری اضمحلال کا یہ عالم تھا کہ ان کو وقت کی قدر و قیمت کا مطلق احساس نہ تھا۔ جو امور پہلے سے طے پا لینے کے محتاج ہوں ان کا حل عین وقت پر سوچنا برے نتائج کو دعوت دینا ہے۔ چنانچہ افسران سے اکثر غلط کاریاں سرزد ہو رہی تھیں۔ میدان جنگ کی غلطی بھی حشر خیز ہوتی ہے ایک غلطی سے لاکھوں جانیں پامال ہو جاتی ہیں۔ جہاں غلط اقدام کی تعداد صحیح اقدام سے زیادہ ہو۔ وہاں سپاہی کی جان بچ جانا معجزہ ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں سپاہی کا باغی ہو جانا لازمی تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ جو انقلاب پسند مزدور گرفتار کیا جاتا اس کو حکومت بطریق سزا محاذ جنگ پر روانہ کر دیتی وہ وہاں پہنچ کر عام سپاہیوں میں مزید باغیانہ جذبات پھیلاتا۔

فکر و تدبیر کا فقدان اور قہر الٰہی کا نزول ایک ہی کیفیت کے دو مختلف نام ہیں۔ قدرت کی طرف سے پوری پوری مہلت مل چکی ہو۔ لیکن انسان خواب غفلت سے نہ چونکے اور جب گرفت کا وقت سر پر آ جائے اس وقت دعاؤں، التجاؤں فکر و عمل سے چاہے کہ تباہی کا لمحہ قلیل عرصے کے لئے ٹل جائے اس وقت امیدیں بر نہیں آیا کرتیں۔ جس زمانہ میں مغربی یورپ قدرت کی طاقتوں کو تسخیر کر لینے اور فوجی طاقت کو لاثانی بنانے میں لگا ہوا تھا۔ روس نیم خوابیدہ انسان کی طرح زندگی گذار رہا تھا جب تاریخ لینے اپنے پہلے دستور کے مطابق یہ امتحان لیا

کہ دنیا میں باعزت زندہ رہنے کا حق کس کو حاصل ہے۔ اور روس کامیاب ہوتا نہ دکھائی دیا اس وقت روس کا سربرآوردہ طبقہ سراپا ہراس و پریشانی بن گیا۔ خطرے کے وقت ہراس طاری ہوجانا شکست کا پیش خیمہ ہوتا ہے چنانچہ روسی فوج کو بڑی بڑی شکستیں ہوئیں۔ خام کاروں کی یہ خاص خصوصیت ہوتی ہے کہ شکست و ناکامی کے موقع پر وہ اپنا پہلو بچا کر تباہی کی ساری ذمہ داری دوسرے کے شانوں پر رکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ زار روس نے بھی حالات پر غور کرنے۔ مشکلات کا حل سوچنے اور ایک ذی ہوش انسان کی طرح امید شکن حالات پر قابو پانے کی بجائے شکست کی ساری ذمہ داری اپنے وزیر جنگ اور دیگر فوجی افسروں پر رکھدی نہ صرف یہی بلکہ غداری کا الزام لگا کر ان کو قید و بند میں ڈال دیا۔ خیال یہ تھا کہ اس طرح شاید فوج میں کھوئی ہوئی امید۔ دلیری۔ تنظیم از سرنو پیدا ہو جائے۔ اگر یہ ہو جاتا کہ وزیر جنگ کی گرفتاری کے کچھ عرصے بعد شکست فتح میں تبدیل ہونی شروع ہو جاتی ممکن تھا اس حالت میں فوج کے قدم جم جاتے لیکن جب پے درپے شکستیں ہوتی ہی چلی گئیں اور روسی فوج بدستور بہت بڑی تعداد میں جرمن غیظ و غضب کا شکار ہوتی رہی فوج کے دستے فتح سے ناامید ہو کر میدان جنگ سے فرار ہونے شروع ہو گئے۔ سپاہی نے اپنی جان کو امیر طبقہ کے مفاد سے زیادہ عزیز سمجھا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ حکومت نے تشدد شروع کر دیا لیکن جہاں زندگی اور موت کا سوال ہو وہاں انسان زندگی کے لئے ہر قسم کا تشدد برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے عدول حکمی اور فرار ہونے کی سعی کی سزا میں سپاہیوں پر کوڑے بھی پڑے اور متعدد طور پر ظلم و ستم بھی ڈھائے گئے لیکن حکومت کی ایک نہ چلی اور سپاہی نے اپنا رویہ نہ بدلا۔ ۱۹۱۶ء کے سرکاری بیان میں اس امر کا اعتراف اس طرح کیا گیا ہے "فوج کی حالت خطرناک ہے۔ سپاہیوں اور افسروں کے تعلقات کشیدہ ہیں ان

میں اکثر کشت وخون کی نوبت آجاتی ہے (فوج قابو سے باہر ہے "خفیہ پولیس کا افسر اعلیٰ اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے "فوج میں ایسے گروہ پیدا ہو گئے ہیں جو موقع پاکر کامیاب بغاوت کر سکتے ہیں")

سرمایہ دارانہ دور چونکہ افراط وتفریط پر مبنی ہے اسلئے اس دور میں ایسے مناظر اکثر نظر پڑتے ہیں کہ ایک طبقہ پر خون برس رہا ہو اور دوسرے پر زر ومال۔ ایک توپوں کی گرج سے بہرا ہو رہا ہو اور دوسرا چنگ ورباب کے نغموں سے مدہوش ایک لق ودق میدانوں، غلیظ خندقوں۔ طوفان خیز سمندروں میں موت کے کاندھے پر ہاتھ رکھے زندگی کے منازل طے کر رہا ہو اور دوسرا جگمگاتی رقص گاہوں محلوں کے ایوانوں اور پر تکلف شہروں کے گلزاروں میں عیش ونشاط سے ہم آغوش کسی جادووش نگاہوں کے سحر سے دنیا وعقبیٰ کو بھولا ہوا زندگی کو ایک رنگین خواب بنائے ہوئے لیل ونہار گزار رہا ہو جنگ کے زمانہ میں سرمایہ داری کی یہ بنیادی حقیقت بہت نمایاں ہو جاتی ہے۔ چنانچہ روس میں غریب طبقہ جنگ کے ہولناک مصائب کا شکار ہو رہا تھا۔ جو فوجی خدمت اختیار کر کے محاذ جنگ پر چلے گئے تھے انھوں نے حقیقتاً موت کو لبیک کہہ ہی دیا تھا لیکن جو غریب گاؤں یا شہروں میں رہ گئے تھے ان کے لئے خوراک وایندھن کی کمی اور سردی کی شدت موت کا پیام بنی ہوئی تھی اس کے برخلاف سرمایہ دار طبقہ امیر سے امیر تر ہوتا جا رہا تھا۔ حکومت نے جو کثیر رقم فوج کے لئے ضروری سامان بنانے کے واسطے کارخانہ دار کو دی تھی وہ اصل مقصد کے لئے نہیں بلکہ اپنی حرص وہوس کی آگ بجھانے میں صرف کی جا رہی تھی۔ جنگ کی وجہ سے ملک میں مال کی آمدورفت بند اور اقتصادی مقابلہ ختم ہو جانے پر کارخانہ دار نفع کیوں نہ کمائے چنانچہ بعض کارخانوں میں سو فیصدی سے زیادہ نفع

ہو رہا تھا۔ بورژوازی اور امیر طبقہ کے نفع کا یہ عالم تھا کہ ان کو یہ طلسم کدہ جنت معلوم ہو رہا تھا اور وہ روسی حوروں سے ہم آغوش تھے زار ینہ کی ہمجولی اپنی یادداشت میں تحریر کرتی ہے ۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۶ء کی سردی میں میں نے جتنے حسین و بیش قیمت لباس امیر خواتین کو زیب تن کئے دیکھے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھے تھے اس زمانہ میں جواہرات کی خریداری بھی نمایاں طور پر زیادہ ہوئی "حکومت نے خزانے کے دروازے کھول دیئے تھے۔ اقتصادی مقابلہ ختم ہو گیا تھا۔ اس لئے دولت سے ند قارون بن گئے تھے ضرورت سے زیادہ دولت سرمستیوں کا دروازہ کھول دیتی ہو امرا خیال کرتے کہ جو زندگی باقی ہے اس کو طرب انگیز بنالو۔ نہ معلوم کل کیا ہو۔ حوریاں پری پیکر جب یہاں موجود ہیں آسمانی حوروں کا خیال لا حاصل ہے۔ دولت نے خون میں حدت پیدا کر دی تھی گرم گرم خون دل کے ہر شریان کو ابھار رہا تھا بوالہوسی اور حسن ہم آغوش تھے اور ان کا ہم دگر ہونا جواہرات اور قیمتی لباسوں کی خرید و فروخت کا سبب بھی ہوتا ہے اور نتیجہ بھی عجب نہیں کہ زارینہ کی ہمجولی جو شاید سرمایہ داری کے بنیادی اصول سے نا آشنا تھی اس حیرت میں پڑ گئی ہو کہ روس بھوک اور پیاس کی مصیبت میں گرفتار ہے اور ان لوگوں کو خوش نوشی و خوش پوشی سے فرصت نہیں لیکن سرمایہ داری کچھ ایسا نظام ہے کہ سرمایہ دارانہ معاشرہ میں عسرت و فراغت بھوک اور سیر شکمی مصیبت کی موت اور راحت کی زندگی بیک وقت جمع ہو جاتی ہیں۔

نہ صرف یہی کہ امیر طبقہ اپنے تہہ خانوں میں سیم و زر کا انبار لگا رہا تھا بلکہ افواج کی شکست اور حکومت کی بدحواسی دیکھ کر روس کی تمام بورژوازی پارٹیوں نے متحد ہو کر شہنشاہ کے روبرو ذمہ دار حکومت قائم کرنے کا مطالبہ پیش کر دیا تھا۔ ڈوما کے اس مطالبہ کی قلعی کھولتے ہوئے خفیہ کا افسر اعلیٰ لکھتا ہے "سرمایہ دار

جماعت کی مختلف پارٹیاں انقلاب نہیں چاہتیں بلکہ موجودہ انقلابی حالات کو مراعات حاصل کرنے کا آلہ بنانا چاہتی ہیں ان کا انقلابی تحریکات کے ساتھ ہونا ان کے اپنے مفاد کی حدتک ہے انقلاب میں ان کو خسارہ دکھائی دیتا ہے وہ زار کی مخالفت اس حدتک کرنا چاہتی ہیں کہ ان کو مراعات مل جائیں لیکن انقلاب کا خطرہ پیدا نہ ہو" افسر اعلیٰ ہی کو نہیں بلکہ اس کا علم زار کو بھی تھا چنانچہ شہنشاہ روس بر ذمہ دار حکومت کے مطالبہ کا رد عمل یہ ہوا کہ ڈوما کا اجلاس برخاست کر دیا گیا جنگ میں اگر شکستیں نہ ہو رہی ہوتیں تو زار کی سیاسی سختی شاید کامیاب ہو جاتی لیکن وقار شکن شکستیں انقلابی رجحانات پیدا کر رہی تھیں اور پُر جوازی طبقہ کا ذمہ دار حکومت کا مطالبہ عام روس کا مطالبہ بنتا جاتا تھا۔ سیاسی لے جیسی بڑھنے پر شہنشاہ نے ڈوما کا اجلاس دوبارہ طلب کیا۔ ڈوما کا صدر اس اجلاس کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے " یہ اجلاس مردہ تھا حاضرین کی تعداد کم تھی چونکہ آئینی جد و جہد بے سود معلوم ہوتی تھی عام طور پر غیر آئینی کارروائیاں ہو رہی تھیں اور حکومت کسی کا مشورہ ماننے کے لئے تیار نہ تھی۔ ملک کا رُخ تباہی کی طرف تھا" ڈوما کا صدر اس امر کو سمجھ رہا تھا کہ آئینی جد و جہد کی طرف سے روگردانی اس امر کی دلیل ہوا کرتی ہے کہ انقلابی رجحانات شدید سے شدید تر اور زمین دوز ہوتے چلے جا رہے ہیں جو نہ معلوم کس گھڑی کوہِ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑیں گے۔ اس اجلاس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا البتہ جب شکست کا یقین کامل ہو گیا اس وقت وسیع الخیال جماعت نے شاید زار کے اشارے سے ڈوما کے ایک ڈپٹی پروٹوپوف نامی کو خفیہ طور پر جرمن نمایندے وار برگ سے صلح کی گفت و شنید کرنے اسٹاک ہوم روانہ کر دیا واپسی پر پروٹوپوف نے زار کو گفتگو کا ماجرا سنایا نہ معلوم زار کو شرائط بہت سخت معلوم ہوئیں یا یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر وسیع الخیال جماعت کے ذریعہ صلح کی گئی تو روس میں اس پارٹی کا

وقار بہت بڑھ جائے گا اور اس کی شخصی حکومت اور شہنشاہیت خاک میں مل جائیگی
کچھ بھی کیوں نہ ہو زار نہ مانا اور پروٹوپوف کی تمام تگ ودو رائگاں گئی ملک میں
سیاسی بے چینی کم نہ ہونے پر زار نے ڈوما کا اجلاس تیسری بار طلب کیا۔ اس زمانہ میں
چونکہ ملک کی حالت بد سے بدتر ہو چکی تھی اسلئے ڈوما کے ڈپٹیوں کا لب ولہجہ بھی
سخت ہو گیا تھا۔ تقریروں میں انہوں نے اپنے غم وغصہ کا اظہار سخت اور تلخ الفاظ
میں کیا۔ زار نے تقریروں کو نشر ہونے سے روک دیا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تقریروں کا لب
لباب مبالغہ آمیز افواہ بنکر ملک کے تمام طول وعرض میں پھیل گیا جس کی وجہ سے
عوام میں سیاسی بے چینی زیادہ بڑھ گئی اور حکومت کے خلاف مظاہرے ہونے لگے
حکومت نے اس پر یہ کیا کہ وزارت بدل دی اور دار السلطنت میں مارشل لا جاری کر دیا

تشدد سے سیاسی بے چینی کو فرو کرنا مستقل علاج نہیں ہوا کرتا پختہ کاران
سیاست کا ہمیشہ یہ مسلک رہا ہے کہ تشدد کے ساتھ ساتھ وہ کچھ مراعات
بھی دیا کرتے ہیں اور اس طرح مستقل طور پر سیاسی بے چینی فرو ہو جاتی ہے زار
میں یہ پختہ کاری نہ تھی اس لئے صرف تشدد سے کام لیا جس کا یہ خطرناک نتیجہ نکلا
کہ بورژوازی طبقہ کے مشہور ادارے (UNIAN OF CITIES) نے اپنے عام وفادارانہ
رویہ کے خلاف یہ تجویز منظور کی غیر ذمہ دار بدمعاش لوگ روس کو ہلاکت کی طرف لے
جا رہے ہیں ڈوما کو چاہیئے کہ جب تک ذمہ دار حکومت قائم نہ ہو جائے اس وقت تک
اجلاس جاری رکھے شہنشاہ کی منشا کے خلاف ایک بورژوازی ادارے کا اس
لب ولہجہ میں بولنا حقیقتاً حالات وواقعات کی پکار تھی جس کو زار کے کان سنتے تھے
لیکن عقل نہیں سمجھتی تھی قہر الٰہی کے نزول کا وقت آجانے پر وقت کی پکار کوئی بھی
نہیں سن سکتا اور اگر ان آخری لمحوں میں سن بھی لے تب بھی گرفت کا وقت نہیں
ملا کرتا۔ ۱۰ فروری ۱۹۱۷ء کو زار کے حکم سے مکرر ڈوما کا اجلاس منعقد ہوا لیکن

ان آخری لمحوں میں بھی حکومت کوئی نتیجہ خیز قدم نہ اُٹھا سکی کسی طبقہ کی اپنی بے توجہی اور کم فہمی سے عمل کی اہلیتیں کھو دینے پر خطرے کے وقت بھی قوت عمل کام نہیں کیا کرتی۔ بے عملی حکومتی طبقہ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ نشستند، گفتند، برخاستند یہ تین الفاظ ان کی ساری زندگی کی مکمل تفسیر تھے۔ اللہ اللہ انسانی معصیت اور اس کا ردعمل کہ زار کی حکومت ختم ہونے میں دو ہفتہ باقی ہیں لیکن وہ خوابِ غفلت سے کروٹ تک نہیں بدلتا۔

زار۔ زارینہ۔ راسپوٹن

نیکولاز دوم نے ابھی تعلیم ختم ہی کی تھی اور وہ عملی زندگی میں داخل ہوا ہی تھا
کہ جوان عمر والد (شہنشاہ روس) مرض الموت میں گرفتار ہو گئے۔ صحت کی طرف
سے ناامیدی ہو جانے پر خیال آیا کہ اس چند روزہ زندگی کے ختم ہونے سے قبل
اپنے لڑکے کی ہونے والی شریک حیات کو پہلی اور آخری بار دیکھ لوں اور اس کو
الوداعی دعائیں دے لوں چنانچہ ایک تیز رو قاصد ڈچی رف ہلس روانہ کر دیا گیا چند
روز بعد نیکولاز دوم کی چشم و چراغ اور مستقبل میں ہونے والی ملکہ روس اپنی سسرال
آگئیں۔ حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ہلس کی شہزادی کو آئے ہوئے چند روز ہی ہوئے
تھے کہ شہنشاہ کا انتقال ہو گیا اور اس مہمان لڑکی کو سیاہ لباس میں خسر کے جنازہ کے
ہمراہ جانا پڑا۔ چند روز بعد یہ لباس بظاہر اتر گیا لیکن اس وقت سے نیکولاز دوم اور
اس کی شریک حیات کی زندگیاں افسردگی و حادثات کی ردا میں لپٹی ہی رہیں۔ والد کو
گزرے ہوئے چند روز ہی ہوئے تھے کہ نیکولاز دوم کے اضطراب وصال نے
اس کو فوری شادی پر آمادہ کر دیا۔ بادشاہ وقت کی فوری شادی پر خویش و بیگانہ سب
معترض تھے لیکن کامیاب مزاحمت کا کسی کو یارا نہ تھا۔ چنانچہ بادشاہ کا عندیہ دیکھتے
ہوئے ماتمی لباس اتار دیئے گئے اور تزک و احتشام کے ساتھ شادی ہو گئی۔ جوان

عمر والد کی موت اور اس حادثہ کے چند روز بعد اسی محل میں شادی یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ تمام روس کانپ اٹھا اور رعایا اس شادی کو روز اول ہی سے نامسعود کہنے لگی۔ زندگی میں بعض واقعات کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ انسان کے باطن کو بے نقاب کر دیتے ہیں اور آئندہ کی زندگی کے لئے پیشینگوئی کرتے معلوم ہوتے ہیں یہ شادی کمزوریٔ باطن اور جذبات سے مغلوبیت کا المناک مظاہرہ تھی اور اہل بصیرت کے لئے ایک کھلا ہوا اشارہ تھا کہ زار و زارینہ کی تمام زندگی جذبات ہی کا شکار رہے گی۔

کبھی یہ گمان گزرتا ہے کہ زندگی حالات و حادثات سے جکڑی ہوئی ہے اور کوئی فرد کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے ان حادثات کا رُخ بدل نہیں سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غیب کا ہاتھ زندگی کی تشکیل کرتا چلا جا رہا ہے اور انسانی ارادہ و تدبیر کو اس میں دخل نہیں۔ زندگی بیرونی جبر کے ماتحت بسر ہوتی معلوم ہوتی ہے برخلاف اس کے بعض زندگیوں کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان خود مختار ہے اور زندگی کے خدوخال، ارادہ۔ تدبیر اور تفکر و تدبّر کے مرہونِ منت ہیں نیز یہ کہ زندگی ایک ایسی منزل ہے جہاں غیب کا ہاتھ جبر و اکراہ سے کام نہیں لیتا۔ زندگی کے رموز زندگی بخشنے والا ہی جانے۔ فکر انسانی اس کے سمجھنے سے قاصر ہے موجودہ رجحان یہی ہے کہ زندگی میں آزادی کردار ہے ورنہ سعی و جستجو اور سزا و جزا کے کوئی معنی نہیں رہتے شاید بعض زندگیاں ظاہری نہیں بلکہ کسی باطنی قانون کے تحت میں آتی ہیں اور یہ باطنی قانون انسان کے باطن سے تعلق رکھتا ہے اسلئے دنیا کے طلسم کدہ کا یہی دستور چلا آرہا ہے کہ ہر فرد کو اس کے اعمال کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس بنیادی اصول پہ انسان کی تاریخی حیثیت پرکھی جاتی ہے۔

دنیا کی رسم بھی عجیب ہے یہاں کبھی تو دماغ خسروی رکھنے والے کو کلاہ

خسروی عطا ہوتی ہے اور کبھی یہ المناک مشاہدہ بھی ہوتا ہے کہ معمولی دل و دماغ کے انسان کو تاج شاہانہ عنایت ہوجاتا ہے نکولا زدوم دنیا کی ان ہستیوں میں سے تھا جس کو حادثہ نے ایک عظیم الشان سلطنت دی اور آخری دم تک وہ حادثات ہی کا شکار رہا۔ معمولی دل و دماغ کے انسان کے ایک بلا خیز زمانہ میں سر یر آرائے سلطنت ہوجانے پر ملک کی تباہی کی پیشگوئی کون نہیں کرسکتا تھا زار روس بحیثیت ایک خاوند اور باپ کے ضرور بہت کامیاب انسان تھا لیکن ایک ملک کے حاکم و رہنما ہونے کی حیثیت سے وہ قطعی ناکام رہا۔ ظاہر کا شکار باطن سے بے بہرہ، صوم وصلوٰۃ کا پابند لیکن روحانیت سے بے خبر، توہمات میں جکڑا ہوا عقل وارادے سے عاری۔ اقتصادی تقاضوں اور تاریخی رجحانات کا خیال اس سے کوسوں دور۔ اس کے لئے تاریخ عالم واقعات کی ایک زنجیر تھی اور بس۔ اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ واقعات وحالات کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہوتا ہے اور وہ اتفاقیہ سرزد نہیں ہوتے بلکہ تمام نظام کائنات کی طرح سیاسی واقعات بھی تاریخی قوانین کے پابند ہوا کرتے ہیں جو قدرت کی طاقتوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ طوفان نوح آجائے اس وقت پیغمبر کو بھی کشتی ہی بنانی پڑتی ہے وہ قہر الٰہی کو دعاؤں اور التجاؤں سے روک نہیں سکتا۔ اسی طرح تاریخی تقاضوں کے سیلاب کا سدباب کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ اس سیلاب کا رخ دیکھکر معاشرتی حالات کو اس طرح بدلا جاتا ہے کہ آب پاشی ہوجائے لیکن معاشرہ اس رو میں بہنے نہ پائے۔ اگر رہبر و رہنما کی نظر تاریخی تقاضوں پر نہ ہو وہ اس سیلاب سے لاعلم ہی رہتا ہے جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ تاریخی سیلاب پرانے معاشرتی نظام اور اسکے متعلقات کو اپنی رو میں بہا کرلے جاتا ہے اور ماضی کے سمندر میں لا گراتا ہے۔ زار روس اس سیلاب اور اس کی نوعیت سے بالکل بے خبر تھا۔

قدرت جرم بخشی نہیں کرتی۔ سزا ضرور دیتی ہے۔ قدرت میں رد عمل کا قانون

ہمہ وقت جاری رساری ہے البتہ ایسا ہوتا ہے کہ جو انسان غلط کاری کے بعد خود
اپنی نیک قوتوں کو نشو و نما دے لے وہ سزا کے اثرات کم محسوس کرتا ہے لیکن سزا
ملتی ضرور ہے اس سے مفر نہیں۔ شہنشاہ روس کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ اس نے
وقت کے مقتضا پر کبھی غور نہیں کیا اور نہ اس لئے اپنی مفید روحانی قوتوں کو بیدار
کرنے کی کوشش کی۔ اس لئے سزا کا ملنا اور غفلت کے اثرات کا پورا پورا ظہور میں
آنا لابدی تھا۔ زار کی حالت اس انسان کی سی تھی جس کی آنکھیں ہوں لیکن وہ
گرد و پیش کے حالات پر نظر نہ ڈالے۔ کان ہوں لیکن نیک مشورہ نہ سنے زبان ہو
لیکن حق کی تصدیق نہ کرے نہ معلوم ایسی نفسی کیفیت قہر الٰہی کا نتیجہ ہوتی ہے یا سبب
جو کچھ بھی ہو۔ زار کی حالت اس نیم خوابیدہ انسان کی سی تھی جو نہ جاگتا ہو اور نہ سوتا
ہو۔ ہر عمل میں اضمحلال۔ ہر فعل میں خستگی۔ ہر توہم میں انہماک۔ ہر ارادے میں سستی۔
ہر فکر سے بیزاری۔ ہر سیاسی پیچیدگی کی طرف سے لاپروائی۔ سوائے راسپوٹن
اور زارینہ کے ہر شخص کے خلوص و نیک نیتی پر اشتباہ۔ جس حاکم کی خصلت اور
طینت کا یہ حال ہو اس کے اور اس کی حکومت کے ساتھ جو کچھ بھی ہو جاتا کم
تھا زار کی خام خیالی نے اس کے دل میں یہ یقین پیدا کر دیا تھا کہ اس کا پیر و مرشد
راسپوٹن اس کو اور اس کے گھر والوں کو ہر بلا سے بچا لے گا۔ اس یقین نے شہنشاہ
کو ہر فکر و عمل سے بے نیاز کر دیا تھا کسی غلط امر کا یقین زوال کا پیش خیمہ ہوتا ہے
اگر کسی انسان کو یقین ہو کہ معاشرہ متحرک نہیں بلکہ ساکت شے ہے یہ غلط یقین رد
عمل کے قانون کو نہیں روک سکتا۔ کل معاشرہ عمل کر رہا تھا۔ اور اس کا رد عمل بھی کل
معاشرہ پر ہو رہا تھا پھر کیونکر ممکن تھا کہ شہنشاہ جو اس معاشرہ کا ایک فرد تھا اس
رد عمل سے بچ جاتا انسانی تقدیر جہاں انفرادی ہے وہاں اجتماعی بھی ہے معاشرہ
کے عمل سے فرد اور فرد کے عمل سے معاشرہ متاثر ہوتے رہتے ہیں اس عمل رد عمل

کا بیان تاریخ کہلاتی ہے۔ زار کے عمل کا معاشرہ پر ردعمل ہوا اور اتنا زبردست ہوا کہ اس کے تصور سے خیال کانپ جاتا ہے۔

انقلاب کی تند ہوائیں چل رہی تھیں۔ جرمن کے غیظ و غضب کا طوفان امنڈا چلا آ رہا تھا۔ ملک کا کثیر حصہ خون کی ندیوں کی آماجگاہ اور بھیانک نعشوں کا منظر بنا ہوا تھا۔ بھوک اور پیاس نے عبد کو معبود سے متنفر کر دیا تھا تباہی و بربادی بستیوں اور شاداب سبزہ زاروں سے مسکراتی ہوئی گزر رہی تھی۔ کسان اور مزدور انقلابی اقدام پر آمادہ تھے۔ ملک میں سیاسی مظاہرے عام تھے۔ حکومت کا وقار خاک میں مل چکا تھا لیکن اللہ اللہ احساس کی کمی اور غلط عقیدہ کا جادو کہ زار روس ہنوز بیداری میں خواب کے مزے لے رہا تھا۔ راسپوٹن کی ساحری نے شہنشاہ کو سلطنت کے ہر معاملہ سے یکسر بے توجہ کر رکھا تھا۔ وہ ان خطرناک حالات میں بھی اسی طرح بے پروائی و بے نیازی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ گویا اس کے گرد و پیش مکمل امن و سکون تھا۔ خطرے کے وقت لاپروائی و بے نیازی دو طرح کے انسانوں کی خصوصیت ہوتی ہے ایک وہ جو تفکر و تدبر اور معرفت و عرفان کی برکت سے عالم حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں دوسرے وہ لوگ جن میں احساس کی کمی ہوتی ہے۔ جب تک خطرہ ان کے سر پر نہ آ جائے وہ چونکتے ہی نہیں شہنشاہ روس اس دوسرے گروہ میں سے تھا۔

زار کی ڈائری اس تنقید کی تائید کرتی ہے کہ اس کی نظر جس قدر سطحی تھی اس کا فکر بھی اسی قدر خام تھا۔ روسی فوج جرمن سنگینوں کا شکار ہو رہی ہے۔ بھوک اور پیاس کی شدت نے مزدوروں اور کسانوں کو بغاوت پر آمادہ کر رکھا ہے۔ بورژوازی اور امیر طبقہ سیاسی پیچیدگیاں پیدا کر رہا ہے۔ ہر طرف سے زخمی دلوں کی پکار آ رہی ہے۔ فوج محاذ سے فرار ہو رہی ہے۔ وزرا استعفٰی دے رہے ہیں

ہڑتالیں ہو رہی ہیں۔ شاہی خاندان کے لوگ راسپوٹن کو قتل کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ زار و زارینہ کو برطرف کرنے کے مشورے کئے جا رہے ہیں۔ لیکن زار کی اس زمانے کی ڈائری سے کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس اللہ کے بندے کو کبھی مندرجہ بالا حالات کا احساس ہوا ہو۔ ڈائری اس قسم کے طفلانہ اندراجات سے لبریز ہے "آج بہت چلا۔ دو کوے شکار کئے۔ دن چڑھ آیا تب چائے پی۔ کچھ وقت جہاز رانی میں گزرا۔ آج دن بہت گرم تھا۔ سائیکل لی اور سمندر جا کر غسل کیا۔ طوفان آیا اور گھر گیا وغیرہ وغیرہ"

ڈائری میں عبادت اور بزم نشاط کا ذکر ایک ہی انداز سے ہے۔ ڈائری کیا ہے زار روس کی طفلانہ ذہنیت کا موقع ہے ملک کے طول و عرض میں جو ہڑتالیں ہنگامے اور بلوے ہو رہے تھے ان پر ڈائری میں صرف ایک تنقیدی جملہ ہے۔ "کیا خوب تماشہ ہو رہا ہے" چشم بینا نہ رہے اور انسان اپنی فکری اہلیتیں کھو دے تب انقلاب تماشہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہی وہ تماشہ تھا جس نے کچھ عرصہ بعد زار کو خون کے آنسو رلوائے۔

جس طرح فضا میں خلا محال ہے اسی طرح انسان کے دل و دماغ میں خلا ہونا ناممکن ہے اگر کسی انسان کے دل و دماغ میں نیک افکار نہیں ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ اس پر بد افکار حکمران ہیں۔ زار چونکہ نیک افکار و کردار سے مبرا تھا اسلئے فرعونیت، حیلہ جوئی، سفاکی، اہل فکر و عمل سے نفرت اور اس قسم کی دیگر مذموم خصوصیات اس میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ کاونٹ وٹے لکھتا ہے "زار میں فرعونیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس کے نزدیک کسی فعل کے جائز ہونے کی یہ وجہ کافی ہے کہ وہ اس کو کرنا چاہتا ہے جس روز کسی افسر پر عتاب نازل ہوتا اس روز اس پر خاص طور سے نظر عنایت ہوتی اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وزیر کو باریابی بخشی اس سے بہت

گرم جوشی سے باتیں کیں لیکن جب وزیر واپس گھر پہنچا حکم ملا کہ اپنا استعفیٰ داخل کردو۔ مرشدوں۔ فقیروں۔ مجذوبوں کی دعاؤں یا پر فن عیار لوگوں کی سیاسی چالوں سے ملکی معاملات درست نہ ہوتے اس وقت بحالت مجبوری اہل فکر کو تعاون کی دعوت دیتا اور جب ان کے حسن تدبیر سے حالات رو بہ اصلاح ہو جاتے تو پھر ان کو راندہ درگاہ کر دیتا چنانچہ ڈوما کے صدر نے زار کو متنبہ کرتے ہوئے کہا "افسوس کہ آپ کے مشیروں میں ایک بھی پر خلوص اہل فکر نہیں ہے۔ ملک کے بہی خواہ یا نکال دیئے گئے ہیں یا انھوں نے خود گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے آج کل حکومت کی باگ بے حد نا اہل ہاتھوں میں ہے" زار کی ملوکیتی کیفیت اس قدر مسخ ہو چکی تھی کہ چند فوجی سپاہیوں نے طالب علم لڑکیوں کے کوڑے لگائے اس پر زار بہت خوش ہوا۔ چند سپاہیوں کو ڈوما کی اپوزیشن پارٹی کے لیڈر کے قتل کر دینے پر عدالت سے موت کی سزا ملی تو زار نے ان کو بچا دیا۔ ایک لفٹننٹ نے رعایا کو قتل کر دیا۔ صوبے کے گورنر نے زار کو شکایت روانہ کی اس پر شہنشاہ نے صرف یہ تحریر فرما دیا "لفٹننٹ خوب آدمی ہے"

زار کی غلط کاریاں اس درجہ اظہر من الشمس ہو گئی تھیں کہ عوام و خواص کو بادشاہ کے صحیح الدماغ ہونے میں شک ہو گیا تھا۔ عام افواہ تھی کہ شراب کی کثرت نے بادشاہ کا دماغ ماؤف کر دیا ہے چند مقربین کو یہ بد گمانی بھی تھی کہ شاید راسپوٹن اپنا اثر بڑھانے کے لئے کسی بہانے سے زار کو کوئی ایسی دوا استعمال کرا رہا ہے جس سے اس کی دماغی کیفیت خراب ہوتی چلی جا رہی ہے لیکن اصل واقعہ یہ تھا کہ جس سیاسی نظام و روایات اور طریقہ فکر و عمل کو تاریخ مسترد کر دے ان پر کاربند رہنا بربادی کو دعوت دینا ہوتا ہے۔ جس دور کا بنیادی تخیل یہ ہو کہ بادشاہ ظل اللہ اور اس کا ہر عمل و حکم مشیت الٰہی کا حامل ہوتا ہے اس دور میں بادشاہ

کا ہر حکم و عمل خواہ وہ کتنا ہی تکلیف دہ اور ضرر رساں کیوں نہ ہو رعایا بے چون وچرا مان لے گی لیکن جس زمانہ میں شہنشاہیت ایک کم درجہ کا ارتقائی درجہ تصور کیجانے لگے اور یہ یقین ہو کہ تاریخ اس ادارہ کہن کو مسترد کر چکی ہے ملوکیت عوام میں مکمن ہے اور انہیں کے ارادے اور مرضی کو کسی نظام کی تشکیل میں پورا پورا حق ہونا چاہیئے اس ماحول میں بادشاہ کے ہر غلط اقدام پر جدید طرز خیال رکھنے والوں کا رد عمل مختلف ہو گا۔ بادشاہ کا فکر و عمل اس زمانہ کا حامل تھا جبکہ اس کو ظل اللہ تصور کیا جاتا تھا اور رعایا جدید فکر سے متاثر ہو چکی تھی پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ شہنشاہ اور رعایا میں رشتہ ارتباط و آشتی قائم رہتا تصادم کی اصل وجہ یہ تھی جس کو زار کی شراب نوشی یا راسپوٹن کی سحر کاری کی طرف منسوب کیا جا رہا تھا۔

تاریخ عالم ایسی بہت سی مثالیں پیش کرتی ہے کہ شہنشاہ نا اہل ہے لیکن ملکہ ایسی فہیم اور سیاسی دماغ رکھنے والی ہے کہ وہ سلطنت کا کاروبار سنبھالے رکھتی ہے۔ لیکن زار کی بد قسمتی سے یہاں یہ شکل بھی ناپید تھی زارینہ دولھن بھی نہ بننے پائی تھیں کہ خسر رخصت ہو گئے اور خسر کی رحلت کے ایک ہفتہ بعد ہی ملکہ روس کے فرائض کی انجام دہی کا بار اس کمسن لڑکی کے شانوں پر آ پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنی کی یہ سادہ لوح شہزادی جو ہنوز عملی زندگی کے نشیب و فراز سے لاعلم تھی محل کی زندگی کا مرکز بن گئی۔ مجلسی آداب سے ناواقف اگر محفل آرائی کے لئے منتخب ہو جائے وہ اپنے فرائض کس طرح ادا کر سکتی ہے۔ چنانچہ ملکہ کی اس خامی کی بنا پر محفل کا رنگ اکھڑنا شروع ہو گیا اور ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ درباری ملکہ سے لاپرواہ ہو گئے اور ملکہ درباریوں سے بیزار ہو کر گوشہ تنہائی میں بیٹھ گئی۔ اسی زمانہ میں بالکل اتفاقیہ زارینہ کی ملاقات ویرو کوداسے ہوئی۔ یہ خاتون زار کے بہت بڑے عہدے دار کی لڑکی تھیں۔ میعادی بخار میں مبتلا ایک ہسپتال میں زیر

علاج تھیں کہ انھوں نے خواب دیکھا کہ ملکۂ معظمہ تشریف لائی ہیں اور مریضہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہمراہ لے گئی ہیں خواب کے بعد سے مریضہ کی حالت بہتر ہونی شروع ہو گئی۔ شدہ شدہ جب ملکۂ معظمہ کو اس خواب اور اس کے اثر کی اطلاع ہوئی وہ از راہ ترحم خسروانہ ویروبوداکی مزاج پرسی کے لئے ہسپتال تشریف لے گئیں۔ ملکۂ معظمہ کے کرم فرمانے پر کون ان پر قربان ہونے کو تیار نہ ہو جائے گا چنانچہ ملکہ کی آمد پر بیمار لڑکی بہت خوش ہوئی اور اس وقت سے ملکہ اور ویروبودا میں رشتہ محبت قائم ہو گیا جس طرح ملکہ حادثات کا شکار تھیں اسی طرح بروبوداکو بھی زندگی میں ایک سانحہ پیش آچکا تھا یعنی اس کی شادی کامیاب ثابت نہیں ہوئی تھی اور وہ طلاق لے کر گھر بیٹھی ہوئی تھی۔ شفا پاکر یہ ناکام محبت لڑکی ملکہ کی خدمت ہی میں رہنے لگی اور ان کے مزاج میں اسقدر دخیل ہو گئی کہ محل کی زندگی کا جزو بن گئی۔ اب بروبوداکو یہ خواہش ہوئی کہ اس کے سوا ملکہ کی محبت و عنایت کا کوئی دوسرا مالک نہ ہونے پائے اپنے اس فطری رجحان کے مطابق اس نے ہر جائز و ناجائز طریقہ پر زارینہ کو دوسروں سے اس درجہ علیحدہ کر دیا کہ اس کی زندگی راہبانہ ہو گئی (پہلے راسپوٹن کی ملاقات اسی بروبودا سے ہوئی) مدا اس پیر و مرشد نے اپنے خیال و روح کی طاقتوں سے اول اول بروبوداکو مسخر کیا اور بعد ازآن اس لڑکی اور شاہی خاندان کی دیگر خواتین کے ذریعے سے زارینہ تک رسائی حاصل کی۔ ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ راسپوٹن اور بروبودا شریک کار بن گئے موخرالذکر مختلف طریقہ سے پیر و مرشد کا وقار زارینہ کے دل میں پیدا کرتی اور یہ مرشد کامل خاتون کے خلوص و وفاداری کا سکہ ملکہ کے دل پر جماتا زارینہ بچپن ہی سے کمزور دل و دماغ اور ناتواں اعصاب کی خاتون تھی خدا کا حکم کہ شادی کے بعد بھی تندرستی خراب ہی رہی۔ لڑکا پیدا ہوتے پر ماں سے ترکہ میں اس کو بھی اعصابی کمزوری ملی۔ حیات بھی ایک قید مطلق ہے انسانی پیدائش کس درجہ بیرونی تاثرات سے

جکڑی ہوئی ہوتی ہے۔ انفرادی تقدیر اجتماعی تقدیر سے کسی قدر متاثر ہوتی ہے؟ زارینہ کے لڑکا ہوا اور پیدائش کے وقت سے ہی صاحب فراش رہنے لگا کہیں ذرا سی چوٹ یا خراش لگ جاتی خون رواں ہو جاتا اور روکے نہ رکتا۔ یہ مہلک بیماری ملکہ کے خاندان میں تھی جو ولیعہد روس کو اپنی ماں سے ترکے میں ملی شہنشاہوں کے یہاں علاج و معالجہ کی کیا کمی ہو سکتی تھی لیکن صحت کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ طبی معالجوں کی سعی ناکام ہونے کے بعد روحانی معالجوں کی تلاش شروع ہوئی۔ بروبودا کی راسپوٹن سے ملاقات ہو ہی چکی تھی۔ چنانچہ اس روحانی طبیب کا علاج شروع ہوا اور اس سے فائدہ ہونے لگا۔

کسی شہنشاہ کے اکلوتا لڑکا ہو۔ ماں باپ کی آنکھوں کا چراغ، سلطنت کا وارث اور وہ اتنا علیل ہو کہ اس کے شفا پانے کی کوئی امید نہ رہے۔ یہ حالات ہوں اور کوئی درویش نما انسان آکر کسی طرح خواہ اس کو مسمریزم۔ ہپنوٹزم خیال روح کی طاقت کہیئے یا کسی اور نام سے پکاریئے لڑکے کے مرض میں تخفیف کر دے۔ ان حالات میں کیونکر ممکن ہے کہ لڑکے کے والدین کو اس درویش کے کامل ہونے پر یقین نہ آجائے۔ جب ایک مرتبہ مشاہدہ کی بنا پر کسی شخص کے اہل باطن ہونے کا کامل یقین ہو گیا ہو پھر اگر وہ یہ کہے کہ وہ خدا کا فرستادہ ہے اور شہنشاہ کی رہبری و حفاظت کے لئے آیا ہے کون اس کا یقین نہ کرے گا چنانچہ یہی ہوا راسپوٹن نے کشف و کرامت سے لڑکے کے مرض میں تخفیف کر دی۔ اور وہ محل کی دنیا کا ماہتاب بن گیا۔ ملکہ جس کو پیر و مرشد ماننے محل میں کس کی مجال تھی کہ اس کے سامنے زانوئے ادب طے نہ کرے۔ قلیل عرصے میں زار و زارینہ پر راسپوٹن کا اثر ہو گیا اس کے بعد ان دونوں کو آلہ کار بنا کر اس نے حکومت کے معاملات میں دخل دینا شروع کر دیا۔ نو برس کے عرصے میں اس پیر و مرشد کا زار و زارینہ اور سلطنت کے حکام

اعلیٰ پیمانہ اثر ہو گیا تھا کہ کوئی کام بغیر اس کے مشورے کے نہیں ہوتا تھا۔ دوسروں کا ذکر ہی کیا ہے وزیر اعظم اس روحانی جادوگر کے اشارے سے برطرف اور مقرر ہوتے۔ بڑے بڑے سرمایہ داروں کو اجارے اور ٹھیکے لینے کے لئے راسپوٹن کے در کی جبہ سائی کرنی پڑتی تھی۔ پیٹربرگ کے جامع کلیہ کا امام اعظم اس ساحری کے مشورہ سے مقرر ہوتا تھا۔ دار السلطنت کی حسین اور معصوم شریف زادیاں اس پیر و مرشد کے قدم چومتی تھیں۔ بظاہر زار روس تخت و تاج کا مالک تھا لیکن حقیقتاً راسپوٹن زارینہ کے ذریعہ سے روس پر حکومت کرتا تھا۔ زارینہ اگر بیدار مغز، وقتی تقاضوں اور تاریخی رجحانات کو سمجھنے والی ملکہ ہوتی تب شاید زار کی توہم پرستی اور اس کے فکری و عملی اضمحلال کے برے نتائج کا انسداد ہو جاتا لیکن زارینہ خود شخصی حکومت کی پرستار، حاضرات، جادو ٹونوں اور ٹوٹکوں میں مستغرق رہتی تھی۔ ملکہ پہلے ایک فرانسیسی حاضرات اور سفلی عمل کرنے والے ڈاکٹر فلیپ کی گرویدہ رہی جس کی بابت یہ مشہور تھا کہ وہ کسی غیر ملک کا جاسوس ہے۔ جب راسپوٹن کی محل میں رسائی ہو گئی اس وقت سے زارینہ اس کی دعاؤں اور عملوں کا سہارا لینے لگی خود ملکہ میں اگر روحانیت ہوتی تو وہ راسپوٹن کی روحانیت اور اس کی طاقت و ثروت حاصل کرنے کی ہوس میں تفریق کرتی۔ اس ساحر کی روحانی طاقت سے فائدہ اٹھاتی لیکن اس کو سلطنت کے امور میں اتنا دخیل نہ کرتی کہ اکابر روسیوں کو ناگوار گزرتا۔ مگر زارینہ جیسی سادہ لوح لڑکی میں یہ سلیم الطبعی کہاں سے آتی کہ ہر شئے کو اس کے مقام پر رکھے اور حد سے آگے نہ بڑھنے دے۔

زار و زارینہ کی کم فہمی اور ناعاقبت اندیشی سے گھبرا کر جب روس کا سربرآوردہ طبقہ نیز شاہی خاندان بددل ہو گیا اس وقت لبرل پارٹی کے ذمہ دار حکومت قائم کرنے کے مطالبہ میں زیادہ زور آ گیا اور ملک کی فضا یہاں تک مکدر ہو گئی کہ عام طور پر زار کو برطرف اور اس کے بھتیجے کو جو اس وقت روسی فوج کا کمانڈر انچیف تھا

تخت نشین کرنے کا خیال پیدا ہو گیا۔ اس رجحان کی اطلاع پر زار و زارینہ اور ان کے پیر و مرشد نے یہ طے کیا کہ شہنشاہ کو فوج کے کمانڈر انچیف کا عہدہ خود جا کر سنبھال لینا چاہیئے۔ راسپوٹن علم غیب کی بنا پر مشورہ دے اور اپنی دعاؤں اور درود و ظائف سے دشمن پر فتح پانے کا بھروسہ دلائے۔ پھر زار کیوں نہ مرشد کا حکم بجالائے سیاسی نقطہ نگاہ سے یہ قدم نہایت غلط تھا۔ زار کے کمانڈر ان چیف ہونے کے بعد جس قدر شکستیں ہوئیں ان کی تمام ذمہ داری زار پر عائد ہوئی اور شہنشاہ کا وقار عوام کی نظروں میں زیادہ گر گیا۔ اس اقدام کا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ زار کی محاذ پر روانگی کے بعد سلطنت کا تمام کاروبار زارینہ کے سپرد ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک کم فہم خاتون یا ایک شریر مرشد کسی سلطنت کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہوتے ہیں لیکن جس سلطنت کے امور میں ان دونوں کا بیک وقت دخل ہو جائے اس کی تباہی و بربادی کس طرح ٹل سکتی تھی۔ نام کو زارینہ لیکن دراصل اس کے پیر و مرشد کے ہاتھ میں زمام حکومت آگئی۔ اس زمانہ میں زارینہ و زار میں جو خط و کتابت ہوئی وہ ان دونو کی تمام نفسی کیفیت اور راسپوٹن کی طلسم کاری کا موقع ہے۔ زارینہ ذمہ دار حکومت کے مطالبہ پر تنقید کرتی ہوئی زار کو تحریر فرماتی ہیں "تمہیں ہرگز وزیروں کا مشورہ نہ ماننا چاہیئے اور نہ ذمہ دار وزارت کی تائید کرنی چاہیئے۔ یہ تمہاری جنگ ہے اور صلح کرنے یا نہ کرنے کا حق صرف تم کو حاصل ہے۔ تمام معاملات میں ڈوما کی نہیں بلکہ تمہاری عزت اور روس کا وقار مقدم ہے۔ ڈوما کو صلح و جنگ کے معاملات میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہے" وزیر اعظم نے جب وزیر داخلہ پروٹوپوف کو جو راسپوٹن کا گرگا تھا وزارت سے علیحدہ کرنا چاہا اس موقع پر زارینہ نے زار کو لکھا "جب تم ایک مرتبہ ارادہ کر چکے ہو کہ وزیر داخلہ پروٹوپوف کو اس کے عہدہ پر بحال رکھو وزیر اعظم کون ہوتا ہے کہ اس کی مخالفت کرے تم ہمت مردانہ سے کام لو۔

کسی کا مشورہ نہ لو، بس اپنی مستقل مزاج بیوی کے مشورہ پر چلو اور ہمارے دوست راسپوٹن پر اعتماد رکھو" تین روز بعد اسی مضمون پر دوسرے خط میں یوں فرماتی ہیں "جب تمہیں اپنے فیصلہ کے صحیح ہونے کا یقین ہے پھر اپنا سر بلند رکھو (وزیر اعظم کو حکم دو کہ پروٹوپوف کے ساتھ تعاون کرلے) اور اپنے اس فیصلے پر مضبوطی سے قائم رہو" ۱۲ دسمبر کو ذمہ دار حکومت کی بابت پھر زار کو اس طرح مشورہ دیا جاتا ہے (ذمہدار وزارت قائم کرنے کا مشورہ ہرگز قبول نہ کرنا جو ذمہ دار وزارت کے قائم کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ وہ دیوانے ہیں) "اب حالات روبہ اصلاح ہوتے جا رہے ہیں، بس ذرا تشدد کی ضرورت ہے۔ روسی چابک کے خوگر ہیں یہ ان کی فطرت ہے" زارینہ کے بیشتر خطوط میں اسی قسم کے جملے ملتے ہیں "یہ میری رائے ہے دوست (راسپوٹن) کی رائے معلوم کرلینے کے بعد پھر مفصل تحریر کروں گی"۔ ایک خط میں تحریر فرماتی ہیں "میں مذبذب نہیں ہوں، میری بات غور سے سنو میری بات سے مطلب دوست (راسپوٹن) کے ارشادات ہیں اور ان پر یقین رکھو۔ میں تمہاری جدائی کے سبب سے اس قدر آزردہ و پریشان رہتی ہوں جیسے کوئی ماں اپنے نیک و نرم دل بچے کے لئے جس کو ہنوز رہبری کی ضرورت ہو ایک ایسا سادہ لوح بچہ جو ابھی تک غلط مشوروں کو ترجیح دیتا ہو حالانکہ ایک خدا کا فرستادہ یہاں موجود ہے اور راہ راست بتاتا ہے ... ...
ہمارے دوست کی روحانی امداد اور دعائیں ہمارے سب معاملات درست کردیں گی اگر وہ ہمارے ساتھ نہ ہوتا ہم اس سے بہت پہلے ہی ختم ہو چکے ہوتے اس کا مجھے کامل یقین ہے" چند امرا نے جرأت کرکے زار سے کابینہ میں مناسب تبدیلی کرلینے کی درخواست کی، اس پر زارینہ نے بادشاہ کو ایک سیب جس پر راسپوٹن نے کچھ عمل پڑھ کر دم کردیا تھا روانہ کیا اور لکھا "یہ سیب مرشد کا عنایت کردہ ہے اس کو نوش فرمالیں یہ آپ کے ارادہ میں استقلال پیدا کردے گا اور دیکھئے وہ فرانسیسی حضرات

والا بھی یہی کہتا تھا کہ وزارت میں تبدیلی نہ فرمائیں) ایسا کرنے سے آپ اور آپ کی سلطنت تباہ ہو جائے گی بیڑا اعظم اور آوٹن سفاک بنجائیے اور ان مفسدوں کو کچل ڈالئے" جب راسپوٹن کی کامیاب عیش کوشیوں کے چرچے عام ہوئے اس پہ زارینہ نے پیرو مرشد کی صفائی پیش کرتے ہوئے زار کو تحریر کیا" عام لوگ گریگوری پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ عورتوں کو پیار کرتے ہیں، انجیل مقدس کی تلاوت سے یہ علم ہوتا ہے کہ بزرگوں کا اپنے خوردوں کو خوش آمدید کہنے کا یہ ایک احسن طریقہ ہے" دوسرے خط میں تحریر کرتی ہیں" شام عبادت کے وقت مجھے دوست کا بہت خیال آیا۔ لوگ کس طرح الزام لگا کر راسپوٹن پر ظلم ڈھا رہے ہیں حالانکہ وہ مسیح ہیں لیکن یہ دنیا کی پرانی رسم ہے کہ پیغمبر کی اس کے اپنے وطن میں عزت نہیں ہوتی"

(وزیر اعظم روس اسٹنمر جرمنی کے خلاف جنگ جاری رکھنے کے موافق نہ تھا عام افواہ تھی کہ وزیر اعظم۔ راسپوٹن اور زارینہ جرمن جاسوس ہیں۔ فوج کو یقین تھا کہ جرمنی کی بیٹی اور روس کی ملکہ زارینہ حب الوطنی کا شکار ہو کر جرمنی سے صلح کی خفیہ گفت و شنید کر رہی ہے) لارڈ کچز کا ڈوبنا زارینہ کی جاسوسی کا نتیجہ خیال کیا جا رہا تھا یہ افواہیں فوج کی وفاداری پر زہریلا اثر کر رہی تھیں۔ اس زمانہ میں زار کے بھائی نے ڈوما کے صدر سے کہا" سارا خاندان واقف ہے کہ بھابی جان روس کو کس قدر نقصان پہنچا رہی ہیں، میرے بھائی اور بھابی کو غدار گھیرے ہوئے ہیں کوئی ایماندار انسان ان کے پاس تک جانا پسند نہیں کرتا۔ اب کریں تو کیا کریں کچھ سمجھ میں نہیں آتا) زارینہ کی کم فہمی اور راسپوٹن کی عیاری نے تمام سربرآوردہ طبقہ میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی تھی اور یہ خیال قوی ہوتا جا رہا تھا کہ شہنشاہ اور ملکہ کو تخت و تاج سے دست بردار کر دیا جائے چنانچہ گرانڈ ڈچز نے صاف الفاظ میں ڈوما کے صدر کو یہ مشورہ دیا" زارینہ کو غائب کر دو" مطلب یہ تھا کہ نہ زارینہ ہو گی اور نہ راسپوٹن سلطنت

کے کاموں میں دخل دے سکے گا۔ زارینہ اس زمانہ کے ایک خط میں زار کو مشورہ دیتی ہوئی لکھتی ہے "میرے پیارے ہوشیار و خبردار رہنا کبھی محبت و الفت میں آکر بھتیجے سے کوئی وعدہ کر بیٹھو جس سے بعد میں تمہیں نقصان پہنچے۔ یاد رکھو کہ پیر مرشد نے تمہیں تمہارے دشمنوں سے بچا رکھا ہے یہ تمہیں تخت سے اتارنا اور مجھے ایک خانقاہ میں راہبہ بنا کر بھیجنا چاہتے ہیں۔ یہ افواہ نہیں ہے بلکہ اورلوف کے پاس اس کا ثبوت موجود ہے۔ وہ تمام ثبوت تمہارے سامنے پیش کرے گا۔"

ویروبونا اس زمانہ کے حالات قلمبند کرتے ہوئے لکھتی ہے "شہنشاہ و ملکہ کے تمام مصاحب ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے بہت خوفناک نتائج برآمد ہوں گے۔ نہ معلوم پیٹروگرید کے حکمران طبقہ کو کیا ہو گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کل طبقہ یک لخت کسی روحانی بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے۔ ان دنوں امراء اس درجہ پریشان و بدحواس ہو رہے ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا" وزیر داخلہ پروٹوپوف اس زمانہ کی بابت اپنے حالات زندگی میں تحریر کرتا ہے "ڈیوک۔ جاگیردار، سرمایہ دار سب حکومت کے خلاف نظر آتے تھے ان کا اہم مشغلہ یہ تھا کہ سیلونوں۔ کلبوں میں حکومت کی سیاست کا مذاق اڑائیں۔ محل کی زندگی پر تنقید کریں خانگی زندگیوں کو کریدیں اور ان کی بابت اشعار گھڑ کر اپنے جذبہ حقارت کو ٹھنڈا کرتے رہیں"

انسانی فطرت ہی کچھ ایسی ہے کہ عجائبات اس کو مرعوب اور کشف و کرامات اس کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ کوئی انسان دوسروں میں کسی طرح حیرت پیدا کر دے اس کی بزرگی میں ایمان و یقین پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ زار و زارینہ کو راسپوٹین کے کشف و کرامت کا مشاہدہ کرنے سے اس جادوگر کے فقیر کامل ہونے کا یقین آگیا اور وہ پیرو مرشد کی ہر بات کو الہام الٰہی تصور کرنے لگے لیکن

کسی امر میں یقین کر لینا تاریخی رجحانات اور معاشرے کے تقاضوں کو نہیں بدل سکتا بلکہ جب غلط یقین اور تقاضوں میں جنگ ہوتی ہے اس وقت یا تو یقین کو بدلنا پڑتا ہے یا یقین کرنے والے فنا ہو جاتے ہیں۔ زار، زارینہ چونکہ اپنے معتقدات و اعمال کو بنی نوع انسان کے ارتقائی رجحانات کی سطح پر نہ لا سکے اسلئے فنا ہو گئے۔

چونکہ گریگوری راسپوٹن کی زندگی کے چند واقعات بیان کئے بغیر محل کی زندگی کا نقشہ مکمل نہ ہو گا اس لئے اجمالاً چند صفحہ اس پیر و مرشد کے حالات کی نذر کرنا ضروری ہیں۔ راسپوٹن سائبیریا کے ایک گاؤں پوکروسکو میں پیدا ہوا اور وہیں جوان ہوا ابتدائی زندگی چوری چکاری اور آوارہ گردی میں بسر ہوئی۔ کئی مرتبہ چوری کرتا ہوا پکڑا گیا اور اس قدر زد و کوب کیا گیا کہ اگر گریگوری میں غیر معمولی قوت برداشت نہ ہوتی وہ مدت کا ختم ہو گیا ہوتا۔

قدرت نے انسان کو کچھ عجب طرح تخلیق کیا ہے اس کو ایسی اہلیتیں عنایت فرمائی ہیں کہ جو نہ بذات خود قبیح ہیں نہ حسن ان کا بد یا نیک استعمال کسی انسان کو بدکردار یا نیک کردار بناتا ہے مثلاً قوت برداشت۔ قوت عمل۔ حاضر دماغی۔ دلیری۔ انہماک ذوق کمال وغیرہ بدمعاش اور درویش میں مشترک ہوتی ہیں فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ اول الذکر ان کو مذموم کاموں کے لئے استعمال کرتا ہے اور موخر الذکر محمود مقاصد کے لئے لیکن جہاں تک صرف اہلیتوں کا تعلق ہے بدمعاش و درویش ہم پلہ ہی ہوتے ہیں۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ جب کوئی بدمعاش شخص حادثات یا حالات سے متاثر ہو کر درویشی کی طرف مائل ہوتا ہے وہ بڑی تیزی سے روحانی ارتقا کی منازل طے کر لیتا ہے۔ یہی ماجرا گریگوری کے ساتھ پیش آیا۔ یہ بدمعاش آوارہ انسانوں کی طرح روس کے طول و عرض میں دورہ کرتا پھرتا اور کچھ مدت بعد وطن واپس آجاتا۔ مدت تک اس کا یہی معمول رہا لیکن ایک دفعہ گاؤں سے

جانے کے بعد نہ آیا۔ تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ راسپوٹن باپ دادا کا مذہب ترک کر کے باقاعدہ عیسائی ہو گیا ہے اور کسی خانقاہ میں راہبانہ زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس زمانے میں مختلف قسم کی ریاضتوں سے اس نے اپنی روحانی طاقت بڑھائی اس کی روحانی طاقت کے کرشمے دیکھکر عوام راسپوٹن کے گرویدہ ہو گئے اور وہ بزرگ کامل تصور کیا جانے لگا۔ روحانی کرشمے دکھانے والے کی شہرت آگ کی طرح پھیلتی ہے اور عوام کا حسن عقیدت اس کو ان کا روحانی بادشاہ بنا دیتا ہے چنانچہ راسپوٹن بھی درویش کامل کی طرح خانقاہ در خانقاہ مختلف مقامات کے دورے کرنے لگا۔ اس سیاحت میں حسن اتفاق سے راسپوٹن کی ملاقات ایک اور راہب سے ہوئی جو فوراً ہی اس روحانی ساحر کی بزرگی کا قائل ہو گیا۔ اس راہب نے گریگوری کا تعارف ایک بڑے پادری سے کرا دیا جو راسپوٹن کو اپنے ہمراہ پیٹرزبرگ لے آیا اس طرح قدرت نے اس سائبیریا کے باشندے کو دارالسلطنت میں پہنچا دیا جہاں اس کو شہنشاہ و ملکہ پر حکومت کرنی تھی ریاضت کی وجہ سے اس کی روحانی طاقت بڑھی ہوئی تھی ہی چنانچہ جو راسپوٹن سے ملتا مسخر ہو جاتا رفتہ رفتہ ولیعہد کے علاج کے سلسلہ میں محل تک رسائی ہو گئی اور جس طرح دوسرے لوگ مسخر ہو چکے تھے زار و زارینہ بھی اس کے سحر کا شکار ہو گئے (نو سال کے قلیل عرصے میں یہ بزرگ کامل روس کا حاکم و مالک بن گیا) راسپوٹن نے کیا کیا اوصاف و بدکاریاں تھیں اس نے کس طرح تمام روس میں ریشہ دوانیوں کا جال پھیلایا اور اس کو کس طرح دھوکے سے قتل کیا گیا اس کا مفصل ذکر جتنا عبرت انگیز ہے اتنا ہی معنی خیز ہے اس لئے اس کے حالات زندگی کسی دوسری فرصت میں کتاب کی شکل میں پیش کئے جائیں گے۔ یہاں مختصر طور پر وہ حالات قلم بند کئے جا رہے ہیں۔ جن کا تذکرہ راسپوٹن کے دوست اور قاتل شہزادہ یوسوپوف نے (جن کے جدالامجد یوسف مرزا تیموری

لشکر کے ایک افسر تھے) اپنی مشہور تصنیف "راسپوٹن" میں قلم بند کئے ہیں گمان ہو سکتا ہے کہ یوسوپوف نے جو کچھ تحریر کیا ہے مبالغہ کے ساتھ ہو اور اپنی اس تصنیف میں قتل کا جواز پیدا کرنے کی سعی کی ہو لیکن غیر جانبدار مصنفوں نے بھی قریب قریب یہی حالات قلمبند لئے ہیں۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ یوسوپوف نے تاریخی دیانتداری سے کام لیا ہے یہاں اس کتاب کے چیدہ چیدہ حصص کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے "مس م" جن کی دل کی دنیا کا میں مالک تھا اور ان کی والدہ صاحبہ کی قدرتی طور پر یہ خواہش تھی کہ جس کو وہ بزرگ تصور کریں میں بھی اس کو پیر و مرشد مانوں چنانچہ جب کبھی بھی گریگوری ان کے دولت کدہ کو عزت بخشتے اس روز مجھے بھی دعوت دی جاتی تاکہ ان پیر صاحب کا جادو مجھ پر بھی چل جائے اور اس طرح شاید میں مس م کی آرزو پوری کرنے پر مستعد ہو جاؤں یہ سلسلہ ملاقات شائد قدرت نے میرے ارادے کی تکمیل کے لئے پیدا کر دیا تھا چونکہ میں تمام روس کی دلی خواہش کو پہچان کر اس پیر و مرشد کو واصل جہنم کرنا چاہتا تھا اس لئے موقع کو غنیمت جان کر مس م کی ہر دعوت قبول کر لیتا ایک روز مس م کے دولت کدہ پر تھا کہ مرشد کامل تشریف لائے۔ مجھے دیکھکر مسکرائے اور سینہ سے لگایا مس م اور ان کی والدہ محترمہ سے بھی بہت بے تکلفی سے ملے اور ان کے خالوں پر محرمانہ انداز سے ہاتھ مارے کچھ دیر بعد چائے آگئی۔ میز پر باتیں ہونے لگیں م اور ان کی والدہ پیر صاحب کی دلچسپی کے لئے مختلف انداز میں انواع و اقسام کی باتیں کرنے لگیں کبھی پیر و مرشد ان کی باتوں پر توجہ دیتے کبھی نہ دیتے کچھ دیر بعد پیر صاحب نے میری بابت سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ سوالات و جوابات کے دوران میں خدا، حضرت عیسیٰ، بنی نوع انسان کی محبت، عشق حقیقی کے متعلق مختلف نعرے لگاتے رہے سٹینٹ پیٹر برگ میں کوئی تبتی رہتا تھا اس کو جڑی بوٹی کا علم

تھا اور وہ خفیہ طور پر علاج و معالجہ بھی کرتا تھا ان پیر و مرشد اور راسپوٹین کے گہرے تعلقات تھے معہ راسپوٹین شاید اس عطائی سے مختلف کشتہ جات و عرقیات لے کر زار و زارینہ اور ان کے صاحب زادہ کو استعمال کراتے تھے اس عطائی کی دوستی کی بنا پر راسپوٹین اپنے معالج کامل ہونے پر بڑا فخر کرتے تھے مریض کا آدھا مرض وہ اپنی روحانی طاقت سے اور باقی ماندہ کا علاج اس عطائی کی خفیہ ادویات سے کرتے چونکہ مجھے راسپوٹین کی یہ کمزوری معلوم تھی اس لئے میں خواہ مخواہ ایک پرانا بیمار بن گیا تاکہ اس سلسلہ سے راسپوٹین کی زندگی میں داخل ہونے کا موقع مل جائے میرے مصنوعی مرض کا ذکر سن کر پیر صاحب نے فرمایا "میں تمہیں ضرور تندرست کر دوں گا یہ ڈاکٹر بیچارے کچھ جانتے ہی نہیں یہ تمہارے جسم کو ادویات سے بھر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مریض کی حالت خراب ہو جاتی ہے لیکن میرے علاج کا طریقہ دوسرا ہے میں آسمانی طریقہ پر علاج کرتا ہوں اور خدا کے فضل سے شفا دیتا ہوں تم خود دیکھ لینا" یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ راسپوٹین کے لئے ٹیلی فون آیا اور وہ فوراً روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گئے چونکہ تفصیلی ملاقات نہ ہو سکی تھی اس لئے مس م' نے مجھے پھر دعوت دی اور چونکہ میں گٹار بجانا جانتا ہوں اس لئے پیر مرشد کے اشارے پر یہ بھی فرمائش کی کہ میں گٹار بھی لیتا آؤں چنانچہ میں خاص اور وقت مقررہ پر پہنچ گیا ابھی پیر و مرشد کی تشریف آوری کا انتظار ہو رہا تھا کہ باتوں باتوں میں میں نے ام' سے اسی روز راسپوٹین کے اچانک چلے جانے کا سبب دریافت کیا میرے استفسار پر م' نے بادل ناخواستہ جواب دیتے ہوئے کہا کہ محل سے ٹیلی فون آیا تھا کوئی اہم معاملہ خلاف ہو رہا تھا مگر اب خدا کا شکر ہے کہ سب کچھ درست ہو گیا مرشد جب وہاں پہنچ کر ناراض ہوئے تو وہ (زار و زارینہ) خوف زدہ ہو گئے اور سرکار عالیہ نے حضرت کی مرضی کے مطابق فیصلہ کر دیا

میں سمجھ گیا کہ یہ اچانک جانا پرولو پوت" وزیر داخلہ کے تقرر کے سلسلہ میں تھا۔ آر وزیر داخلہ کو مطرف کرنا چاہتے تھے اور پیرومرشد اس کے تقرر کے خواہشمند تھے پھر میں نے م سے دریافت کیا "کیا وزرا کے تقرر میں تمہارا بھی ہاتھ ہوتا ہے" اس پر وہ مسکرا کر بولیں نہیں ہمارا کیا ہاتھ ہوتا لیکن ہم سب حضرت کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ آخر تنہا انسان کے لئے سب کام کرنا مشکل ہوتا ہے حضرت کو مددگاروں کی ضرورت ہوتی ہی ہے یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ پیرومرشد تشریف لے آئے مسکراتے ہوئے ارشاد ہوا "گذشتہ روز اچانک جانا پڑا۔ معاف کرنا مفسد لوگوں کو سزا دینی ہی پڑتی ہے اور عرصے سے مخالفین کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے" پھر م کی طرف مخاطب ہوکر ارشاد ہوا "سب کام درست کر دیا بس مجھے خود جانا پڑا سب سے پہلے پرولو دا ملی وہ آزردہ ہو کر کہنے لگی وہ کام نہیں بنا "گریگوری بس تم پر امید لگی ہوئی ہے خدا کا شکر ہے تم آگئے میں سید حا محل میں داخل ہو گیا دیکھا کہ وہ (زارینہ) خفا اور افسردہ بیٹھی ہے اور درد زنس کمرے میں ٹہل رہا ہے لیکن جب میں نے وہاں پہنچکر اپنے سائے پڑ جانے اور ان کو ان کی تصدیق پر چھوڑ دینے کی دھمکی دی وہ خاموشی سے راہ راست پر آ گئے اور انھوں نے میرا فیصلہ مان لیا"

جب پیرومرشد اپنی ساحری کا ذکر ختم کر چکے تب مجھے گٹار بجانے کا حکم ہوا کچھ دیر سن کر فرمانے لگے تم میں کافی باطنیت ہے تمہارا باطن طاقتور ہے میں نے عرض کیا "لیکن پریشان خاطری رہتی ہے" ارشاد ہوا میں اس کا علاج فوراً کر دوں گا میرے ساتھ جپسیوں کے پاس چلو ایسا کرنے سے بیماری دور ہو جائے گی، میں نے عرض کیا "ایک مرتبہ ایسا کر چکا ہوں لیکن مفید ثابت نہ ہوا" ارشاد ہوا "اف عزیز من خود جانے اور ہمارے ہمراہ جانے میں بڑا فرق ہے میرے ساتھ جا کر بہت تفریح ہوتی ہے" پھر پیرومرشد نے ہمیں جپسیوں کے ساتھ ناچنے گانے کے حالات

سنانے شروع کیے۔ جب حضرت اپنی زندگی کے اس رخ پر روشنی ڈال رہے تھے اس وقت 'م' اور ان کی والدہ محترمہ بہت پریشان ہو رہی تھیں۔ ضبط نہ کر سکنے پر اُن کی والدہ صاحبہ مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگیں "حضرت کی باتوں کا یقین نہ کر لینا۔ اس قسم کی باتیں کر کے یہ ہمارا مذاق اُڑا رہے ہیں۔ یہ اپنے آپ کو خود ذلیل کرتے ہیں تاکہ زیادہ لوگ ان سے محبت نہ کریں" یہ سن کر حضرت برہم ہو گئے اور دونوں خواتین کو اس زور سے جھڑکا کہ وہ دم بخود ہو گئیں۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر ارشاد ہوا "وہاں میرے ہمراہ چلنا۔ تمہارا مرض دور ہو جائے گا تم خود محسوس کر لو گے کہ تمہاری شکایت رفع ہو گئی اور وہاں اس کو 'م' بھی اپنے ہمراہ لے چلیں گے" یہ سن کر 'م' کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا اور ان کی والدہ صاحبہ نے افسردہ لہجہ میں عرض کیا "پیرو مرشد آپ کو کیا ہو گیا ہے آپ زبردستی اپنے آپ کو کیوں بدنام کر رہے ہیں اور ساتھ ہی میری لڑکی کو بھی آلودہ فرما رہے ہیں۔ آخر یہ لڑکی جبیسیوں میں جا کر کیا کرے گی یہ یاد الہٰی کے لیے حضور کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور حضور اس کو جبیسیوں میں لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ حضور کیا ارشادات فرما رہے ہیں" اس پر پیرو مرشد برہم ہو کر بولے کیا کہا۔ میری معیت میں کہیں جانے میں گناہ نہیں تم کیا باتیں بنا رہی ہو" پھر مجھے مخاطب کر کے ارشاد ہوا "عزیز من تم ان باتوں پر دھیان نہ دھرو بلکہ میرے ہمراہ چلو۔ تمہارا مرض دور ہو جائے گا" لیکن میں نے چند مجبوریاں ظاہر کر کے پیرو مرشد کو اس وقت ٹال دیا۔

چونکہ اب پیرو مرشد سے میری شناسائی ہو گئی تھی اس لئے ایک روز میں ان کے دولت کدہ پر گیا۔ بہت مسرور ہوئے۔ دریافت فرمایا "عزیز من کیا تمہیں میرے گھر پسند آئے۔ آئندہ تم اکثر میرے پاس آیا کرو۔ تمہیں اس حاضری سے کچھ فائدہ پہنچے گا۔ مجھ سے نہ ڈرو جب مجھے برت کر دیکھو گے اس وقت

میری خوبیاں تم پر روشن ہوں گی۔ میں کیا نہیں کر سکتا۔ اگر زار و زارینہ میرے تابعدار ہیں تم بھی ہو سکتے ہو میں ان سے (زار و زارینہ) ملوں گا اور ذکر کروں گا کہ کل تم نے میرے ساتھ چائے پی تھی" کچھ دیر کے بعد سیاسیات پر گفتگو ہونے لگی گریگوری فرمانے لگے "ڈوما ہمیشہ میری مخالفت کرتی رہتی ہے اور زار اس کی وجہ سے بہت پریشان خاطر رہتے ہیں۔ لیکن کیا ہے۔ ڈوما کی یہ مخالفت زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی میں ڈوما کو منسوخ کر دوں گا اور تمام ممبروں کو محاذ جنگ پر روانہ کر دوں گا میں انہیں دکھا دوں گا کہ کسی آدمی سے واسطہ پڑا تھا" اس پر میں نے سوال کیا "گریگوری کیا آپ ڈوما کو منسوخ کر سکتے ہیں" جواب ملا "اف ایسا کرنا میرے لئے بڑا ہی آسان ہے۔ جب تم مجھے اچھی طرح جان لوگے اور میری مدد کرو گے اس وقت یہ تمام امور تم کو خود بخود معلوم ہو جائیں گے کہ میں یہ کس طرح کر سکتا ہوں لیکن سنو ملکہ بہت بیدار مغز عالم ہے وہ میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔ جو میں چاہوں اس سے کرا سکتا ہوں۔ لیکن زار۔ اف وہ خدا کا نیک بندہ ہے اس کو یہ چاہیئے کہ بچوں سے کھیلا پھول اور سبزیاں لگائے نہ کہ ملک پر حکومت کرے یہ اس کے لئے دشوار ہے۔ اس لئے خدا کے حکم سے ہم اس کی مدد کرتے ہیں" کچھ دیر تک اسی طرح سلسلہ کلام جاری رہا پھر میں نے عرض کیا "بہت ممکن ہے کہ جو لوگ آپ کو اطلاعات اور مشورے دیتے رہتے ہیں وہ خود غرض ہوں اور آپ ان کے مشوروں کو درست خیال فرما کر ایسا اقدام فرمائیں جس سے ملک کو نقصان پہنچے، بہت ممکن ہے کہ ڈوما کی شوخی سیاسی بے چینی پیدا کر دے" میری اس گذارش پر پیر صاحب نے فخر کے ساتھ مسکراتے ہوئے فرمایا "کیا تم خدا کو سبق دینا چاہتے ہو۔ کیا خدا نے مجھے زار کی رہبری کے لئے بیکار بھیجا ہے...... میں تم کو بتا دوں کہ اگر میں ان کی رہبری نہ کرتا اب تک وہ تباہ ہو جاتے...... اور جب وہ میرا مشورہ

نہیں مانتے میں میز پر ہاتھ مار کر چل کھڑا ہوتا ہوں پھر وہ (زار و زارینہ) میرے پیچھے دوڑتے ہیں اور مجھ سے معافی مانگتے ہیں اور کہتے ہیں نہیں نہیں حضور تشریف نہ لے جائیں ہم خادم ہیں۔ عدول حکمی نہ ہوگی سن لو عزیزمن شہنشاہ و ملکہ میرا کتنا احترام کرتے ہیں۔ چند دنوں کا واقعہ ہے میں ایک شخص کی ایک عہدے کے لئے سفارش کرنے محل گیا وہ (زار و زارینہ) لیت و لعل کرنے لگے آخر کار میں نے غصے سے کہا "میں تمہیں چھوڑ کر سائبیریا چلا جاؤں گا۔ پھر تم پر تباہی و نامردی آجائے گی۔ تمہارا بیمار لڑکا فوت ہو جائیگا۔ اگر تم خدا کی طرف پشت کروگے لامحالہ تمہارا چہرہ شیطان کی طرف ہو جائے گا" سنتے ہو عزیزمن کس طرح کام ہوتے ہیں اس پر بھی کچھ لوگ میری برائی کرتے رہتے ہیں اور کہتے رہتے ہیں۔ راسپوٹین برا انسان ہے اور ان کا (زار و زارینہ) برا چاہتا ہے میں کیوں ان کا برا چاہنے لگا وہ خدا سے ڈرنے والے اچھے بندے ہیں" اس پر میں نے عرض کیا "گریگوری لیکن یہ آپ کو علم ہے کہ لوگ آپ کی بابت کیا قبیح باتیں کہتے ہیں اور نہ صرف روس بلکہ بیرونی ممالک میں بھی ان تمام افسانوں پر یقین کیا جا رہا ہے۔ ...... اگر آپ واقعی زار و زارینہ سے محبت رکھتے ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ سائبیریا واپس تشریف لے جائیں۔ .... ورنہ بہت ممکن ہے آپ پر کامیاب قاتلانہ حملہ ہو" اس پر پیر و مرشد نے ارشاد فرمایا "نہیں عزیزمن تم کچھ نہیں جانتے اگر تم کچھ جانتے تو اس قسم کی باتیں نہ کرتے۔ خدا ایسا نہیں ہونے دیگا جب خدا خاص حالات پیدا کر کے مجھے یہاں لایا اس کے یہ معنی ہیں کہ میرا یہاں رہنا ضروری ہے اور یہ کٹھ پتلیاں جو کچھ کہتی یا لکھتی ہیں میں اس کی چنداں پرواہ نہیں کرتا ان کو لکھنے دو۔ یہ اپنی تباہی کو آپ دعوت دے رہے ہیں"

سلسلہ کلام ختم ہونے کے بعد مرشد مجھے شراب کی میز پہ لے گئے اور انھوں نے میرا جام صحت پینا شروع کر دیا مست ہو جانے پر سلسلہ کلام پھر شروع ہو گیا۔

فرمانے لگے میں یہاں تم سے باتوں میں مشغول ہوں اور محل میں میرا انتظار ہو رہا ہوگا نہیں کیا پرواہ ہے یہ پہلی مرتبہ نہیں ہے کہ وہ میرا انتظار کر رہے ہونگے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے متواتر ٹیلی فون آ لیتے ہیں۔ میں نہیں پہنچتا پھر قاصد آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ لیکن میں اپنا کام ختم کرنے کے بعد ہی جاتا ہوں ..... میں جب اچانک پہنچ جاتا ہوں وہ بہت خوش ہوتے ہیں بعد ازاں گریگوری مجھے علاج کے کمرے میں لے گئے۔ صوفے پر لٹا دیا اور آنکھوں سے آنکھیں ملا کر سر سے پیر تک ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد مجھ پر غنودگی اور خواب کی سی حالت طاری ہونے لگی ایسا محسوس ہونے لگا گویا ہاتھ پیروں کی جان سی نکل رہی ہے جب یہ حالت طاری ہوئی اس وقت میں نے اپنی خیالی روحانی طاقت سے راسپوٹن کی روحانی توجہ سے لڑنا شروع کر دیا جب راسپوٹن کو یہ احساس ہوا کہ میں قوت خیال سے کام لے رہا ہوں اس لئے فوراً عمل ختم کر دیا۔ کچھ دیر بعد میرے حواس درست ہونے پر پیرو مرشد نے فرمایا تم مجھے پسند ہو۔ تم سے انسان باتیں کر سکتا ہے چونکہ تم فوراً ہی معاملہ کی تہہ کو پہنچ جاتے ہو۔ تم مجھے اپنا عندیہ بتاؤ۔ عنقریب تمہیں وزیر بنا دوں۔ سب وزیر میرے حکم کے تابع ہیں چونکہ میری وجہ سے ان کو عہدے ملتے ہیں وزیر اعظم بھی میری مخالفت نہیں کر سکتا۔ اس لئے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ اگر میں اس کے نمائندے کو وزیر داخلہ بنا دوں وہ مجھے پچاس ہزار روپیہ دیگا اور سنو، عورت کا قابو میں لانا مرد کے قابو میں لانے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے اسلئے اثر قائم کرنے کے لئے عورت سے ابتدا کرنی چاہیئے۔ مرد پر قابو پانے کے لئے پہلے عورت کو قابو میں کرنا چاہیئے میں عورتوں کو حمام میں لے جاتا ہوں کیسے باشدا اور جب ایک دفعہ حمام میں داخل ہو گئیں اس وقت ان سے کہتا ہوں اپنے کپڑے اتارو اور اس دیہاتی کو غسل دو اور اگر وہ چون و چرا کرتی ہیں تو میں فوراً ہی یہ سب بدل دیتا ہوں ..... میں یہ انکشافات تعجب سے سن رہا تھا شراب اس پر اثر کر دی تھی

گریگوری کا سلسلہ کلام اگرچہ جاری رہا لیکن وہ اس درجہ فحش ہو گیا تھا کہ اس کو تحریر میں لانا غیر مہذب ہو گا اس کے بعد جنگ کے موضوع پر باتیں ہونے لگیں ارشاد ہوا "کافی کشت و خون ہو چکا ہے اب اس کو ختم کرنا چاہئے۔ آخر جرمن بھی ہمارے بھائی ہیں حضرت عیسیٰ نے فرمایا ہے دشمن سے دوست کا سا سلوک کرو" لیکن زار نہیں مانتا اور زارینہ بھی ضد کر رہی ہے کوئی ان کو غلط مشورہ دے رہا ہے لیکن کیا ہوتا ہے جب میں ان سے کسی امر کے متعلق کہوں گا وہ انکار نہیں کر سکتے لیکن ابھی ہم خود تیار نہیں ہیں۔ جب سب حالات درست ہو جائیں گے اس وقت الگزنڈرا کو نابالغ ولیعہد کا ایجنٹ مقرر کر دیں گے اور زار کو لیوا ڈیا پہنچا دیں گے وہاں وہ عبادت میں زندگی بسر کیا کریں گے"

دماغ روشن ہونے کی حالت میں انسان سامری اور موسیٰ میں فرق نہیں کر سکتا زار روس جس شخص کو پیر و مرشد خیال کرتا تھا وہ ایک روحانی جادوگر تھا دنیا ان جادوگروں سے مالا مال ہے۔ کسی زمانہ میں روحانی اہلیتیں بنی نوع انسان میں روحانیت اور نیک کرداری پیدا کرنے میں صرف ہوتی تھیں آج وہی نفس پرستی اور ذاتی اغراض کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ لیکن روحانیت کا پرانا اعزاز اور روحانی طاقت رکھنے والوں کے لئے حسن ظن ہنوز باقی ہے عام خیال یہ ہے کہ روحانیت رکھنے والے کے لئے نیک کردار ہونا بھی ضروری ہے خود غرض اور دنیا دار کی روحانی اہلیتیں سلب ہو جاتی ہیں یہ خیال جتنا عام ہے اتنا ہی غلط بھی ہے جس طرح ورزش کرنے سے انسان طاقتور ہو جاتا ہے اور طاقت اور نیک کرداری میں کوئی رشتہ نہیں طاقتور انسان ستم شعار بھی ہو سکتا ہے اور مجاہد بھی بعینہ ایک خاص قسم کی زندگی بسر کرنے سے خیال و روح میں طاقت پیدا ہو جاتی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ انسان دین دار بھی ہو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ انسان بجائے خدمت خلق کو اپنا نصب العین

بنالنے کے نفس پروری کو مقصدِ حیات بنالیتا ہے اور اپنی خاص اہلیتوں کا مظاہرہ کرکے اپنی غیر اخلاقی خواہشات کو پورا کرتا ہے۔ فکری اضمحلال ان دو قسم کے روحانی انسانوں میں تمیز کرنا ناممکن کردیتا ہے۔ زارو زارینہ میں اتنا ادراک و فہم کہاں تھا کہ گریگوری کی حقیقت کو پرکھتے۔ چنانچہ غزنوی کی غلامی اور ایاز کی خواجگی زار کی ایازی اور گریگوری کی غزنویت کے سامنے ہیچ ہوگئی۔

عام طور پر یقین کیا جارہا تھا کہ پیرو مرشد کے مشورے سے ملک کو تباہ کرا رہے ہیں زار کی کم فہمی کا چرچا عام تھا جب سے زار نے کمانڈر انچیف کا عہدہ سنبھالا تھا اس وقت سے ان کی نااہلیت اور بھی روشن ہوگئی تھی جنرل کریموف نے محاذ سے واپسی پر صاف طور پر ڈوما کے ڈپٹیوں سے کہا "محاذ پر حالات بہت خراب ہوتے جارہے ہیں اور زار کو معزول کئے بغیر حالات کا روبہ اصلاح ہونا غیر ممکن ہے تم اس طرف قدم اٹھاؤ۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں" سڈلوسکی نے کہا چونکہ زار ملک کو تباہ کررہا ہے اس لئے اب ہمیں بھی اس پر رحم کھانے کی ضرورت نہیں" لیکن باوجود اس غم وغصہ کے کسی کو عمل کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ سب یہ چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا یہ کام کردے شاہی خاندان والوں کا یہ خیال تھا کہ راسپوٹن کا اثر زائل ہوجانے پر حالات خودبخود روبہ اصلاح ہوجائیں گے (چنانچہ زار کے بھانجے شہزادہ یوسوپوف اور اس کے چند ساتھیوں نے ۱۵،۱۶ دسمبر ۱۹۱۶ء کی درمیانی شب کو راسپوٹن کو اپنے یہاں مدعو کیا اور قتل کرکے اس کو دریائے نیوا میں ڈال آئے) راسپوٹن کے قتل کا ماجرا شہزادہ نے اپنی تصنیف 'راسپوٹن' میں تفصیل سے بیان کیا ہے قتل کی خبر عام ہوتے ہی روس کے گوشہ گوشہ میں خوشیاں منائی گئیں جمہور راسپوٹن کے قاتلوں کو دعائیں نہیں دے رہے تھے بلکہ ان کا جام صحت پی رہے تھے۔ زارینہ کی بہن نے گرانڈ ڈیوک کو اطلاع دی "میں راسپوٹن کے قاتلوں کے حق میں یہ

دعا کر رہی ہوں کہ پروردگار ان کو اس قومی خدمت کا اجر دے۔ کئی دن بعد راسپوٹن کی لاش برف میں دبی ہوئی ملی نفرت کی بنا پر کسی نے اس کو ہاتھ نہ لگایا اور زار، زارینہ اور یروویونا نے خفیہ طور پر اس کی تجہیز و تکفین کی۔

فروری کا انقلاب

تاریخ کو حقیقی نقطۂ نظر سے دیکھنے سے اس دنیا میں ایک نئی دنیا بسی ہوئی معلوم ہوتی ہے ایسی دنیا جس کے ہر واقعہ میں ترتیب جس کی ہر حرکت میں تنظیم جس کی ہر تمدنی و معاشرتی تبدیلی میں ایک ارتقائی قانون کارفرما نظر آتا ہے۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ جو حکماء معاشرہ کے عمل و ردِ عمل کے قوانین سے واقف ہیں ان کے لئے تاریخی تقاضوں وقتی رجحانات اور قوموں کی ترقی و تنزل کا تحلیل کرنا اسیطرح ممکن ہے جس طرح علم کیمیا کا ماہر کسی نئی شئے کی تحلیل کرنے کے بعد اس کے مختلف اجزاء، ان کی آپس کی نسبت۔ ان کے مختلف اثرات اور ان کی دریافت سے علم کیمیا میں جو ترقی کے امکانات پیدا ہوتے ہیں معلوم کرتا ہے لیکن تاریخ کے انقلابی دور کے ساتھ یہ قباحت ضرور ہے کہ دنیا میں انقلابی حالات و واقعات مدت مدید کے بعد پیش آتے ہیں۔ اس لئے انقلاب کی تحلیل کرنے کے لئے ایسا ممکن نہیں ہوتا کہ تاریخ کی لیبوریٹری میں ایک چھوٹا سا انقلاب کرلیا اور معاشرہ کے جن عناصر نے جس نسبت اور جن تقاضوں کی بنا پر انقلاب میں حصہ لیا ان کو آئندہ کی تحقیقات کے لئے قلم بند کرلیا۔ لیکن قدرت کی کارسازی کچھ ایسی ہے کہ جب اس رباط کہن میں سماجی انقلاب ہوئے اسی زمانہ میں

ایسے انسان بھی پیدا ہوئے جن کی تیز نظر اور پختہ فکر نے انقلابی دور کی اس درجہ صاف تشریح کی کہ تاریخ عالم کے ارتقائی قوانین کا طریقہ کار صاف صاف نظر آنے لگا۔

تاریخ عالم کی یہ ایک بنیادی حقیقت ہے۔ کہ معاشرتی انقلاب ہمیشہ دو اجزا یعنی مزدور اور کسان کا مرہون منت ہوتا ہے۔ اگر کسی بد نصیب ملک میں یہ دو طبقے خوابیدہ ہوں اس میں سیاسی انقلاب شاید ہو جائے۔ لیکن معاشرتی و تمدنی انقلاب ہونا ممکن نہیں ان دونوں طبقوں کی مدد کے بغیر حکومت میں اشخاص اور پارٹی کی تبدیلی کرنا شاید ممکن ہو۔ لیکن معاشرت کے بنیادی تخیلات اور ادارے مثلاً ملکیت۔ انفرادی طریقہ پیداوار مذہبی تصورات اور ازدواجی زندگی سے متعلق تخیلات کو نہیں بدلا جا سکتا ہے۔ روسی تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں طبقوں کی انقلابی اہلیتوں اور امکانات کی بنا پر ملک کا حکمران طبقہ ان سے ہمیشہ خائف ہی رہا یہی وجہ تھی کہ ان غریبوں کو اقتصادی و تعلیمی بدحالی میں رکھا گیا تاکہ نان شبینہ کی فراہمی کی تدابیر کے علاوہ اور کوئی خیال ان کے دل میں پیدا ہی نہ ہو۔ تاریخ کے ہر دور میں مزدور کی زندگی پراگندہ ہی رہی لیکن جب سرمایہ داری کا آلاتی دور شروع ہوا اس وقت نہ صرف حکومت اور سرمایہ دار کو مزدور کو بہتر مزدور بنانے کے لئے تعلیم دینی پڑی بلکہ ان کو صنعتی شہروں میں ایک جگہ لا کر آباد کرنا پڑا۔ ایسا کرنا آلاتی دور کی اقتصادی ضرورت ہوتی ہے۔ روس میں بھی ایسا ہی ہوا کہ سرمایہ داروں نے بڑے بڑے شہر آباد کئے۔ جن میں مزدور آبادی پھیل گئی۔ مہر یکجہتی اور تعلیم نے مزدور طبقہ میں خود اعتمادی اور طاقت کا احساس پیدا کر دیا اور جب یہ دو احساس پیدا ہو جاتے ہیں طبقاتی قوت خود بخود کام کرنے لگتی ہے۔ چنانچہ روس میں مزدوروں نے اپنی انجمنیں بنا لیں جو اقتصادی مطالبات

کو سرمایہ داروں سے منوانے کے لئے جدوجہد کرنے لگیں۔ چند دنوں اقتصادی مسائل
ہی زیر بحث رہے ہوتے ہوتے مزدور طبقہ پر یہ راز منکشف ہو گیا کہ اقتصادیات اور
سیاست کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس انکشاف کا یہ نتیجہ ہوا کہ مزدوروں میں سیاسی
زاویہ نظر پیدا ہو گیا اور اب وہ ملک کی انقلابی جدوجہد میں حصہ لینے لگے۔ قدرت کا یہ
ایک ازلی قانون ہے کہ ہر اثبات اپنی نفی پیدا کر لیتا ہے۔ ہر فرعون کے لئے یہ لازم
ہے کہ آپ اپنا موسیٰ پیدا کرے۔ جب اس ظلم کدہ کی یہ رسم ٹھیری تو کیونکر ممکن تھا کہ سرمایہ
دار طبقہ کے لئے اس کے گورکن پیدا نہ ہوتے۔

۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم نے غریب طبقہ کے سیاسی فہم و تدبر کو زیادہ تیز اور
امیر و متوسط طبقات میں ذمہ دار حکومت قائم کرنے کا جذبہ شدید کر دیا۔ اسی زمانہ میں
اشتراکیوں میں دو پارٹیاں نمودار ہوئیں (ایک مینشویک اور دوسرے بولشویک ان دونوں
کے بنیادی تخیل میں قدرے فرق نہ تھا لیکن طریقہ کار میں سخت اختلاف تھا۔ اول الذکر
صرف آئینی جدوجہد برحصول مقصد کے لئے اکتفا اور موخر الذکر جارحانہ انقلابی
کارروائی کو کامیابی کی کلید خیال کرتے تھے) جنگ شروع ہونے کے کچھ عرصے بعد
میدان جنگ میں روسی افواج کو زبردست شکستیں ہوئیں اور جمہور میں اقتصادی بےچینی
بڑھنے پر ہڑتالوں کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اجناس خوردنی، ایندھن، کپڑا اور دوسری
ضروریات زندگی کی کمی نے دیہاتی کو تلاش معاش میں شہروں تک پہنچا دیا۔ جہاں
پہنچکر ان کو یہ معلوم ہوا کہ کھائی سے نکل کر کوئیں میں آ گرے ہیں۔ انسانی فطرت ہے
کہ اٹل موت سامنے آجانے پر وہ خونخوار اور بہادر ہو جاتا ہے۔ بھوک اور پیاس کی شدت
سے پریشان ہو کر جمہور ملک کے سیاسی اور اقتصادی نظام کے خلاف برسر پیکار
ہو گئے۔ بولشیوک نے ان کی سیاسی بےچینی سے فائدہ اٹھا کر غیر مطمئن طبقوں میں تنظیم
پیدا کر دی۔ بولشیوک کی اس زمانہ کی انقلابی جدوجہد کی بابت پولیس کے محکمہ کی رپورٹ

تھا۔ "لینن کی پارٹی کے لوگ جیست اور بے خوف انقلابی ہیں جو غیر مطمئن طبقات میں تنظیم پیدا کر رہے ہیں اور استقلال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔" جس پارٹی کی بابت پولیس کی یہ رپورٹ ہو اس کو حکومت کیوں نہ قید بند میں رکھے چنانچہ نومبر ۱۹۱۴ء کو حکومت نے ڈوما کے اشتراکی ڈپٹیوں کو گرفتار کر لیا کسی سیاسی جماعت کے چند لیڈروں کو گرفتار کر لینے سے بھوک کی شدت اور خوراک کی کمی پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ وقت گزرنے پر سیاسی بےچینی کے اسباب و علل یعنی اجناس کی کمی کے بڑھنے سے ملک میں عام طور پر ہڑتالیں۔ بلوے اور کشت و خون ہونے لگے۔ ۵ جون ۱۹۱۵ء کو پولیس نے ایک کپڑے کے کارخانے کے ہڑتالیوں پر گولی چلائی۔ ہڑتالی جان بحق اور ۹ زخمی ہوئے۔ ۱۵ اگست کو پھر گولی چلی ۱۶ ہڑتالی ہلاک اور ۳۰ مجروح ہوئے۔ سیاسی نظر رکھنے والے ان ہڑتالیوں میں انقلاب کا امنڈتا ہوا طوفان دیکھ رہے تھے۔ ۱۶ اگست کو وزیر انصاف نے دوران تقریر میں کہا۔ "اگر اس وقت مزدوروں کے مسلح مظاہرے نہیں ہو رہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں تنظیم نہیں ہے۔" وزیر داخلہ نے ایک تقریر میں کہا "ہمیں اشتراکی ڈپٹیوں کو رہائی نہیں دینی چاہئے ورنہ یہ مزدوروں کے لئے مرکز بن جائیں گے۔" رہبروں کو گرفتار کر لیا جائے اور بجائے حالات درست کرنے کے تشدد سے کسی تحریک کو دبا دیا جائے اس طرح وہ دبا نہیں کرتی بلکہ زمین دوز ہو کر انقلابی جدوجہد جاری رکھتی ہے۔ اشتراکی پارٹی کے ساتھ بھی یہی ہوا حکومت کے تشدد کرنے پر اشتراکیوں نے خفیہ طریقہ کار اختیار کر لیا۔ پولیس کے محکمہ کی رپورٹ تھی۔ "جب سے جنگ شروع ہوئی ہے۔ لینن کے پیرو تمام ملک میں پھیل گئے ہیں۔ اور خفیہ طور پر تبلیغ کر رہے ہیں۔)

تمام بڑے بڑے مقامات پر ان کی خفیہ انجمنیں موجود ہیں۔ جو جنگ ختم کرنے، موجودہ حکومت کو زیر و زبر کرنے اور جمہوریت کی بنیاد ڈالنے کی تبلیغ کر رہی

ہیں اور ان کا پروپیگنڈا مزدور جماعت میں سیاسی بے چینی بڑھا رہا ہے" تو پولیس کی ایک اور رپورٹ کہتی ہے:" اگر دفعہ ۱۰۳ کے ماتحت ان سب لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے جو شہنشاہ کی شان میں گستاخانہ کلمات استعمال کرتے ہیں تو اتنی گرفتاریاں کرنی پڑینگی کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش نہ کر سکے گی" پولیس کی یہ رپورٹیں عام بے چینی کا پتہ دیتی ہیں۔ لیکن اس زمانہ میں روس میں ایک اور عظیم الشان رجحان نمایاں ہو رہا تھا اور سیاسی نظر رکھنے والے ان ہڑتالوں سے زیادہ اس رجحان سے خائف تھے وہ رجحان یہ تھا کہ فوج نے ہڑتالیوں کے ساتھ عملی ہمدردی کرنا شروع کر دی تھی۔

فوج آسمانوں سے نہیں اترا کرتی بلکہ کسان طبقہ اور دیہاتی آبادی سے ہی فراہم کیجاتی ہے۔ کسان طبقہ اور دیہات کے عوام کا باغی ہو جانا فوج کی وفاداری پر بھی زہریلا اثر کرتا ہے۔ چنانچہ بڑھے کسان کا نوجوان بیٹا فوج میں بھرتی ہو جاتا لیکن جب اپنے عزیز ماں باپ۔ دوستوں ہمسایوں اور گاؤں والوں کو بھوک اور پیاس کی شدت میں گرفتار دیکھتا اور ان کی حالت کا مقابلہ حکمران طبقے کے عیش و آرام سے کرتا تو باغی ہو کر ہڑتالیوں سے ہمدردی کرنے لگتا۔ اس زمانہ میں ہڑتالیوں اور انقلابیوں سے فوج کی عملی ہمدردی اتنی عام ہو گئی تھی کہ فرانس کے سفیر نے روسی وزیر اعظم کی توجہ اس طرف منعطف کراتے ہوئے کہا "ہڑتالیوں سے فوج تعاون کر رہی ہے" اس پر وزیر اعظم نے جواب دیا "وقت آنے دیجئے ان کو کیسا کچلتا ہوں" کم فہم حکام سیاسی پیچیدگی کو تشدد سے حل کرنا چاہتے تھے جس کا نتیجہ پولیس کے ڈائریکٹر کے الفاظ میں یہ ہو رہا تھا "۱۹۰۵ء کی نسبت اب حکومت کی مخالفت زیادہ شد و مد سے ہو رہی ہے۔ اور فوج اور پولیس قابل اعتماد نہیں ہیں" جب جادو سر پر چڑھکر بولنے لگے اس وقت سمجھ لینا چاہئے کہ جادوگر کا وقار قائم ہو گیا۔ پولیس کا چیف خود پولیس کو ناقابل اعتماد سمجھنے لگے ان حالات میں انقلاب

کی کامیابی میں کون شک کر سکتا ہے۔ ملک میں اجناس خوردنی، ایندھن، کپڑے اور روزگار کی کمی کی وجہ سے ہڑتالیں اور بلوے ہو رہے تھے پر کون یہ پیشگوئی نہ کرے گا کہ کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ لیکن کیا ہوگا؟ کس وقت ہوگا؟ اور کس طرح ہوگا؟ اس کو تیز سے تیز مفکر بھی نہیں بتا سکتا۔ کسی عمل کا کیا ردعمل ہوگا اس کا علم نہ انسانوں کو ہوتا ہے اور نہ فرشتوں کو۔ ابلیس کو کیا خبر تھی کہ ایک سجدہ نہ کرنا اس کو راندۂ درگاہ کر دے گا اور حضرت آدم کو یہ علم کب تھا کہ ان کی ایک معمولی سی لغزش ایک عالم کی تشکیل کا باعث بن جائے گی۔ انسانی فکر کی یہی درماندگی ہے جو اس کو تقدیر و جبر میں یقین دلا دیتی ہے۔ جنوری ۱۹۱۷ء میں روسی جمہور کی سیاسی بے چینی اور اقتصادی بدحالی دیکھتے ہوئے یہ ضرور کہا جا سکتا تھا کہ جمہور ان تباہ کن حالات کو مدت تک برداشت نہیں کر سکتے لیکن یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ کب اور کس طرح یہ ناقابل برداشت حالات بدلیں گے۔ مفکر طبیعتیں یہ سمجھ رہی تھیں کہ طبقاتی تضاد کا پھوڑا پک رہا ہے لیکن سیاسی مبصر یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ یہ پھوڑا کب پھوٹ نکلے گا۔

(۲۳ فروری ۱۹۱۷ء کو پیٹروگراڈ میں عورتوں کا بین الاقوامی دن منایا گیا کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ تاریخ اسی روز کو انقلاب کا پہلا دن شمار کرے گی۔ اس روز حسب دستور جلوس نکلا اور انقلابی جمہور کا پولیس سے اس زور سے تصادم ہوا کہ حکومت کو فوج بلانی پڑی۔ ۲۴ فروری کو ۲۳ فروری کا نظارہ دوبارہ زندہ کیا گیا۔ اس روز جلوس "روٹی۔ روٹی۔ روٹی" کا نعرہ لگاتا ہوا نکلا۔ کچھ دیر بعد "استبداد یت مردہ باد" کے نعرے نے فضا میں گونج پیدا کر دی۔ جلوس کچھ دور آگے بڑھنے پر "صلح کرو۔ صلح کرو۔ صلح کرو" کا نعرہ بلند ہونے لگا۔ ان تین نعروں میں غریب، متوسط اور امیر تمام طبقات اور فوج اپنے مطالبات کی ترجمانی پاتے تھے۔ اسلئے سب طبقات

کو جلوس اور ہڑتالیوں سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ ۲۵ فروری کو ہڑتال اور بھی بڑے پیمانے پر ہوئی اور صاف نظر آنے لگا کہ فوج ہڑتالیوں کی پشت پر ہے۔ اس روز وزیر جنگ نے زار کو بمقام موغیلیف اطلاع دی ”دارالسلطنت میں ہڑتالیں ہو رہی ہیں مزید بد امنی پھیل رہی ہے لیکن حالات پر قابو ہے کسی تشویش کی ضرورت نہیں“ اسی دن حکومت نے مزدوروں کے سولیڈر گرفتار کر لئے۔ لیڈروں کی گرفتاری حکومت کی طرف سے اس امر کا اعلان تھا۔ وہ ہر امکانی تشدد سے انقلابی تحریک کو دبانے کے لئے تیار ہے جب حکومت کے اس عملی اشارے کا بھی ہڑتالیوں پر کوئی اثر نہ ہوا تو حکومت نے ایک وفادار فوج کے دستہ سے ہڑتالیوں پر گولی چلوادی۔ نہ معلوم کتنے ہڑتالی جان بحق ہوئے لیکن مرحبا و آفرین! ان جان نثاران حریت پر جن کے ایمان و جوش کردار کا یہ عالم تھا کہ گولیوں کی بارش ہو رہی تھی۔ گرد و پیش نعشیں تڑپ رہی تھیں۔ ماں۔ باپ۔ بھائی۔ بہن۔ دوست وعزیز خاک و خون میں غلطاں و پیچاں ایک دوسرے کو آخری بار الوداع کہہ رہے تھے لیکن مجمع تھا کہ موت سے بازی لگائے ہوئے پہاڑ کی سنگلاخ چٹان کی طرح کھڑا تھا۔ باطل کو شکست دینے کے لئے حق کو زبردست قربانی کرنی پڑتی ہے۔ حق انسان کے خون سے پرورش پاتا ہے یہ نہیں ہوا کرتا کہ حق کی کرن ظاہر ہوئی اور باطل کی ظلمت کافور ہو گئی۔ باطل سے زیادہ حق کے قیام کے لئے جان و مال کی قربانی کرنی پڑتی ہے۔ حق کی صدا ہوا کے تموج کے سوا کچھ نہیں ہوتی اس کو جوش کردار اور انسان کا عمل و ایثار خدا کی آواز میں تبدیل کر لیتے ہیں اگر حق کی حمایت پر انسان کی جدوجہد نہ ہو تو وہ طاق نسیاں پر رکھا ہوا ایک خوشنما صحیفہ ہے اور بس۔

جس طرح ظرافت رخندۂ آزاد تمام بزم میں تبسم کی لہر دوڑا دیتے ہیں اس سے

کہیں زیادہ تیزی سے عمل صالح گردو پیش کو متاثر کرتا ہے۔ جمہور نے حکومت کے ظلم و ستم کے خلاف جہاد کیا اس پر فوج کی رگ حمیت میں بھی جوش آیا فوج کی جو تھی کمپنی نے جس کے ایک دستہ سے ہڑتالیوں پر گولی چلوائی گئی تھی اس امر پر بلوہ کر دیا کہ اس کمپنی کے سپاہیوں سے جمہور سے مجمع پر کیوں گولی چلوائی گئی۔ فوج میں بلوہ ہونے پر اس کو کون روکے اور فوج کی اس ہمدردی سے جمہور کی ہمتیں کیوں نہ دو چند ہو جائیں۔ اس روز صبح زارینہ نے شہنشاہ کو اطلاع دی "دارالسلطنت میں خاموشی ہے" لیکن شام کو تار دیا "شہر کی حالت اچھی نہیں" خط میں حالات پر تبصرہ فرماتی ہوئی تحریر کرتی ہیں۔ "تمہیں مزدوروں سے صاف طور پر کہہ دینا چاہیئے کہ ہڑتال کا سلسلہ جاری رکھنے کی شکل میں ان کو بطور سزا محاذ جنگ پر روانہ کر دیا جائے گا" زارینہ کو یہ علم کہاں تھا کہ بعض مرتبہ زندگی اتنی بھیانک ہو جاتی ہے کہ موت کی دھمکی قلوب پر ہراس طاری نہیں کرتی اور بعض دفعہ اتنی رفیع و دلکش ہوتی ہیں کہ ان کے حصول کی تمنا پر جان نذر کرنا دل فریب معلوم ہوتا ہے۔ ۲۷ر فروری کی صبح تک تمام مقامی فوج باغی ہو گئی تھی اور ہیڈ کوارٹر میں عام سپاہی اپنے افسروں کے ساتھ وہی سلوک کر رہے تھے جو افسروں نے آج تک ان کے ساتھ روا رکھا تھا دنیا کی یہ ایک قدیم رسم ہے کہ کبھی وہ خواجہ کو غلام اور کبھی غلام کو خواجہ بنا دیتی ہے روس کے دارالسلطنت میں یہی رسم پوری ہو رہی تھی۔ زارینہ نے حالات درست کرنے کے لئے وزارت بھی بدل دی تب بھی کچھ نہ ہوا۔

۲۷ر فروری کو ڈوما کا اجلاس ہونا تھا۔ ڈپٹی ٹورائیڈ محل میں آچکے تھے۔ اجلاس کی کارروائی شروع ہونے والی تھی۔ اس وقت خبر آئی کہ زار نے ڈوما کو برخاست کر دیا ہے۔ ابھی اسمبلی ہال میں ممبران اس حکم پر تبصرہ و تنقید ہی کر رہے تھے کہ ڈوما کا ایک ڈپٹی کرنسکی نامی بھاگا ہوا آیا اور اس نے جمہور کے ایک جم غفیر کے محل کی

سمت آنے کی اطلاع دی جس کا مطالبہ یہ تھا کہ ڈوما کو حکومت پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔ کرنسکی سلسلہ کلام ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ مجمع لہریں مارتا ہوا محل کے سنتریوں کو زخمی کر اسمبلی ہال میں داخل ہو گیا اور اس نے اپنا مطالبہ پیش کر دیا تمام ممبر سراپا حیرت و سراسیمگی بن گئے۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ شور و غل، ہراس و پریشانی کے عالم میں ڈوما کے صدر نے مجمع کے مطالبہ کے مطابق ایک عارضی حکومت بنا لی اور یہ فرض کر لیا گیا کہ تمام ممبر اس نوآفریدہ عارضی حکومت کی تائید میں ہیں۔ انقلابی جمہور نے صرف یہی نہیں کیا کہ سنگین کی نوک پر ڈوما کے صدر سے عارضی حکومت کا افتتاح کرایا بلکہ محل کے دوسرے کمرے میں اجلاس کر کے ۱۹۰۵ء کے سوویٹ ادارہ کو از سر نو زندہ کیا۔ سوویٹ کے لئے آناً فاناً انتخاب کئے اور مجلس عاملہ کے نام سے ایک کابینہ بنا لی۔ اس کابینہ نے فوراً ایک کمیشن جس کا کام خوراک کا انتظام کرنا تھا مقرر کر دیا اور بنک ٹکسال اور پریس پر بھی قبضہ کر لیا۔ خیال یہ تھا کہ چند روز بعد عارضی حکومت کو برطرف کرنے کے بعد مجلس عاملہ کامل طور پر زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیگی اور انقلابی سوویٹ تمام ملک کی تنظیم کرینگے۔ جمہور کا خود مختارانہ رجحان دیکھ کر ۲۸ فروری کو ڈوما کے صدر نے زار کو بذریعہ تار اطلاع دی "آخری لمحہ آگیا ہے ملک اور شہنشاہ کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے" یہ اطلاع پانے پر زار نے ایک ہمرکاب وزیر سے کہا "دیکھو اس بٹیل رو ڈبیانکو نے مجھے پھر ایک لغو تار دیا ہے۔ میں اس کا جواب دینا بھی پسند نہیں کرتا۔"

اگر کسی کے دل و دماغ ہی نہ ہوں تو سمجھانے والا بھی کیا کرے۔ طوفان آرہا ہے۔ خدا کا پیغمبر کشتی بنا رہا ہے۔ وہ خطرہ کے احساس کی بنا پر جمہور کو طوفان کی ہولناکی سے ڈرا رہا ہے۔ گرد و پیش کے لوگ اس کو کشتی بناتے ہوئے مشاہدہ کر رہے ہیں لیکن لاپرواہ ہیں۔ احساس کی کمی نے ان کو طوفان کی طرف سے اندھا

بنادیا ہے۔ پیغمبر اپنے لڑکے سے کہتا ہے کہ کشتی میں آجا اس پر جواب ملتا ہے۔ کہ نہیں میں تو ٹیلے پر چڑھ جاؤں گا اور طوفان مجھکو نہیں چھوئے گا۔ جہاں یہ ذہنی کیفیت اور عقل کا فقدان اس درجہ ہو وہاں عذاب الٰہی نازل ہونا یقینی ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔ زار کو اطلاع دی جاتی ہے کہ حالات نازک ہیں۔ لیکن نہ وہ وقت کی نزاکت کا احساس ہی کرتا ہے اور نہ قہر الٰہی سے ڈرتا ہے۔ البتہ جب زارینہ کا حسب ذیل تار ملا "مراعات دینی ضروری ہیں ہڑتالیں جاری ہیں۔ فوج کا بہت بڑا حصہ باغیوں کے ساتھ تعاون کر رہا ہے" اس وقت زار چونکا اور میدان جنگ سے دارالسلطنت کی طرف روانہ ہو گیا۔ ویازنا پہنچکر زارینہ کی تشفی کے لئے تار دیتا ہے۔ "یہاں موسم بہت اچھا ہے۔ امید ہے کہ تم بخیریت ہو گی۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں فوج روانہ کر دی ہے (زار نے فوج ضرور روانہ کر دی لیکن اس فوج کے دل میں کیا تھا اس کی اس کو مطلق خبر نہ تھی) اور حقیقت یہ ہے کہ جب گرفت کا وقت آپہنچا ہو اور تاریخ خفتگی و نکبت کی بنا پر قتل کا فیصلہ سنا چکی ہو اس وقت جاگ کر اگر وقت کے ساتھ دوڑو تب بھی کچھ نہیں ہوتا۔ زار کا اسپیشل ابھی پشوف بھی نہ پہنچا تھا کہ انقلابی جماعت نے ریل کے پلوں پر قبضہ کر لیا اور دارالسلطنت جانے کے تمام راستے مسدود کر دیئے۔ دربادی مؤرخ جو بادشاہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا اپنے روزنامچہ میں تحریر کرتا ہے "اس رات ہمیں یقین ہو گیا کہ اصلاحات دینی پڑینگی۔ تمام حاضرین کا یہی خیال تھا کہ انقلابیوں کے ساتھ صلح کر لینی چاہیئے" زار اور اس کے مصاحب ابھی تک اصلاحات دینے ہی کو کافی خیال کر رہے تھے۔ بغاوت کسی درجہ کامیاب ہو چکی تھی اس کا ان کو مطلق علم نہ تھا (ادھر زار ریل کی پٹریوں پر ملکہ کی سمت جانے کا راستہ تلاش کرتا پھر رہا تھا اور ادھر زارینہ شہنشاہ کو فوراً دارالسلطنت پہنچ جانے کے لئے ہدایتی تار روانہ کر رہی تھی" واحسرتا! تار گھر پر چونکہ سویٹ کا قبضہ

تھا۔ اس لئے زار ینہ کے تار پر "مکتوب الیہ کا پتہ نہیں" لکھ کر واپس کر دیا جاتا تھا۔ تاریخ
عالم اس سے زیادہ کس مپرسی کی مثال شاید ہی پیش کر سکے۔ لیکن کیا کیا جائے جو انسان
وقت کے ساتھ نہ بدلے اس کے ساتھ وقت مذاق کرتا ہی ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ
زار ینہ کے فرمان اور زار کے احکامات روسی جمہور کے لئے صحیفۂ آسمانی تھے۔ آج وہ
دن تھا کہ زار ینہ کے تاروں پر ایک تار گھر کا بابو یہ لکھ کر واپس کر دیتا تھا کہ "مکتوب الیہ
کا پتہ نہیں" یہ بیسویں صدی کے معجزات ہیں جن کو مفکر طبیعتیں بار بار دیکھتی ہیں اور
خفگی و بے عملی سے پناہ مانگتی ہیں۔

بروبودا اس زمانہ کے حالات قلم بند کرتی ہوئی اپنے روزنامچہ میں لکھتی ہے
"محل میں نفسی نفسی پڑی ہوئی تھی باغی گھس آئے تھے اور چیزوں کو اس طرح
دیکھتے پھرتے تھے جس طرح کوئی عجائب خانہ کی سیر کرتا پھر رہا ہو" ایک زمانہ تھا کہ روسی
جمہور اس محل کی در و دیوار کو بوسہ دیتے تھے اور اس کے مکینوں کے سامنے سجدہ
کرتے تھے۔ آج وہی جمہور اس محل کے قیمتی فرش کو روندتے ہوئے چل رہے تھے
اور اس کے مکین جمہور کے غیظ و غضب سے لرزاں تھے۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے
کہ انسان کی نفسی کیفیت بدل جانے سے جن مکانوں اور مکینوں سے وہ صدیوں سے
مرعوب چلا آتا تھا ان کے مقابلہ پر کس دلیرانہ انداز سے حملہ آور ہو جاتا ہے۔ در اصل
انسان کے نفس ہی میں وہ جادو ہے جو اس کو آقا اور جس کا فقدان اس کو خادم
بناتا ہے۔ پہلی مارچ کو شہنشاہ روس کو یہ جانکاہ خبر ملی کہ تمام فوج مع باڈی گارڈ
کے باغیوں سے جا ملی ہے اور دار السلطنت پر انھوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اس
اندوہناک اطلاع پر زار اور اس کے مصاحبوں نے یہ طے کیا کہ انقلابیوں کی
سرکوبی کے لئے جو فوج دار السلطنت کی طرف روانہ کی گئی ہے اس کو واپس بلا
لیا جائے اور ذمہ دار وزارت قائم کر دی جائے۔ چنانچہ رودزنکی یہ تجویز لے کر ڈوما

کے صدر کے پاس بصد وقت پہنچا لیکن اب وہ وقت گزر چکا تھا جب کہ ذمہ دار
وزارت کا قیام روس کی سیاسی بے چینی دور کر دیتا۔ چنانچہ روزنکی کی تجویز سن کر صدر
نے جواب دیا "آپ کی تجویز جمہور کے موجودہ مطالبہ کو پورا نہیں کرتی اب تخت و تاج کا
سوال ہے۔ زار کو چاہیئے کہ وہ اپنے لڑکے کے حق میں دستبردار ہو جائیں اور میکائیل
الگزنڈر روچ کو ریجنٹ مقرر کر دیں۔ بغاوت اتنی کامیاب ہو چکی ہے کہ میں عارضی
حکومت مقرر کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں" روزنکی صدر کا یہ پیغام لے کر واپس ہوا اس پر
زار اور اس کے مقربین نے یہ طے کیا کہ تخت و تاج سے دست برداری تحریر کر دی جائے
۲ مارچ کو زار اپنے روزنامچہ میں درج کرتا ہے۔ "آج صبح روزنکی آیا اور روڈزینکو سے
گفتگو کا ماجرا سنایا۔ اس کے بیان کے مطابق دارالسلطنت میں ایسے حالات پیدا
ہو گئے ہیں کہ میری مقرر کردہ وزارت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ میرا تخت و تاج سے دست
بردار ہونا ضروری ہے۔ روس کو ہلاکت سے بچانے اور فوج کو محاذ جنگ پر رکھنے
کے خیال سے میں دست برداری تحریر کرنے پر رضامند ہو گیا۔ شام کو گچکوف اور
شلگن آئے اور میں نے پیٹروگریڈ لیجانے کے لئے وہ دستاویز ان کے حوالے کر دی
میرے چاروں طرف غداری۔ دھوکا اور کم ہمتی ہے" لیکن اب زار کی یہ دست برداری
بھی بے سود تھی چونکہ جمہور زار یا اس کے خاندان کی حکومت کے ساتھ تعاون کرنے پر
تیار نہ تھے۔ ۸ مارچ کو زار نے کیلیف کا مقام چھوڑا اس وقت وہ بظاہر آزاد لیکن
در اصل مقید تھا جب سیلوٹ سکو کے مقام پر پہنچا وہاں ایک محل میں نظر بند کر دیا
گیا اور اس کے خاندان و خدام کو بھی وہیں پہنچا دیا گیا۔ ویروبوما کا بیان ہے "اپنی
نظربندی کے زمانہ میں زار اکثر یہ کہا کرتا تھا کہ دنیا میں انصاف نہیں ہے مجھے خبر نہیں
زار کے دماغ میں انصاف کا کیا تخیل تھا۔ دنیا نے اس کو بیدار ہونے اور عمل کرنے
کی پوری پوری فرصت دی۔ اس کا نظربندی کے زمانہ میں دنیا کا گلہ کرنا دیانتداری

کے خلاف تھا۔ اگر زار ہوشمند ہوتا فرصت سے فائدہ اٹھا کر اپنے اعمال درست کر لیتا۔ لیکن زار کی فطرت ہی کچھ ایسی تھی کہ اس کو اپنی آنکھ کا شہتیر نہ دکھائی دیتا تھا البتہ دوسرے کی آنکھ کے تنکے پر ضرور نظر پڑتی تھی۔ انسان کے لئے دنیا کو ناانصاف ٹھہرانا کتنا سہل ہے لیکن اپنے عیوب پر نظر رکھنا اور اس کا اعتراف کرنا واقعی دشوار ہوتا ہے۔ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکل جانا انسان کو اپنی غلط کاری اور خام فہمی کا اعتراف کرنے سے زیادہ سہل ہے۔ دنیاوی رسم نے زار کو ایک وسیع سلطنت دی۔ زمانہ نے اس کو تدبیر و تفکر کی فرصت دی تاریخ نے سیاسی رجحانات کی شکل اختیار کر کے اس کو ترقی کی دعوت دی۔ وقتی تقاضوں نے باآواز بلند اس کو اپنی سمت اشارہ کیا۔ جب زار نے سب کی طرف سے روگردانی کی تب قہر الٰہی کے لئے کون سی حجت باقی رہی کہ وہ نازل نہ ہوتا اور زار کو شہنشاہ روس رہنے دیتا۔ خفتگی اور طاقت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ جس انسان کے دل و دماغ پر خفتگی طاری ہو جائے اُسے تباہی سے کون بچائے نہ معلوم یہ خفتگی قہر الٰہی کا سبب ہوتی ہے یا نتیجہ۔ کبھی کبھی تقدیر تدبیر کے شاطر کو مات بھی کر دیتی ہے۔ لیکن زار نے حسن تدبیر سے کام ہی نہ لیا۔ شاید اس دور میں مشیت الٰہی کو فرعون و موسیٰ کے قصے کی تجدید کرنی منظور تھی۔ آج بھی قدرت معجزے دکھا رہی ہے لیکن اگر کوئی آنکھیں بند کر لے اس کا قدرت بھی کیا کرے۔ جلوۂ طور موجود ہے۔ چشم بینا ہی نہیں ہے۔ صرف ۱۴۴۳ افراد مقتول و مجروح ہوئے۔ اور دنیا کے ⅙ حصے پر جو آہنی نظام تھا اور جس کی پشت پر صدیوں کا ظلم و ستم تھا چند روز میں ختم ہو گیا۔ اس کو قدرت کا اعجاز نہ کہئے تو اور کیا کہئے اس بساطِ کہن کی چند رسمیں اتنی عجیب ہیں۔ کہ ان کو مشیت الٰہی ہی کہتے بن پڑتی ہے۔ فرعون غرق آب ہوا لیکن فرعونیت ہنوز زندہ ہے۔ بولہب فنا

ہو گیا لیکن شرار بولہبی ہنوز دنیا کو خاکستر کرنے میں سرگرم ہے۔ اس کے برخلاف وادی ایمن میں دیدار الٰہی کرنے والا موسیٰ اللہ کو پیارا ہوا اس کے ساتھ موسویت بھی ختم ہو گئی کوہ طور اپنی جگہ پایہ جولان ساکت کھڑا ہے لیکن کسی میں ذوق تجلی باقی نہیں قرآن میں قلب کی دھڑکن بدستور موجود ہے لیکن رسول اللہ کے بعد کسی کا دل قرآن نہ بن سکا عجب اس دنیا ردون کی یہی رسم ٹھیری کہ تخریبی خد و خال ابھرے رہیں اور تعمیری نقش و نگار دبلے رہیں یہ کیونکر ممکن تھا کہ زار کے ساتھ اس کی زاریت بھی فنا ہو جاتی روس میں انقلاب پسندوں کے زار کو تخت و تاج سے برطرف کرنے کے بعد بھی زاریت اسی طرح زندہ رہی (ڈوما کے صدر نے جو نئی عارضی حکومت تعمیر کی اس میں زاریت بدرجہ اتم موجود تھی پرانے سٹیٹ کونسل کے میروں کی تنخواہیں ہنوز بحال تھیں زار کے زمانہ کے وزرا اگرچہ مقید تھے لیکن ان کو تنخواہیں ملتی تھیں۔ عارضی حکومت بھی زار کی طرح جنگ جاری رکھنے کے موافق تھی اور مزید فوج مہیا کرنے اور میدان جنگ میں روسی فوج کو دشمن کے برخلاف برسرپیکار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔ مزدوروں کے ان تین مطالبوں کو کہ روس میں اصلی معنوں میں جمہوریت قائم ہو۔ زمین اشتراکی اصول پر تقسیم کی جائے۔ مزدور آٹھ گھنٹے کام کرے۔ عارضی حکومت یہ کہکر ٹال دیتی تھی کہ فی الحال جنگ جاری رکھنے اور فتح پانے کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ تمام توجہ ان دو امور کی طرف رکھنی چاہیئے۔ باقی سیاسی و اقتصادی امور کا فیصلہ مجلس دستور ساز کے انعقاد پر ہوگا۔)

نفس انسانی بھی عجیب شے ہے۔ کبھی جادہ صد سالہ ایک آن میں طے کر جاتا ہے اور کبھی ساری عمر ختم ہو جاتی ہے اور زلف سر نہیں ہوتی اول الذکر کو حسن اتفاق اور موخرالذکر کو زندگی کی رسم کہن کہا جائے تو شاید درست ہو۔ انقلابی جماعت نے جو عارضی حکومت کے مدمقابل ادارہ "مجلس عاملہ" بنائی تھی اس میں ایسے لوگ

منتخب ہو گئے تھے جن میں احساس کمتری کی زیادتی اور جرأت رندانہ کی نمایاں کمی تھی۔ جرأت رندانہ نہ ہونے سے خواہ وہ امیری ہو کہ فقیری کوئی کیفیت بھی کیوں نہ ہو کچھ کام نہیں چلتا۔ ہنگامی جوش اور جمہور کی آتش کرداری سے متاثر ہو کر "مجلس عاملہ" نے زمام حکومت پر ہاتھ ضرور ڈال دیا۔ اور حکومت کے بہت سے فرائض بھی انجام دینے لگی لیکن قلیل عرصے میں ہی اس کے ممبروں کا احساس کمتری عود کر آیا۔ زمام حکومت ہاتھ میں آتے ہی ان کے ہاتھ کانپنے لگے۔ ظرف میں وسعت اور فکر میں گہرائی، جگر میں دلیری اور دل میں جرأت نہ ہونے سے ذرا سی دشواری بھی انسان کو گھبرا دیتی ہے۔

"مجلس عاملہ" کے ممبروں میں زیادہ تعداد متوسط طبقے کی تھی جس میں امیر و غریب طبقے کی برائیاں ہوتی ہیں خوبیاں نہیں ہوا کرتیں۔ حکومت کی ذمہ داری کے بارے مجلس عاملہ کا دل دھڑکنے لگا اور اس نے عارضی حکومت سے اس شرط پر تعاون کرنا شروع کر دیا کہ مجلس عاملہ کو تبلیغ کی اجازت دے دی جائے۔ در اصل یہ شرط جمہور کو دھوکا دینے اور مجلس عاملہ کا حکومت سے تعاون کرنے کا ایک بہانہ تھی۔ عارضی حکومت مجلس عاملہ کے اس رویہ سے بہت خوش ہوئی لیکن مزدور طبقے کو اپنے لیڈروں کی خوش فہمی اور رباہمتی پر بھروسہ نہ رہا اور اس نے جمہور کے انقلابی رجحانات پر تازیانے کا کام کیا۔ چنانچہ مزدوروں نے "مجلس عاملہ" کی طرف پشت کر لی اور اپنے سیاسی تخیل کے بموجب عمل کرنا شروع کر دیا۔

مثلاً مزدور صرف آٹھ گھنٹے کام کرتے اور گھر واپس ہو جاتے۔ مزدوروں میں ہمت و جسارت صرف اس بنا پر تھی کہ فوج اور مزدور میں رشتہ ارتباط مستحکم ہو چکا تھا مزدور فوج کی اور فوج مزدور کی مدد سے طاقت محسوس کرتے تھے۔ فوج نے بھی ایک خود مختار وحدت کی طرح عمل کرنا شروع کر دیا تھا اور عملاً عارضی حکومت پر اس امر کا انکشاف کر دیا تھا کہ وہ صلح چاہتے ہیں۔ یہ رجحان دیکھ کر عارضی حکومت نے چند

(مبلغ محاذِ جنگ پر روانہ کیے تاکہ وہ فوج کو برسرِ پیکار رکھنے پر آمادہ رکھیں۔ جب عارضی حکومت کے سیاسی مبلغوں نے تقریریں کرنی شروع کیں۔ اس پر سپاہیوں نے جو ۸۰ فیصدی کسان تھے دریافت کیا "زمین کی تقسیم کی بابت کیا کہتے ہو؟" حکومت کے فرستادہ بولے "مجلس دستور ساز اس کا فیصلہ کرے گی"۔ اس پر ایک سپاہی نے کہا "جب تک مجلس دستور ساز کا انعقاد ہوگا ہم جنگ کی آگ میں خاکستر ہو چکے ہونگے اس وقت زمین ملی بھی تو ہمارے کس کام آئے گی؟" سپاہی کے یہ چند جملے تمام فوج کی ترجمانی کرتے تھے۔ سپاہی فوراً ہی صلح اور زمین چاہتا تھا اور اس جذبہ کے ماتحت اس نے عمل بھی کرنا شروع کر دیا تھا۔ ۶ مارچ کو شمالی محاذ سے عارضی حکومت کے پاس اطلاع آئی "سپاہی قابو سے باہر ہوئے جا رہے ہیں کچھ ایسے اشخاص روانہ کرو جن کا فوج پر اثر ہو تاکہ تنظیم پیدا کی جا سکے" ۲۲ مارچ کو ایک فوجی چیف نے اطلاع دی "سپاہی صاف طور پر اعلان کر رہے ہیں کہ وہ دشمن پر حملہ نہیں کریں گے۔ البتہ مدافعت کرنے کے لئے تیار ہیں" جنرل الزیز نے تحریر کیا "اپریل تک آٹھ ہزار سپاہی فوج کی ملازمت چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ جب میں اخباروں میں یہ اعلان پڑھتا ہوں کہ ہماری فوج کی حالت بہت اچھی ہے اس وقت مجھے سخت تعجب ہوتا ہے۔ جرمن اس اعلان سے دھوکا نہیں کھا سکتے اور ہمارے لئے ایسا غلط یقین مہلک ہے"۔ بغاوت کی اطلاعات ملنے پر عارضی حکومت نے بھی زار کی طرح تشدد کرنا چاہا۔ اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ایک اعلان کے ذریعہ سے فوج کو بارکوں کو واپس ہونے اور سپاہیوں کو افسروں کے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینے کا حکم نکالا۔ اس حکم کی پشت پر جو تخیل تھا سپاہی اس کو اچھی طرح سمجھ گیا اور اس نے "مجلس عاملہ" کو سوویٹ کے اجلاس منعقد کرنے اور عارضی حکومت کے اس حکم پر بحث و مباحثہ کرنے پر مجبور کیا) "جنگ جاری ہو۔ اور فوج

یک زبان ہو کر کوئی مطالبہ کرے اس حالت میں کس کی مجال ہے کہ اس کو پس پشت ڈالے۔ چنانچہ "مجلس عاملہ" نے بادل نخواستہ سوویٹ کا اجلاس منعقد کیا جس میں سپاہیوں نے ایک تجویز منظور کی جو حکم اول کے نام سے مشہور ہے۔ اس تجویز کا ماحصل یہ تھا کہ ہر رجمنٹ میں انتخاب ہوگا اور منتخب شدہ نمائندے سوویٹ میں بہ حیثیت ممبر کے شریک ہونگے تاکہ فوج کے مفاد پر نظر رکھیں۔ فوج سیاسی معاملات میں صرف سوویٹ اور ان کی مقرر کردہ کمیٹیوں کا حکم مانے گی۔ اسلحات رجمنٹ اور بٹیلین کی کمیٹیوں کے قبضہ میں ہونگے اور کسی حالت میں بھی فوجی افسروں کی تحویل میں نہ دئے جائیں گے۔ سپاہی کو عام شہری کے حقوق ہونگے۔ اگر سپاہی پہرے پر نہ ہو اس کو اپنے افسروں کو آداب و نیاز کرنے کی ضرورت نہیں۔ افسر سپاہی کو "تو" کہنے کا مجاز نہیں رکھتے۔ اس تجویز سے صاف ظاہر ہے کہ عام سپاہی اور افسر کے تعلقات کس درجہ خراب تھے۔ سپاہی کے ساتھ افسر کیا افسوسناک سلوک کرتے تھے اور سپاہی افسر سے کس درجہ بدگمان تھے۔ یہ تجویز اس امر کا بھی انکشاف ہے کہ عارضی حکومت کس درجہ رجعت پسند تھی۔ جس روز "حکم اول" پریس میں نشر ہونے گیا اسی روز "مجلس عاملہ" کا اپیل بھی طباعت کے لئے گیا جس میں از سر نو سپاہی سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ وہ اپنے افسروں کی اطاعت کریں اور ان کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں۔ "مجلس عاملہ" کی اس کارروائی سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی دریدہ عارضی حکومت کی شریک کار تھی۔ جب یہ دو متضاد اعلانات بیک وقت طباعت کے لئے پریس میں پہنچے اس پر کارکنان پریس نے "حکم اول" نشر کر دیا لیکن اپیل کو طبع کرنے سے انکار کر دیا۔ اس واقعہ سے فوج اور مزدور کے باہم ارتباط و تعاون کا پتہ چلتا ہے۔

انقلابی دور کی یہ ایک اہم خصوصیت ہوتی ہے کہ بعض مرتبہ جمہور کا انقلابی تخیل جس تیزی سے ارتقائی منازل طے کرتا ہے جمہور کے بیشتر احرار کا فکر اس تیزی

سے نشو نما نہیں پاتا جس کا بسا اوقات یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ جمہور اور ان کے احرار میں ایک خلیج حائل ہو جاتی ہے۔ احرار بجائے انقلاب کے مدد و محرک ہونے کے اس کے لئے سدِّ راہ بن جاتے ہیں۔ جب یہ حالات سختی پکڑ جاتے ہیں اس وقت جمہور اور احرار میں تصادم ہونا شروع ہو جاتا ہے جس کی بنا پر قلیل عرصے کے لئے انقلابی رجحانات کو صدمہ پہنچتا ہے۔ عارضی حکومت کے ارکین اور سوویٹ کی کابینہ یعنی مجلس عاملہ چونکہ ہم آہنگ ہو گئے تھے اور ان کا تخیل وقت کی ضرورت کے ساتھ ساتھ نہیں بدلا تھا اس لئے جمہور کے لئے دونوں لائق نفرت ہو گئے۔ اس وقت جمہوری انقلاب کی تکمیل کے لئے ایک قائد کی ضرورت تھی۔ جو عوام کے جوش کردار کی تکمیل کر کے ایک نئی دنیا آباد کرتا۔ یہ قدرت کی قدیم رسم ہے کہ جہاں ایک ضرورت پیدا ہوتی ہے وہاں اس ضرورت کا پورا کرنے والا بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اس دور میں وہ قدرت کا فرستادہ کون تھا؟ یہ وہی شخص تھا جس کو دنیا آج لینن کے نام سے یاد کرتی ہے۔

لینن کی آمد

نظر میں گہرائی نہ ہونے سے قدرت کا عام طریقۂ کار بھی معجزہ معلوم ہوتا ہے دنیا والے ظاہر کے خوگر باطن سے بے بہرہ بیت المقدس میں سقائی کرنیوالے کو کیا پہچانتے گلستان و بوستان کے مصنف نے سالہا سال تک اس مقدس مقام میں سقائی کی سعدی شیرازی ظاہر میں سقا لیکن باطن میں سرچشمہ علم و ادب تھا۔ اگر اس وقت بیت المقدس کے لوگوں سے کوئی اہل باطن آ کر یہ کہتا کہ تمہاری بستی کا یہ سقا دنیائے ادب کا ماہتاب ہے اور قدرت نے اس کو حیات جاودانی عنایت کی ہے۔ لوگ اس پیشگوئی کرنے والے کو دیوانہ بتاتے گلیوں میں رہنے والے۔ بوسیدہ لباس میں ملبوس زمین پر ہاتھ کا تکیہ لگا کر سونے والے۔ دنیا کی نظر میں گرد راہ اگر کچھ عرصے بعد خورشید بن کر چمکیں ظاہر میں اس کو کیوں قدرت کا معجزہ اور تقدیر کا کرشمہ کہہ کر نہ پکاریں۔ لیکن دنیا والوں کو یہ معلوم نہیں کہ جسمانی دنیا کے ساتھ ساتھ ایک معنوی دنیا بھی ہے۔ جہاں چہرے کے رنگ و روپ اور لباس کی خوش پوشی سے انسان نہیں پرکھا جاتا بلکہ تدبر و تفکر، یقین محکم و عمل پیہم، شجاعت و استغنا اس باطنی دنیا میں کسی انسان کا مقام مقرر کرتے ہیں اور ظاہری دنیا اس معنوی دنیا کا عکس ہوتی ہے۔ چونکہ عام نظر

معنوی اہلیتوں کو نہیں دیکھتی اس لئے جب کبھی معنوی اہلیتیں رکھنے والے بظاہر بدحال دنیاوی رفعت پر پہنچتے ہیں، اس وقت عوام اس کو تقدیر کا کرشمہ کہنے لگتے ہیں۔ حالانکہ دراصل وہ تقدیر کا کرشمہ نہیں ہوتا بلکہ پوشیدہ اہلیتوں کا اعجاز ہوتا ہے انسان میں قدرت نے وہ باطنی اہلیتیں ودیعت کر رکھی ہیں جن سے کام لے کر وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ لینن بھی ان ہی انسانوں میں سے تھا جو ظاہر میں ہرزہ گرد لیکن معنوی اعتبار سے صاحب دل و دماغ ہو لتے ہیں اور تاریخ عالم کو سمجھکر اس کی تشکیل میں حصہ لیتے ہیں۔

فروری کے انقلاب کی خبریں جب اخبارات میں نشر ہوئیں تو گویا روسی جلاوطن انقلابیوں کے لئے مژدہ جان فزا آگیا۔ تمام عمر کی تمنا غیر متوقع طور پر پوری ہو جانے پر کس کو عید مسرت نہیں ہوتی، چنانچہ انقلاب کی خبر ملتے ہی دور افتادہ انقلابی جلاوطن مسرور و شاداں اپنے عزیز وطن واپس ہونے کی تدابیر سوچنے لگے۔ لینن اس زمانہ میں یورپ کے دارالامان یعنی سوئزرلینڈ میں تھا۔ اس چھوٹے سے ملک کی سرزمین جتنی خوشنما ہے اتنی ہی خوش نصیب بھی ہے۔ اس ملک کے کوہستان نے بہت کم انسانی ہیبت کے نظارے دیکھے اور ہمیشہ ستم زدہ کو امن دیا۔ لینن کا زیورچ سے روس جانا آسان نہ تھا لیکن انسان کے اپنے گرد و پیش کے حالات پر عمل کرنے سے اس کو مقصد میں کامیابی ہو ہی جاتی ہے لینن کی پیہم کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو سوئزرلینڈ کی مزدور پارٹی کا ایک ایسا قائد مل گیا جس نے لینن اور جرمنی حکومت میں ایک معاہدہ کرا دیا اس کی رو سے جرمنی نے لینن اور اس کے شریک کار کو ایک بند ریل گاڑی میں ملک سے گزرنے کی اجازت دیدی لینن نے جرمن حکومت کے اس دوستانہ اقدام پر یہ وعدہ کیا کہ روس پہنچکر وہ شریک کار کی تعداد کے برابر جرمن قیدی رہا کرانے کی کوشش کرے گا۔ ظاہر میں یہ شرطیں تھیں

لیکن دراصل لینن روس پہنچکر وہاں اشتراکی انقلاب کی جدوجہد کرنے کے لئے بیتاب تھا اور جرمنی کو یہ گمان تھا کہ ان انقلابیوں کے روس پہنچ جانے سے وہاں خانہ جنگی شروع ہوجائے گی اور دول متحدہ کا مشرقی محاذ کمزور ہوجائے گا۔ اس کے بعد جرمنی اپنی افواج کو مشرق سے مغربی محاذ پر روانہ کرسکے گا۔ کسی نے جو یہ بیان کیا ہے کہ قدرت نے انسان کو زبان اظہار خیال کے لئے نہیں بلکہ اصل خیالات کو پوشیدہ رکھنے کے لئے عنایت کی ہے یہ شاید سیاسی دنیا کے مطالعہ کے بعد کہا ہے۔ زبان کی دل سے رفاقت انسان کو قلندر بنا دیتی ہے اور اگر یہ ایک دوسرے سے بیگانہ ہوں تب وہ بہترین سیاستدان بن جاتا ہے لیکن اس طلسم کدہ کی رسم کچھ ایسی ہے کہ اس دل وزبان کے یگانہ وبیگانہ پن کے امتزاج سے کامیابی پیدا ہوتی ہے۔

جرمنی سے شرائط طے کرنے کے بعد روسی مجاہد سویڈن اور فنلینڈ ہوتے ہوئے اس سرزمین میں داخل ہوگئے جس سے جدا ہوئے برسوں گزر گئے تھے اور جس کے دیدار کو ان کی آنکھیں ترس رہی تھیں۔ کوہ و دشت ۔ دریا و صحرا سے مجاہدین کا یہ قافلہ نسیم صبح کی طرح گزرتا جارہا تھا۔ انجن کی تیز رفتاری، شب کے سکوت، ہوا کی خنکی، مجاہدین کے دلوں میں آرزوؤں کے تلاطم، لبوں کی خاموشی نے اس ریل کے ڈبے میں عجیب کیفیت پیدا کردی تھی۔ انجن نے دو چار سانس لئے تھے کہ پیٹرز برگ کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ جیسے جیسے یہ روشنیاں قریب ہوتی جاتی تھیں مجاہدین کے چہرے سنجیدہ ہوتے جاتے تھے۔ اسٹیشن قریب آگئے یہ بین الاقوامی راگ کے نغمے ریل کی گھڑ گھڑ سے ہم آہنگ ہو کر مجاہدین کے کانوں سے ٹکرائے۔ لینن نے کھڑکی سے گردن نکالی ہی تھی کہ گاڑی پلیٹ فارم میں داخل ہوگئی۔ پیٹرز گریڈ کے سوویٹ کے نمایندے اسٹیشن پر استقبال کے لئے موجود تھے حاضرین کی انقلابی امنگوں نے کس جوش و خروش کے ساتھ ان خستہ و شکستہ

عال مجاہدین کا خیر مقدم کیا اس کا نقشہ مؤرخ کا قلم نہیں کھینچا کرتا بلکہ گہری طبیعتیں اس کمی کو خود ہی پورا کر لیا کرتی ہیں۔ چونکہ سوویٹ نے ان جلاوطنوں کو سپاسنامہ پیش کئے جانے کا انتظام اس کمرے میں کیا تھا جس میں زار آکر قیام کرتا تھا اس لئے پرخلوص و پرجوش دلوں نے لینن کو اپنے شانوں پر لے جا کر اس کمرے میں صدر نشین بنا دیا۔

معنوی اہلیتوں کی عجیب طلسم کاریاں ہیں۔ جو آج فقیر راہ ہے کل وہ سریر آرائے سلطنت ہو جاتا ہے غلیظ سراؤں کا رہنے والا آج زار کے کمرے میں بحیثیت صدر کے متمکن تھا۔ عمر خیام ایسے حالات کو کارساز عالم کی شعبدہ بازی کہتا ہے اور اقبال کے نزدیک یہ معنوی اہلیتوں کا اعجاز ہوتے ہیں۔ کون کسی کو غلط کہے اس قسم کے تاریخی واقعات تقدیر کا نوشتہ ہوتے ہیں یا تدبیر کا کرشمہ اس کو انسان کا پیدا کرنے والا جانے مورخ کو صرف یہ علم ہے کہ سپاس نامہ اور لینن کی مختصر سی جوابی تقریر ختم ہو جانے پر انقلابی ہاتھوں نے اس سراپا انقلاب کو ایک مسلح گاڑی پر پہنچا دیا اور جلوس انقلابی نعرہ لگاتا ہوا بالشیوک کے صدر دفتر کی جانب روانہ ہو گیا لیل و نہار کی گردش کے کرشمے دیکھئے کہ جن راہ گزاروں پر یہ مجاہد زار کی پولیس سے چھپ چھپ کر نکلتے تھے آج انہیں سڑکوں پر ہزاروں آنکھوں کا دلپسند مرکز بنے ہوئے تھے۔ جلوس کے صدر دفتر پہنچ جانے پر زیادہ مفصل تقریریں ہونے لگیں۔ پیٹروگریڈ سوویٹ کے نمائندے کے اظہار خیال کر چکنے کے بعد لینن ان کا جواب دینے اٹھا مسلسل دو گھنٹے تک سلسلہ کلام جاری رہا۔ دوران تقریر میں لینن نے ان تمام تخیلات کی تردید کر دی جو آج تک سوویٹ کے بنیادی اصول بنے ہوئے تھے۔ اگلے روز لینن نے اپنا ایک مقالہ نشر کیا جو "۴ اپریل کا مقالہ" کے نام سے مشہور ہے اس تقریر و مقالہ میں جن خیالات کا اظہار تھا ان کا اجمالاً ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ لینن کا خیال تھا۔

"عارضی حکومت یہ جوازی ادارہ ہے اور جمہور سیاسی شعور نہ ہونے کی بنا پر اپنے

لیڈروں کی کم ہمتی اور سیاسی خام فکری کا شکار ہو کر عارضی حکومت کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ فروری کے ماہ میں اگرچہ طاقت جمہور کے ہاتھ میں آگئی تھی لیکن ان کے لیڈروں نے اپنے احساسی کمتری اور سیاسی خامی کی بنا پر آئی ہوئی طاقت متوسط طبقہ کو دیدی ان حالات میں بالشیوک کو جمہور میں خود اعتمادی اور سیاسی نظر پیدا کرنے کی سعی کرنی اور سوویٹ کے انتخابات میں حصہ لے کر جمہور کے موجودہ لیڈروں کی جگہ لینی چاہیے اس طرح سوویٹ اداروں میں بولشیوک کی اکثریت ہو جانے پر از سر نو انقلابی جد و جہد کر کے ہم کو عارضی حکومت سے زمام حکومت چھین لینی چاہیئے۔ اگر بولشیوک نے جمہور کو مینشیوک و سوشل انقلابی اور دیگر پارٹیوں کے سیاسی تخیل کے غلط ہونے کا یقین دلا دیا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ بولشیوک نے مزدور آمریت قائم کر دی۔ آمریت قائم کرنے کے بعد بولشیوک سرمایہ دارانہ دنیا سے قطع تعلق کر لیں گے اور خفیہ شرائط نامے نشر اور جنگ ختم کر دیں گے بولشیوک دنیا کی انقلابی جماعت کی ایک کڑی ہے اور بین الاقوامی انقلاب میں ہی بولشیوک کی کامیابی پوشیدہ ہے) روس میں بورجوازی انقلاب ختم نہیں ہونے پایا کہ متوسط طبقہ مردہ ہو گیا ہے اب اس میں اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ انقلاب کو کامیاب بنا سکے دوسرے الفاظ میں متوسط طبقہ کی تشکیل کردہ جمہوریت پیدا ہوتے ہی فنا ہو گئی ہے اس وقت روس میں مزدور جماعت ہی ایک ایسی جماعت ہے جو ملک کو ترقی کی طرف لیجا سکتی ہے۔ مزدور طبقہ کے ساتھ صرف یہ قباحت ہے کہ وہ پوری طرح بیدار نہیں ہے (بولشیوک پارٹی کو چاہیئے کہ طبقاتی فرق مزدور طبقہ کے ذہن نشین کرائیں۔ اگر بولشیوک اس کوشش میں کامیاب ہو گئے اس کے یہ معنی ہوں گے کہ روس میں مزدور آمریت قائم ہو گئی) سرمایہ دارانہ نظام بحیثیت ایک عالمگیر نظام ہونے کے اپنی آخری منزل امپریل ازم پر پہنچ گیا ہے۔ اب اس نظام میں مجموعی طور پر تضاد پیدا ہو گیا ہے اور یہ تضاد اس کو تباہ کر رہا ہے۔ چونکہ سرمایہ دارانہ نظام

میں بنی نوع انسان کے لئے ترقی کی گنجائش نہیں رہی اس لئے دنیا میں ایک دوسرا نظام قائم کرنے کا وقت آگیا ہے ترقی یافتہ قومیں اس تبدیلی کو آسانی سے عمل میں لاسکتی ہیں لیکن کیا کیا جائے سرمایہ داری کی زنجیر اپنی سب سے کمزور کڑی (روس) پر سے ٹوٹنی شروع ہوئی ہے۔ پسماندہ قوموں کو اشتراکی منزل کی طرف جانے کے لئے ایک ڈکٹیٹرشپ کی ضرورت ہوتی ہے۔ روس میں اشتراکی انقلاب اسی وقت ممکن ہے کہ یہاں ایک فرد واحد ڈکٹیٹرشپ قائم کی جائے ہمارے بدنصیب ملک کی اقتصادی پسماندگی سے یہ عائد نہیں آتا کہ روس کو صرف بورژوازی انقلاب پر اکتفا کرنا چاہئے بلکہ اقتصادی پس افتادگی کا صرف یہ نتیجہ ہوگا کہ روس کو ایک عبوری دور سے گزرنا ہوگا جس میں بڑی بڑی اقتصادی، سیاسی و معاشرتی مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ روس اشتراکی انقلاب شروع کر رہا ہے نہ معلوم کونسا ملک اس کو تکمیل تک پہنچائے گا۔ یہ چند بنیادی خیالات تھے جن کو لینن مختلف انداز سے بار بار تقریر و تحریر میں دہرایا کرتا تھا۔

انسان کی جہالت کچھ اتنی عمیق ہوتی ہے کہ چند سیدھے سادھے تفکرات کو ذہن نشین کرانے میں پیغمبروں اور مصلحین کی عمریں صرف ہو جاتی ہیں اور اس پر بھی وہ انسانی دل و دماغ پر اپنے خیالات کا صرف ایک ہلکا سا عکس چھوڑنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ لینن کے چند سیدھے سادھے خیالات اس زمانہ میں اتنے عجیب اور دور از کار معلوم ہوتے تھے کہ خود بولشیوک اپنے قائد کے خیالات کی تائید کرنا اپنی فکری دیانتداری کے خلاف سمجھتے تھے۔ خود بولشیوک کے پاس لینن کے معترضین کا سوائے شاتوں کی غیر مہذب حرکت کے کوئی جواب نہ تھا اور جمہور اس کے سیاسی تخیل کو حالات و واقعات سے بالکل ہی بیگانہ خیال کرتے تھے۔ معترضین آپس میں کہتے تھے کہ لینن شاید ابھی ستارہ مریخ سے آرہا ہے۔

آئے دیر ہوئی نہیں کہ اس لئے عارضی حکومت پر قبضہ کر لنے کی باتیں کرنا شروع کر دیں" لینن کے مخالفین کہتے تھے "جو شخص اس قسم کی لغو گوئی کر سکتا ہے۔ وہ مخدوش نہیں ہو سکتا۔ اچھا ہوا کہ یہ روس آگیا۔ اب یہ اپنی تردید آپ ہی کر دے گا" کرنسکی لنے جو بعد میں کچھ عرصہ کے لئے وزیر اعظم روس رہا اپنے احباب کے حلقہ میں کہا "لینن کو روس آئے ہوئے چند ہی روز گزرے ہیں ہنوز اس کو مکمل حالات وواقعات کا پورا علم نہیں اسلئے وہ ہر معاملہ کو غیر حقیقی نقطہ نگاہ سے دیکھ رہا ہے اب تک اس کو کسی نے اصل حالات بتانے کی کوشش نہیں کی میں اس سے ملونگا اور سمجھا دوں گا"

تاریخ کے ہر دور میں دنیا کے مصلحین کو یہی دقت پیش آئی ہے کہ ان کی حقیقت شناس نظر جو کچھ دیکھتی تھی عام انسان عالم رویا میں بھی اس منزل تک نہیں پہنچ سکتا تھا اس لئے شروع میں جمہور کو مصلحین کی تعلیم و تلقین ہمیشہ دور از کار اور عبث معلوم ہوتی تھیں سے وہ ہمیشہ روگردانی کرتے رہے۔ اور کرتے رہینگے جمہور میں جہالت کی تاریکی اور فکر و تدبر کا فقدان ہو اور ایک ذی ہوش انسان تاریخی تقاضوں اور زمانے کے رجحانات کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک خاص لائحہ عمل ان کے سامنے پیش کرے اس کو وہ کب مان سکتے ہیں پیغمبروں کی زندگیاں اس امر کی شاہد ہیں کہ حق ابرو کے اشارے سے نہیں پھیلتا بلکہ تلقین میں بعید کاوش وسعی کرنی پڑتی ہے اس کدوکاوش کی یہ وجہ ہوتی ہے کہ پیغمبر آنے والے دور کا مژدہ سناتا ہے اور اس کی امت گزرے ہوئے دور کی رسومات۔ توہمات اور بندھنوں میں جکڑی ہوئی ہوتی ہے۔ یہی دشواریاں مصلحین کو پیش آتی ہیں دنیا کے سرمایہ دارانہ دور کے تضاد کا مطالعہ کرنے کے بعد لینن اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ زمانہ اور تاریخ اب اس دور کو مسترد کر چکے ہیں۔ جو دور اس کی جگہ لے گا اس کے خدوخال بھی تاریخی تقاضوں نے

اس پر روشن کر دیئے تھے۔ عہدِ سلف کی تاریخ نے اس کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ کوئی نیا دور از خود رائج نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے جد و جہد کرنی پڑتی ہے۔ سرمایہ داری کے خلاف مزدور آمریت قائم کرنے اور جد و جہد جاری رکھنے کا طریقہ بھی انقلاب فرانس کے گہرے مطالعہ سے اس پر آشکارا ہو گیا تھا۔ یہ سب امور ایک رات میں اس کے قلب پر القا نہیں ہوئے بلکہ سالہا سال کی دماغ سوزی اور تجربے کا نتیجہ تھے۔ اس دماغ سوزی کے بعد جو لائحہ عمل اس نے تیار کیا اس کو جمہور ایک دن یا ایک ہفتے یا ایک ماہ میں کس طرح سمجھتے۔ چنانچہ مہینوں کی دن رات کی کوشش کے بعد اتنا ہوا کہ جمہور نے لینن کے پروگرام پر غور کرنا شروع کیا۔ جمہور کو غور و فکر پر آمادہ کرنا بڑی بات ہوتی ہے یہ لینن کی آدھی فتح تھی۔ صراط مستقیم پر پہلا قدم رکھوا دیا جائے پھر انسان خود بخود چل پڑتا ہے لیکن جمہور کو پہلا قدم اٹھانے پر آمادہ کرنا جوئے شیر لانے سے کہیں زیادہ کٹھن ہوتا ہے۔ یہ قدم کس دشواری سے اٹھا وہ حالات و واقعات اگلے ابواب کا موضوع ہیں۔

انقلابی عناصر کا اقدام

حرکت میں قیام ہوتا ہے۔ قافلہ منزلیں طے کرتا چلتا ہے۔ دور دراز کے سفر میں یہ نہیں ہوا کرتا کہ کوچ کے بعد منزل مقصود ہی پر پہنچ کر دم لیا جائے۔ بہت سی راتیں تاروں بھرے نیلگوں آسمان کے نیچے گزارنے کے بعد آخری منزل آتی ہے یہی حال انقلاب کا ہے۔ انقلاب پہلا قدم اُٹھانے پر ایک جست میں کٹھن منزل طے نہیں کر لیتا بلکہ دم لے لے کر چلتا ہے۔ فروری میں انقلاب نے پہلا قدم اُٹھایا اور زار روس کو سرنگوں کرنے کے بعد زمام حکومت متوسط طبقے کے ہاتھ میں دیدی۔ اس ہنگامہ خیز ماہ کے بعد مارچ سے ستمبر تک انقلاب نے دوسری منزل سر کرنے کے لئے رخت سفر تیار کیا۔ اکتوبر میں منزل مقصود پر پہنچکر متوسط طبقہ سے زمام حکومت چھین کر مزدور طبقہ کو دیدی۔ فروری کی داستان ختم ہوئی۔ اب چند ابواب میں مارچ سے ستمبر تک انقلاب انگیز پارٹی کو جو مراحل طے کرنے پڑے اور جو واقعات پیش آئے ان کی روداد پیش کی جاتی ہے انقلاب سے جو زمانہ جتنا قریب ہوتا ہے اتنا ہی بلاخیز ہوتا ہے جس طرح ماں کے بطن سے بچہ بلا درد و کرب کے برآمد نہیں ہوتا اسی طرح پرانے معاشرہ کے بطن سے نئے معاشرہ کا عالم وجود میں آنا شدید حالات پیدا کر دیتا ہے چنانچہ اس زمانہ میں تمام روس درد و کرب سے کانپ رہا تھا۔ اگر ایک طرف انقلابی رجحانات

غیظ و غضب سے تھرا رہے تھے (دوسری طرف عارضی حکومت خوف و ہراس کی وجہ سے لرزاں تھی۔ فوج۔ مزدور۔ کسان سب عارضی حکومت سے نالاں اس سے عدم تعاون کر رہے تھے فوج نہ صرف جرمن دشمن سے برسر پیکار ہونے سے انکار کر رہی تھی بلکہ اس نے اپنے سخت گیر افسروں کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔ فوج کے پرے کے پرے صفیں چھوڑ کر فرار ہو رہے تھے جو صف لبستہ تھے ان کا بھی یہی مطالبہ تھا کہ جرمنی سے فوراً صلح کر لی جائے حکومت کو بغاوت کی خبریں مل رہی تھیں) ساتویں فوج کے اعلیٰ افسر نے اطلاع دی "۷۴ نمبر رجمنٹ نے محاذ پر جانے سے انکار کر دیا۔ ۵۲۰ نمبر رجمنٹ نے نہ صرف جانے سے انکار کیا بلکہ اپنے افسروں کو گرفتار کر لیا۔ فوجی چیف نے حکومت کو اطلاع دی "توپخانہ نے حملہ کرنے سے انکار کر دیا" ایک رجمنٹ کے کمانڈر نے خبر دی "کچھ دن ہوئے کہ پانچویں کمپنی میں ایک سپاہی آیا ہوا ہے۔ جو لینن کا پیرو ہے اور اس کی تبلیغ سے میرے بہترین سپاہی اور افسر صفیں چھوڑ کر فرار ہو گئے ہیں جو موجود ہیں ان کو اپنی جان کی حفاظت کرنی مشکل ہو رہی ہے" جنرل پتیان (فرانس کا موجودہ ڈکٹیٹر) نے کہا "روسی فوج کی حالت اس درجہ خراب ہے کہ اس کا شیرازہ دشمن کا حملہ ہوتے ہی بکھر جائے گا" (آزاد ملک کا سپاہی سیاسی بیداری پیدا ہو جانے کے بعد اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف نہیں لڑتا) فوج جب جنگ سے انکار کر دے کون اس کو برسر پیکار رہنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ فوج کی اس نفسی کیفیت سے انقلابی رجحانات کی طاقت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ انقلاب طاقتور اور عارضی حکومت کمزور ہوتی چلی جا رہی تھی۔ حکومت نے زمین کی ملکیت کے مسئلہ کو مجلس دستور ساز کے انعقاد تک کے لئے ملتوی کیا اس پر بجائے انتظار کرنے کے غریب کسان اور فلاکت زدہ دہقان نے بڑے بڑے زمینداروں، نوابوں۔ جاگیرداروں۔ گرجاؤں، خانقاہوں کی آراضی پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ مارچ کی آخری تاریخوں میں عارضی حکومت کے پاس دیہات سے فسادات

کی خبریں آنی شروع ہوگئیں۔ لوگوروڈ کے حاکم نے خبر دی کہ ایک پولیس پاسپورٹ نامی نے بغیر سمن کے ایک بڑے زمیندار کو گرفتار کر لیا۔ ۱۵ اپریل کو کارکوف کے صوبہ کی آراضی کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ امیر زمینداروں کے ہتھیار ضبط کر لیے جائیں۔ اس قسم کے انقلابی عمل روس کے طول و عرض میں عام تھے۔ اپنے جنگل سے لکڑی کاٹنا، آراضی میں کاشت کرنا، کھیتی کٹوانا۔ لگان وصول کرنا زمیندار کے لیے محال ہو گیا تھا۔ حکومت کے استحکام پر یقین نہ رہے۔ مستقبل میں تمام ملک پر جرمن قبضہ ہو جانے کے امکانات قوی ہوں۔ محنت کا ثمر کے بارآور ہونے تک زندہ رہنے کا کسی کو یقین نہ رہے۔ دیہات میں طوائف الملوکی پھیل جائے۔ زمیندار اور کسان میں کشت و خون ہو رہا ہو۔ ان حالات میں کون ہل چلائے گا (چنانچہ عام طور پر دیہات میں کسان صرف اتنی اراضی کاشت کر رہا تھا جس کی پیداوار اس کے گھر والوں کے لئے کافی ہو جائے اور بس۔ دیہات میں پیداوار کم ہونے کا یہ نتیجہ ہوا کہ شہروں میں قحط پڑنے لگا۔)

(صنعت و حرفت کی حالت زراعت سے بھی خراب تھی۔ کارخانوں میں پرانی مشینیں دو سال کے متواتر اور شدید استعمال سے بیکار ہو چکی تھیں نیز جنگ کی وجہ سے نئی مشینوں کی آمد غیر ممکن تھی۔ ذرائع رسل و رسائل کا بہت بڑا حصہ جرمن گولہ باری کی نظر ہو چکا تھا جو باقی رہا وہ اتنا ناکافی اور خراب حالت میں تھا کہ کارخانوں میں خام اجناس کا پہنچانا ناممکن تھا۔ مشین بیکار اور ذرائع رسل و رسائل قریب قریب ختم ہو جائیں تو ملک میں کیا اقتصادی زندگی باقی رہ سکتی ہے۔ اقتصادی بدحالی کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ روس میں سیاسی حالات تیز رفتاری سے بدل رہے تھے اور اشتراکی ملکیت کے خوف سے روس کے سرمایہ دار طبقہ نے ملک کی صنعت و حرفت سے اپنا سرمایہ کھینچ لیا تھا جس کی وجہ سے مارچ سے جون تک ۵۶۸ کارخانے بند اور ۰۰۰ ۱۰۴ مزدور بیکار ہو گئے تھے۔ روبل کی قیمت اس قدر گر گئی تھی کہ معمولی شے خریدنے کے

لئے ہزاروں روبل کی ضرورت ہوتی حکومت بہت بڑی تعداد میں نوٹ چھاپ رہی تھی لیکن وہ بھی ضرورت کے لئے بہت ناکافی ہو رہے تھے. جس طرح افلاس زدہ انسانوں کو قرضہ نہیں ملتا اسی طرح تباہ حال ملک بھی بے یار و مددگار رہ جاتا ہے. قدرت کا شاید یہ مستحکم اصول ہے "اہل ثروت کو زیادہ دولت دی جائے گی اور غریب سے وہ چند پیسے بھی لے لئے جائیں گے جو اس کے پاس ہیں" دارالسلطنت میں صرف پندرہ روز کا سامان خوردنی موجود تھا. حکومت قرضہ کی خواہاں تھی لیکن کسی سمت سے دست زر بڑھتا ہوا دکھائی نہیں دیتا تھا. البتہ عارضی حکومت کا دست طلب بڑھا دیکھ کر مقید شاہی خاندان نے یہ اعلان کیا کہ ان کی پنشن میں اضافہ ہو جانے پر وہ حکومت کو معقول رقم قرض دینے کے لئے تیار ہے. شاہی خاندان کے جور و ستم کا بدلہ عارضی حکومت ہنوز پنشن کی شکل میں ادا کر رہی تھی اور جمہور اس طریقہ عمل کے شاکی تھے. شاہی خاندان کی طرف سے اعلان ہونے پر جمہور کو شہنشاہیت کے عود کر آنے کے امکانات دکھائی دینے لگے. اب عوام نے پہلے سے زیادہ شدت سے جارحانہ کارروائی شروع کر دی۔

مزدور ہڑتالوں کے ذریعہ سے سرمایہ دار کو صنعت و حرفت میں حصہ لینے پر مجبور کرنا چاہتے تھے. ان کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ سرمایہ دار طبقہ کے اس تخریبی رویہ کی بنا پر حکومت کو تمام کارخانے اپنی تحویل میں لے لینا چاہئیں. اپنے سیاسی تخیل کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مزدور ملک کے طول و عرض میں ہڑتالیں کر رہے تھے. اقتصادی اور سیاسی بےچینی انقلابی رجحانات کے لئے ہمیشہ سازگار ہوتی ہے. انقلاب بھوک پیاس پر پھلتا پھولتا ہے. سیاسی کشمکش انقلاب کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے. جہاں دیدہ بولشیوک حکومت کی ہر خامی اور غلط اقدام اور جمہور کی آتش نوائی اور کرب روح سے فائدہ اٹھا رہے تھے جون کے مہینہ میں موسکو سوویٹ میں ۲۰۶ بولشیوک ۱۷۶ -

مینشوک اور ۔ ا سوشل انقلابی کی نسبت تھی ۔ اگرچہ مجموعی طور پر بالشیوک کی تعداد ہنوز کم تھی لیکن ہر تنہا پارٹی سے زیادہ تھی ۔ ماسکو کے علاوہ بھی دوسرے مقامات پر سوویٹ اداروں میں بالشیوک آہستہ آہستہ غلبہ پاتے جا رہے تھے ۔ پیٹروگریڈ میں اپریل کے آخر میں بالشیوک پارٹی کے ۱۵۰۰۰ ممبر ہو گئے تھے لیکن جون کے آخر میں ان کی تعداد ۳۲۰۰۰ ہزار تک پہنچ گئی تھی ۔ انسان اپنی خوابیدہ اہلیتوں کو بیدار کرے اور گرد و پیش پر عمل کرتا رہے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے ایسے انسان کے لئے حادثات زمانہ اور واقعاتِ غیر اختیاری نہ امید شکن ہوتے ہیں اور نہ زیادہ نقصان ہی پہنچا سکتے ہیں بلکہ غیر متوقع مشکلات خردمند انسان میں وہ روحانی سختی اور نفسی گہرائی پیدا کرتی ہیں جو انقلابی منزل طے کرنے کے لئے زادِ راہ کا کام دیتی ہیں ۔ لینن اور اس کے چند ساتھی جو انگلیوں پر شمار ہو سکتے تھے آج ایک طاقتور جمعیت بن گئے تھے ۔ مینشیوک اور سوشل ڈیموکریٹ نے بالشیوک پارٹی کی طاقت بڑھتی دیکھی تو آپس میں تعاون کرنا شروع کر دیا اور ایک مشترکہ کابینہ بنالی جس میں شاہزادہ لووَل بدستور وزیر اعظم رہے جس کابینہ کا وزیر اعظم ایک شاہزادہ ہو اس کے سیاسی رجحانات کا قیاس کیا جا سکتا ہے ۔ یہ وہی رجحانات تھے جن کو تاریخ مسترد کر چکی تھی اور وہی اعمال تھے جن کو گردشِ ایام نے فرسودہ قرار دیا تھا لیکن واہ رے متوسط طبقہ کی گراں خوابی کہ زار کی تباہی سے بھی وہ سبق حاصل نہ کر سکا اور یہ سمجھتا رہا کہ پارٹیوں کے سطحی اتحاد ۔ سیاسی چالوں اور بلند آہنگ تقریروں سے شکست فتح میں تبدیل ہو جائے گی ۔ متوسط طبقے کو یہ خبر نہ تھی کہ سیاسی سازشیں نہیں بلکہ دوامی قدور کا اجرا ہی کسی معاشرہ کی زندگی کی تشکیل کر سکتا ہے ۔ جس طرح قانونِ جرِ ثقیل سے لاعلمی اس کے عمل کو نہیں روکتی ۔ اسی طرح دوامی قدور سے لاعلمی ان کے عمل و افرات کو نہیں روک سکتی ۔ فکر و عمل سے لاپرواہی ، اجتماعی مفاد سے بے اعتنائی اور انفرادی مفاد سے وارفتگی ۔ اخلاقی کمزوریاں

سیاسی خام کاریاں۔ محاذ پر شکستیں۔ یہ سب عارضی حکومت اور اس کی خوش چین مجلس عاملہ کا وقار خاک میں ملا رہی تھیں۔ جمہور میں سیاسی بے چینی اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ فضا میں کوئی بڑا حادثہ اپنا سایہ ڈالتا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن ہنوز کسی کو اس کی نوعیت کا علم نہ تھا۔ عوام کسی غیر معمولی خبر کا امید کر رہے تھے کہ کیڈٹ پارٹی کے چار وزراء کے استعفے کی خبر آئی۔ واقعہ یہ تھا کہ ان وزیروں کو جب خفیہ طور پر ایک بہت زبردست شکست کی خبر ملی انھوں نے شکست کی ذمہ داری سے بچنے کے لئے اس اندوہناک خبر کے نشر ہونے سے قبل ہی استعفے دیدئے تاکہ جمہور کی سرزنش سے بچ جائیں۔ کیڈٹ پارٹی ان سیاسی چالوں سے سرخ رو رہنا چاہتی تھی۔ پارٹی کے ممبروں کو یہ علم نہ تھا کہ تاریخ ان کو کافی فرصت دے چکی ہے اور چونکہ وہ وقت پر نہیں چوکے اس لئے اب ان کی تباہی لازمی ہے۔ لیکن قدرت کی کارسازی یہ ہے کہ ہر تباہی میں بھی تعمیری پہلو قائم رہتا ہے۔ تباہی بتدریج وقوع میں آتی ہے تاکہ دنیا دیکھ لے اور ضروری سبق حاصل کرے۔

چند روز بعد اندوہناک شکستوں کی خبریں نشر ہونے پر فوج کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور مشین گن کی رجمنٹ نے یہ تجویز منظور کی کہ مسلح فوج کا مظاہرہ کر کے حکومت پر فوراً صلح کر لینے کے لئے زور ڈالنا چاہیے۔ جان عزیز کو رائیگاں ہوتا نہیں دیکھا جاتا۔ اگر فتح کی امید کی جھلک بھی ہوتی تو شاید فوج صبر و شکر سے شکستوں کی خبریں سنتی رہتی۔ لیکن جب اسلحہ کی کمی نے اس کو شکست کا یقین دلا دیا۔ اس حالت میں ظاہر تھا کہ سپاہی اپنی جان کیوں ضائع کرتا۔ مظاہرہ طے پا لینے پر مشین گن رجمنٹ نے اپنے نمائندے دوسری رجمنٹوں اور فیکٹریوں کو مظاہرہ میں شرکت کی دعوت دینے کے لئے روانہ کر دئے اور یہ ہدایت کر دی کہ جو شرکت کی نیت سے آئے مسلح ہو کر آئے۔ سربار دوش ہونے پر کون اس کی حفاظت کرتا ہے۔ زندگی جہنم ہو جانے

ہر جان کو کون عزیز رکھتا ہے۔ بھوک پیاس اور موت کے تقین نے سب کو سینہ سپر بنا دیا تھا مصیبت خود وہ نفسی کیفیت پیدا کر دیتی ہے اس مصیبت کا احساس نہیں رہتا۔ شیطان اپنی شیطنت سے ہی انسان میں وہ نفسی کیفیت پیدا کر دیتا ہے جس پر انوار الٰہی برستے ہیں۔ لیکن بالشیوک پارٹی انقلابی اقدام کو ہنوز قبل از وقت خیال کر رہی تھی اور انقلابی عناصر کو مظاہرہ سے روکنا چاہتی تھی لیکن انقلابی امنگیں ان کے ہم آہنگ نہ تھیں ایک فیکٹری کمیٹی کے بالشیوک سکرٹری نے جب مزدوروں کو مظاہرہ میں حصہ لینے سے قبل پارٹی سے مشورہ لینے کو کہا تو اس پر ایک مزدور نے جواب دیا "پارٹی پر لعنت بھیجو ہم حالات کو پھر التوا میں ڈالنا چاہتے ہو ہم اس طرح زندہ رہنا نہیں چاہتے"۔ بے عزتی کی زندگی قابل قدر نہیں رہتی۔ مزدور بے آرام و بے عزت زندگی سے اس کو بہتر خیال کرتا تھا کہ تاریکی میں چھلانگ مار دے۔ عام انقلابی رجحانات کی طاقت کا اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب فرانس کے نئے سفیر نے روس آکر سفارت کا عہدہ سنبھالا اس وقت فرانس کے مشہور نامہ نگار کلاڈ ڈانیٹ نے دوران گفتگو میں سفیر سے کہا "آپ کے سفارت خانہ کے دوسری جانب دریائے نیوا کے کنارے ویبروک کا ضلع واقع ہے وہاں بہت بڑے بڑے کارخانے ہیں جن پر لینن اور ٹروٹسکی حکومت کرتے ہیں۔ اس ضلع میں مشین گن رجمنٹوں کی بارکیں بھی ہیں جن میں سے چند پر بولشیوک کا اثر ہے۔ اگر یہ دونوں بولشیوک لیڈر پیٹرو گریڈ پر قبضہ کرنا چاہیں تب ان کو کوئی روک نہیں سکتا"۔ اس اطلاع پر سفیر نے تعجب سے دریافت کیا "عارضی حکومت ان حالات کو کیسے برداشت کر رہی ہے"۔ نامہ نگار نے جواب دیا "آخر حکومت کر ہی کیا سکتی ہے"۔ انقلابی حالات اتنے سخت ہو گئے تھے کہ باوجود بولشیوک کا ویبروک کے ضلع کے مزدور اور فوج پر اتنا اثر ہونے کے جب اکابر بولشیوک نے ان دونوں عناصر کو فوری انقلابی اقدام سے منع کیا وہ نہ مانے

اور مسلح ہو کر مظاہرہ میں شرکت کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ویبوک کے ضلع کے مظاہرہ میں شریک ہونے کے بعد بالشیوک پارٹی بھی ان کی سرگردی کرنے پر مجبور ہو گئی
۳۔ جولائی کو ارسیر نوپیٹر وگریڈ نے فروری کے انقلابی ایام کا منظر دیکھا مسلح فوج کا سڑکوں پر مظاہرہ۔ جمہور کے انقلابی نعرے۔ انقلابی سرفروشوں کی قدم قدم پر تقریریں۔ اجتماعی جوش وخروش۔ عورتوں کی اُمڈی ہوئی چیخ و پکار۔ کم سنوں کا وجدانی ذوق و عمل۔ انقلابی علم کی بھیڑ۔ استینوں کا چڑھاؤ۔ گھونسوں کا تناؤ۔ شکلوں کی درندگی۔ کبھی کبھی گولی کی آواز۔ کسی کا زخمی ہو کر خاک وخون میں غلطان و بیجان ہو جانا۔ یہ مناظر انقلابیوں میں مزید جوش کردار پیدا کر رہے تھے رات کے ۱۰½ بجے اس مجمع نے جلسہ کیا اور ایک نئے ادارے "روس کی مرکزی انتظامیہ کمیٹی" کی بنیاد ڈالی۔ اس نئے ادارے نے وجود میں آتے ہی حسب ذیل ۶ مطالبات عارضی حکومت کے سامنے پیش کر دیئے۔

(۱) سب برجوازی وزرا برطرف کر دیئے جائیں۔
(۲) تمام طاقت سوویٹ کو دیدی جائے۔
(۳) جرمنی کے خلاف جارحانہ کارروائی بند کر دی جائے۔
(۴) برجوازی پریس پر قبضہ کر لیا جائے۔
(۵) زمین کسان کی ملکیت میں دیدی جائے۔
(۶) ملک کی صنعت وحرفت مزدور کے قبضہ میں دیدی جائے۔

ان مطالبات سے مسلح ہو کر مجمع مجلس عاملہ کے دفتر کی سمت جو ٹورائد محل میں واقع تھا روانہ ہو گیا رات کے ۳ بجے ۸۰ ہزار مرد عورتیں بچے محل پر پہنچے اور انھوں نے مجلس عاملہ سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ حکومت سے جمہور کے مندرجہ بالا ۶ مطالبات منوائے اور عارضی حکومت کے گریز کرنے پر مجلس عاملہ کو عارضی

حکومت کی برطرفی کا اعلان کردینا چاہیئے تاکہ سوویٹ بلاشرکت غیرے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لیں۔

کبھی کبھی اس رباط کہن میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ گھر کو گھر کے چراغ سے آگ لگ جاتی ہے آشیانہ میں چنگاری لگنے پر کبھی کبھی باغ کے پتہ ہوا دے کر اس چنگاری کو شعلہ میں منتقل کر دیتے ہیں۔ مجلس عاملہ اگرچہ مزدور طبقہ کا مرکزی ادارہ تھا جس کی شاخیں تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن وہ احساس کمتری اور سیاسی خامی کا شکار ہو کر عارضی حکومت کے ساتھ ہمہ تن تعاون کر رہی تھی۔ مجلس عاملہ بھی اس انقلابی مظاہرہ اور مطالبات کے اتنی ہی خلاف تھی جتنا کہ عارضی حکومت اور یہ دونوں مل کر جمہور کے اس انقلابی اقدام کو کچلنا چاہتے تھے۔ جب گھر والے گھر کو نظر آتش کر دیں اس وقت مخالف کیوں نہ ہاتھ سینکیں۔ خود مزدور ادارہ ہی جمہور کے انقلابی اقدام کو فنا کرنا چاہے عارضی حکومت کیوں نہ اس کی ہمت افزائی کرے۔ مجلس عاملہ نے یہ چال چلی کہ بظاہر جمہور کے نمائندوں سے صلح کی گفتگو اور ان کے مطالبات کے پورا کرنے کی تدابیر پر بحث و مباحثہ شروع کیا لیکن در پردہ عارضی حکومت اور مجلس عاملہ وفادار فوج فراہم کرنے اور مجمع کو طاقت کے ذریعہ سے منتشر کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ اس زمانہ میں عارضی حکومت اور مجلس عاملہ کی کس مپرسی کا یہ عالم تھا کہ باوجود ہر امکانی کوشش کے یہ دونوں ادارے کوسک فوج کے صرف دو دستے فراہم کر سکے جو آتے ہی مجمع پر حملہ آور ہو گئے ان دستوں کے گولی چلانے پر مسلح مجمع نے بھی ترکی بترکی جواب دیا اور تعجب خیز یہ امر ہے کہ اس نبرد آزمائی میں کوسک فوج کو شکست ہوئی۔ کسی امر میں محکم یقین ہونے سے انسان میں بے پناہ قوت عمل پیدا ہو جاتی ہے یہ یقین کا جادو تھا کہ مجمع نے کوسک پر فتح پائی۔ لیکن انسانی فطرت کچھ ایسی ہے کہ خواہ وہ عیش و آرام ہو یا

سعی وجہاد کچھ مدت بعد طبیعت گھبرا سی جاتی ہے چنانچہ دو دن کی متواتر کشمکش سے تھکا ہارا سا مجمع مضمحل ہو گیا تھا۔ دوسرے مجلس عاملہ انقلابی نمایندوں سے مصالحت کی گفتگو کر رہی تھی۔ مجمع کا خیال تھا کہ مطالبات کا کچھ حصہ مان لیا جائے گا۔ اور حکومت کی تنظیمی رفتار میں تیزی آجائے گی۔ اس گمان کے ماتحت مظاہرہ ختم کر دیا گیا۔ لیکن دنیا کی یہ قدیم رسم ہے کہ انسان سوچتا کچھ ہے ہوتا کچھ ہے۔ پردہ غیب سے کیا ظاہر ہونے والا ہے اس کی تیز سے تیز فہم کو بھی اطلاع نہیں ہوتی۔ انقلابی امنگیں اپنے وجدان سے آپ دھوکا کھا گئیں ان کا گمان صرف گمان رہا اور بساط پلٹ گئی۔

بولشیوک کو شکست

یکایک پردہ اُٹھنے اور منزل مقصود کے سامنے آجانے پر راہ روان قافلہ کیوں نہ خوش ہوں۔ جمہور دفعتاً انقلابی قدم اٹھائیں اور حکومت ان کے خلاف کوئی کامیاب جارحانہ کارروائی نہ کرسکے بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ جارحانہ کارروائی کرے اور ناکامیاب رہے ان معاملات میں حامیان انقلاب کیوں نہ سیر ہوتے۔ ۳۔ جولائی کے جانفزا انقلابی نظاروں نے بولشیوک کو اشتراکی انقلاب کے امکانات کا یقین دلایا تھا۔ ۴۔ جولائی کو مجلس عاملہ اور انقلابی اخبار میں جو مصالحت کی گفتگو شروع ہوئی تھی وہ ہنوز جاری تھی اور یہ امید کیجارہی تھی کہ بلا کشت و خون کے ملک کے سیاسی نظام میں تبدیلی ہوجائے گی کہ پردہ غیب سے کچھ اور ہی عالم ظہور میں آیا کسی عمل کا کیا ردعمل ہوتا ہے شاید اس لاعلمی کا نام ہی غیب ہے مستقبل کا علم یقینی نہیں ہوسکتا۔ انسان کی ہمیشہ سے ہی درماندگی رہی ہے کہ کبھی کبھی اس کی نگاہ پردۂ وجود چیر کر مستقبل کی جھلک دیکھ لیتی ہے لیکن بسا اوقات اپنے اندازہ وگمان میں الجھ کر رہ جاتی ہے۔ اور ازل سے عقل انسانی میں یہ کمی محسوس ہوتی ہے کہ قدرت نے اس کو کوئی ایسی قوت عنایت نہیں کی جو کسی عمل کے ردعمل کو صحیح طور پر سمجھ جایا کرتی۔ لینن کو مستقبل بے مبافرا معلوم ہورہا تھا۔ اس کو یہ علم نہ

تھا کہ ظاہرہ مجلس عاملہ اور عارضی حکومت انقلابیوں سے مصالحت کی گفتگو کر رہی ہیں اور پس پردہ انقلاب کو قطعی طور پر فنا کرنے کی تدابیر اختیار کر رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں رجعت پسند عناصر نے حیلے اور جارحانہ عمل سے کام لیا اول یہ کہ لینن کے جرمن جاسوس ہونے کے جعلی کاغذات مرتب کئے اور حکومت نے اس خبر کو گشت دیا کہ ایک سنگین سازش پکڑی گئی ہے جس سے لینن کا جرمن جاسوس ہونا پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ہے۔ ۴ جولائی کو مجلس عاملہ کا اجلاس انقلابیوں سے مصالحت کی شرائط پر بحث و مباحثہ میں سرگرم تھا کہ لینن کی جعلی سازش کی یکایک خبر آئی۔ اس خبر کے معلوم ہوتے ہی تمام اجلاس سراپا تحیر و استعجاب بن گیا۔ مجلس عاملہ کے دو سو نمائندے بحث و مباحثہ ترک کر کے اس خبر پر تنقید و تبصرہ کرنے لگے اگلے روز یہ خبر تمام روسی اخبارات نے جلی سرخیاں دے کر نشر کی اور لینن کے سر بمہر گاڑی میں جرمنی سے گذرنے کو اس کے جرمن جاسوس ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جانے لگا۔ حکومت نے دوسری تدبیر یہ کی کہ محاذ جنگ سے وفادار فوج بلوائی تاکہ انقلابی جوش کو بالجبر دبا دیا جائے۔

معمولی دل و دماغ کے انسان کی کیفیت عجیب ہوتی ہے۔ فہم کی کوتاہی ان کو اپنے وجدانی علم پر یقین کامل نہیں ہونے دیتی اور یہ ایک کلیہ ہے کہ جب تک وجدانی علم کی عقل تصدیق نہ کر دے اس وقت تک دل شکوک کا شکار رہتا ہے۔ یہی وجہ ہوتی ہے کہ جمہور کے زاویہ نگاہ میں ناہموار لہریں آتی رہتی ہیں جو بسا اوقات ان کو ساحل سے دور لیجاتی ہیں۔ روسی عوام کو بولشیوک کے پروگرام کے درست ہونے کا صرف وجدانی طور پر احساس تھا ان کے فہم نے ہنوز اس احساس کی صحت کی تصدیق نہیں کی تھی وہ اپنے دور کے سیاسی و معاشرتی حالات کو غیر فطری اور لائق تبدیل ضرور خیال کرتے تھے لیکن ان کو یہ علم نہ تھا کہ ان حالات کو

کس طرح اور کس قسم کے نئے نظام سے بدلا جائے۔ اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ جمہور
عوام کے ہر تیز و تند جھونکے کے ساتھ اڑ جاتے تھے چنانچہ جب عارضی حکومت نے
شاید مجلس عاملہ کے مشورہ سے نہایت حسنِ تدبیر سے لینن کے جرمن جاسوس ہونے
کا افسانہ نشر کیا انقلابی جمہور اور فوج یکسر متاثر ہو گئے۔ ادھر یہ افواہ عوام میں اپنا زہریلا
اثر پیدا کر رہی تھی کہ ۵۔ جولائی کو محاذ سے وفادار فوج بھی آگئی جس نے آتے ہی بالشویک
کے اسلحہ ضبط کرنے شروع کر دیئے اور بالشویک ملاحوں اور سپاہیوں کے ہتھیار چھین کر
ان کو پیٹر پال کے قلعہ سے نکال دیا نیز بالشویک کا اخبار پراودا بند اور پریس بیکار کر دیا
گیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ حکومت نے بالشویک کے صدر دفتر پر بھی قبضہ کر لیا اور تمام
احرار کو حراست میں لینا شروع کر دیا۔

جس طرح شکست سے تخت تک بہت کم فاصلہ ہوتا ہے اسی طرح فتح کو شکست
میں تبدیل ہوتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ وہی لینن۔ وہی اس کے دل و دماغ۔ وہی اسکے
حسنِ تدبیر اور جوش کردار لیکن کل کا فاتح آج مفتوح تھا۔ اگرچہ انسان حادثات و حالات
میں جکڑا ہوا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان مجبور ہے بلکہ صرف یہ کہ اسکو
حالات و واقعات کی گرہ حسنِ تدبیر، قوتِ عمل اور دلیری سے کھولنی پڑتی ہے۔ ان دنوں
(حکومت نے لینن کے سر پر قیمت لگا دی تھی) دنیا ایک بازار ہے جہاں ہر شے فروخت
ہوتی ہے۔ قیمت دو اور لو۔ آزادی افکار اور آزادی کردار کی بھی قیمت ہوتی ہے۔ اس
متاعِ بے بہا کے حصول کے لئے جان درکار ہے۔ لینن یہ قیمت ادا کرنے کے لئے تیار
تھا لیکن قدرت کی کرشمہ سازیاں عجیب ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی انسان کے
اپنی بلند اہلیتوں کے ثبوت دینے پر قدرت بھی اس کی مدد کرنے لگتی ہے۔ حسنِ
اتفاق کہیے یا قدرت کا طریقہ کار خیال کیجیے ہوا یہ کہ لینن حکومت کے چھاپہ مارنے
سے چند منٹ قبل مکان سے فرار ہو چکا تھا دو چار منٹوں کی تاخیر لینن کی موت بن کر

نمایاں ہوتی اور نہ معلوم انقلابی حالات کس سمت بہہ نکلتے لیکن قدرت کو اس انسان کو عمل پیہم کے صلے میں حیات جاوداں عنایت کرنی تھی اس لئے وہ کیونکر قتل کیا جا سکتا تھا۔ صرف لینن کے ساتھ ہی نہیں بلکہ اکثر دوسرے مشاہیر کو بھی قدرت نے اپنے اعجاز سے بچا لیا ہے۔ کالی کالی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ تیز بارش ہو رہی تھی۔ بجلی بادلوں میں لہریں مار رہی تھی اور اس روشنی میں دو پادری دو شخص بدوغم راستہ دیکھتے چل رہے تھے کہ بجلی گری اور ایک پادری خاکستر ہو گیا لیکن دوسرے کو آنچ تک نہ آئی۔ یہ دوسرا پادری مارٹن لیوتھر تھا۔ رات کی تاریکی میں ایک کارپورل اپنے خیالات میں مستغرق چلا جا رہا تھا خیمہ کے قریب آیا تو سنتری نے تین مرتبہ استفسار کیا اور جواب نہ پا کر گولی مار دی۔ گولی کی آواز سے کارپورل چونکا اور اس نے سنتری کو جواب دیا۔ بعد میں دنیا نے اس کارپورل کو نپولین اعظم کہہ کر پکارا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے قوت عمل کا ثبوت دینے پر قدرت خود مدد کرنے لگتی ہے۔

لینن نے فرار ہو کر ایک مزدور کے مکان میں پناہ لی بعد ازاں کئی ہفتے پیٹروگریڈ کے گردونواح کے جنگلوں میں چھپتا پھرا۔ رات کو بارش سے بچنے کے لئے گھاس کے تودوں میں بسر کرتا۔ آخر کار ایک آگ بجھانے والے کا لباس پہن فنلینڈ کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ جنگ آزادی میں خطروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ قدرت حیات جاوداں کی قیمت چاہتی ہے فانی زندگی سے بے نیاز ہو جائیے تب کہیں جا کر لافانی زندگی ملتی ہے۔ لیکن اس فانی زندگی سے کنارہ کش ہونا کچھ آسان نہیں اس دشواری پر فتح پانا ہی حیات جاوداں کی قیمت ادا کرنا ہوتا ہے۔ لینن کے روس سے فرار ہو جانے پر رجعتی عناصر نے بانگ دہل یہ کہنا شروع کر دیا کہ جرمن کا جاسوس جرمنی کی امداد کشتی میں بیٹھ جرمنی پہنچ گیا اور اگر روس میں ہے تب اس کو چاہیے کہ قانونی عدالت کے سامنے آ جائے تاکہ اس پر باقاعدہ مقدمہ چلایا جائے۔

حکومت کے اس پروپیگنڈے سے عوام اور بھی متاثر ہوئے اور بولشیوک کا خیرانہ زیادہ پریشان ہوگیا۔ ایک مشہور بولشیوک ۹ جولائی کو اپنی یادداشت میں اندراج کرتا ہے "ہمارے تمام چھاپے خانے بند کر دیئے گئے ہیں کوئی پریس ہمارا اخبار شائع کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اگر پریس کا مالک تیار بھی ہو جاتا پریس کے مزدور کام کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس لئے ہم نے ایک زمین دوز پریس جاری کر دیا ہے۔ یہ زمانہ ہمارے لئے اس قدر نازک ہوگیا ہے کہ ہم چھپکر ریڈیو فیکٹری کے چوکیدار کی کوٹھری میں اپنی کمیٹی کا اجلاس کر لیتے ہیں آج کل اس امر پر بحث ہو رہی ہے کہ ہڑتال کرنی چاہئے یا نہیں یہ وہ زمانہ تھا کہ اکثر اداروں سے بولشیوک نکالے جا رہے تھے۔ پارٹی کے بہت سے کمزور دل و دماغ کے ممبر استعفیٰ دیکر دوسری سیاسی پارٹیوں میں شریک ہو گئے تھے یا انھوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ یانوقلیفا جو بولشیوک پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا ممبر تھا اس زمانے کے حالات قلمبند کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے :-

"اکثر مقامات پر بولشیوک مقررین کو جمہور زدوکوب کر رہے تھے ہماری پارٹی کے ممبر اتنی بڑی تعداد میں استعفے دے رہے تھے کہ جنوبی صوبوں میں بولشیوک پارٹی کا نام و نشان بھی نہ رہا تھا"۔ رفعت سے پستی کتنی قریب ہے۔ لیکن خلوص رکھنے والے قلوب کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ نہ وہ رفعت پر پہنچکر مغرور اور نہ پستی میں گر کر نا امید ہو لیتے ہیں ان کا عمل صالح کسی توقع کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ وہ نیک کرداری کو آپ اپنا انعام تصور کرتے ہیں۔ لینن اور اس کے شریک کار اگرچہ گردش ایام کا شکار ہوئے لیکن سعی و جہاد سے باز نہیں آئے اور یہی کامیابی کی پہلی شرط ہوتی ہے کہ انسان ناکامی سے مضمحل نہ ہو۔

رجعت پسند عناصر کی جدوجہد

بولشیوک کی شکست پر رجعت پسند عناصر میں از سرِ نو جان پڑ گئی لیکن تاریخ کی ورق گردانی یہ بتاتی ہے کہ جن عناصر کو زمانہ کی رفتار گردِ راہ سمجھ کر پیچھے چھوڑ آتی ہے انہیں منزلِ مقصود نصیب نہیں ہوتی۔ مریض مرض الموت میں گرفتار ہو اور بیماری کے دوران میں اس کی مدت العمر کی کوئی تمنا پوری ہو جانے سے وقتی طور پر وہ خود اور تیماردار مریض کی حالت رو بصحت محسوس کرنے لگتے ہیں لیکن وہ صحت نہیں ہوتی بلکہ وقتی عافیت ہوتی ہے۔ بالکل یہی حال رجعتی عناصر کا تھا۔ انقلابیوں کو اپنی خامی فہم سے شکست ہوئی رجعت پسند عناصر اس کو اپنی قوت کا نتیجہ سمجھے اور انھوں نے اپنے خام طریقہ پر سیاسی جدوجہد شروع کر دی۔ نا اہل لوگوں کے دولت ہاتھ لگ جائے اس کی تقسیم پر ان میں رد و قدح اور گروہ بندی ہو ہی جاتی ہے۔ چنانچہ بولشیوک کی شکست پر دو سیاسی پارٹیاں حکومت کی دعویدار بن کر ملک کی بساط پر رونما ہو گئیں۔ ان میں سے ایک شہنشاہیت اور دوسری جمہوریت پسند تھی۔ ان دونوں کا زاویہ نگاہ ایک دوسرے سے اسقدر مختلف تھا کہ آپس میں عملی تعاون ناممکن تھا۔ بولشیوک کی طرف سے انقلابی خطرے نے ان کو ایک دوسرے سے بغلگیر ہونے پر مجبور کر دیا لیکن سیاسی اختلاف کی بنا پر وہ ایک

دوسرے سے مکمل طور پر متحد نہ ہو سکیں۔ شہنشاہیت پسند گروہ کا لیڈر روسی فوج کا کمانڈر ان چیف جنرل کورنیلوف اور جمہوری گروہ کا روس کا وزیر اعظم کرنسکی تھا۔ ایک کو کمانڈر ان چیف ہونے پر گھمنڈ تھا دوسرے کو وزیر اعظم ہونے پر ناز تھا فرانس کا مشہور نامہ نگار کلاڈ و آنیٹ وزیر اعظم کی بابت لکھتا ہے "کرنسکی کا وقار کم ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنے تئیں زار خیال کرنے لگا تھا۔ اکثر زار کے محلوں میں رہتا اور اس کے بستر پر سوتا۔ اس قسم کا تکبر روس جیسے سادہ ملک میں جمہور کو اپنے لیڈر سے بدظن کر دینے کے لئے کافی تھا۔"

کورنیلوف کی خصوصیات بیان کرتا ہوا جنرل مارنیف لکھتا ہے "اگرچہ معمولی دماغ کا انسان تھا لیکن خود اعتمادی از حد تھی۔ کام کرنے کا شوقین تھا۔ لالچی نہیں بلکہ بہادر تھا۔ البتہ وسعت نظر اور تنظیمی قابلیت نہ تھی۔ اور چونکہ مزاج میں جلد بازی تھی اس لئے کوئی کام نقشہ کے مطابق نہیں کر سکتا تھا جنگ عظیم میں نمبر ۴۸ ڈویژن تمام کا تمام اس کی حماقت سے تباہ ہو گیا چونکہ وہ پسپا ہوتی ہوئی فوج میں تنظیم قائم نہ رکھ سکا۔ وہ وقت پر فوری فیصلہ نہیں کر سکتا تھا اور عمل کا وقت غور و فکر میں گزار دیتا تھا" جب دو لیڈروں کی ایسی نفسیاتی کیفیات ہوں ان حالات میں قدرت کا فیصلہ ظاہر تھا۔ ایسے انسانوں کو قدرت بتدریج فنا کیا کرتی ہے۔ باطنی اہلیتیں نہ ہونے کی شکل میں سرفرازی نصیب نہیں ہوا کرتی۔ ادھران دونو لیڈروں کی آپس کی چشمک نے جمہور کو ان دونوں سے بیزار کیا ادھر محاذ سے شکستوں کی خبروں نے ان کے وقار کو خاک میں ملایا اور جس نسبت سے ان دونوں کا وقار کم ہوتا گیا اسی نسبت سے جمہور کا بالشیوک پارٹی پر اعتماد اور یقین بڑھتا گیا۔

سیاسی دنیا میں سرپرآوردہ پارٹی کا یہ ایک آزمودہ ہتھیار رہے کہ جب حالات مخالف ہوں اس وقت اندرونی طور پر ہنگامہ آرائی کر دینی چاہیے چنانچہ اس کلیہ

کے ماتحت محاذ پر شکستوں کی خبروں کے اثرات کو زائل کرنے اور اپنے گرتے ہوئے اثر کو سہارا دینے کے لئے ایک کانفرنس منعقد کی گئی۔ مدعا یہ تھا کہ اس کانفرنس کے (مختلف الخیال نمائندوں کو ایک دوسرے سے برسر پیکار کرکے اپنے اثر کو قائم کیا جائے چنانچہ صدر وزیر نے اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کانفرنس میں بر جوازی طبقہ کو زیادہ نمائندگی دی۔ اس بے انصافی پر بولشیوک پارٹی نے صدائے احتجاج بلند کی اور کانفرنس کی شرکت کے کارڈ واپس کر دیئے۔ مزدور طبقہ عام طور پر اس غیر منصفانہ نمائندگی کے خلاف تھا۔ چنانچہ ماسکو میں مزدور طبقہ نے ہڑتال کر دی جس میں چار لاکھ جمہور نے حصہ لیا۔ باوجود مزدور طبقہ کے احتجاج کے کانفرنس ہوئی اور کیوں نہ ہوتی اس کانفرنس میں کرنسکی اور کورنیلوف اپنی اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے والے تھے۔ دو سیاسی جواری جمع ہو جائیں اور تخت و تاج کی بازی لگی ہوئی ہو ایسے موقع پر دونوں کیا کچھ کرنے پر آمادہ نہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ دونوں لیڈر ہر ممکن طریقہ پر عوام کو مرعوب کرنے اور اپنا وقار قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دونوں لیڈر امیرانہ پوشاک میں ملبوس۔ خوش وضع لباسوں میں خدم و حشم کے پہرے کے پورے آداب و نیاز جھکاتے ہوئے ہمرکاب۔ چاروں سمت مسلح فوج کی قطاریں۔ موٹروں کے ایک جلوس میں اپنے چہروں پر ایک سیاسی تبسم لئے ہوئے مختلف اوقات میں اس کانفرنس کے اجلاس میں داخل ہوئے۔ نظر حقیقت بین نہ ہونے سے انسان حالات و واقعات کے علل و اسباب کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور کسی امر کی علت کا علم نہ ہونے پر اس کے برے اثرات کی پیش بینی نہیں کر سکتا۔ دوامی قدور ظلم و نا انصافی کو ہموار کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ تاریخی تقاضے لازوال قدور کے دوش بدوش چل رہے تھے۔ زمانہ کروٹ لینے والا تھا۔ انسانیت تیرہ سو سال بعد پھر اپنے مقام کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی لیکن یہ دونوں عقل سے محروم لیڈر اپنے کروفر سے جمہور کو مرعوب کر سکے

فطری رجحانات کا رُخ بدلنا چاہتے تھے۔ اگر قلم تراش سے ہمالیہ میں شگاف پڑ جایا کرتے تو رجعت پسند لیڈروں کا شور و شغب بھی حق کی آواز دبا دیتا۔ شکست ہو جانے کے باوجود بولشیوک ہمہ تن سعی کرتے رہے۔ قدرت کا قانون ہے کہ وہ کسی کی کوشش رائیگاں نہیں کرتی۔ چنانچہ بولشیوک کی تبلیغ کا یہ نتیجہ ہوا کہ انقلابی از سر نو طاقتور ہو گئے (بولشیوک کا اثر بڑھتا دیکھکر عارضی حکومت نے بالشیوک کے مرکزی مقام ریگا کو جرمنی کے ہاتھوں فنا کرانے کی ٹھان لی) اس شہر کو جرمن حملہ سے خطرہ پیدا ہونے پر حکومت نے نہ صرف مدافعت کا انتظام نہیں کیا بلکہ مسرور ہوئی کہ اب بولشیوک تباہ ہو جائینگے۔ مریکہ کا مشہور جرنلسٹ جون ریڈ جو اس زمانہ میں روس میں مقیم تھا اپنی یادداشت میں لکھتا ہے "روس کا امیر طبقہ انقلابی حکومت کی نسبت جرمن حکومت کو بدرجہا بہتر خیال کرتا تھا۔ اور اس کو قبول کرنے کیلئے تیار تھا۔ ایک روز میں ماسکو کے ملک التجار کے یہاں چائے پر مدعو تھا میز پر گیارہ مہمان تھے دورانِ گفتگو میں یہ استفسار ہوا کہ حاضرین بولشیوک کی حکومت منظور کریں گے یا قیصر کی۔ اس پر دس نے قیصر کی رائے دی۔ شمالی محاذ پر فوجی افسروں سے گفتگو کرنے سے یہ انکشاف ہوا کہ وہ سپاہیوں کی کمیٹیوں کے ساتھ تعاون کرنے سے اس کو زیادہ بہتر خیال کرتے ہیں کہ شکست ہو جائے۔"

میلیکوف اپنی مشہور تصنیف "تاریخ روس" میں تحریر کرتا ہے۔ "کورنیلوف نے مجھ سے یہ ذکر کیا کہ ریگا پر جرمن قبضہ ہو جانے دو اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ جمہوریں عارضی حکومت کا وقار ختم ہو جائے گا اس وقت میں خاص فوج لے کر ماسکو پر حملہ کر دوں گا۔ اور اپنی آمریت قائم کر لونگا۔ اس نے اپنی ڈکٹیٹر شپ کے اعلان کے لئے ۲۷ اگست مقرر کر رکھی تھی۔" جب شکست خوردہ روسی فوج ریگا سے فرار ہو رہی تھی اس وقت سیاسی ضرورت کو مدنظر رکھکر کرنیکوف نے اپنے ایک محرم راز جنرل کو یہ پیغام بھیجا "عام

کی نظروں کے سامنے میدان جنگ سے فرار ہونے کے جرم میں چند فرار شدہ فوجیوں کے گولی ماردو تاکہ جمہور کو یہ گمان نہ گذرے کہ ریگا کی شکست ہماری تدابیر کا نتیجہ ہے۔" ریگا کی شکست شہنشاہیت پسند عناصر کی خفیہ تدابیر کا نتیجہ تھی اس شکست سے عارضی حکومت کا وقار بہت کم ہو گیا تھا جس نسبت سے کرنسکی کا وقار گرا اسی نسبت سے کورنیلوف کا بڑھا یہاں تک کہ بیرونی ممالک کی نظریں بھی کورنیلوف پر پڑنے لگیں۔ اس زمانہ میں نہ صرف انگلستان کا سفیر کورنیلوف کی ہمت افزائی کر رہا تھا بلکہ عارضی حکومت کے سفیر مقیم پیرس نے لکھا ہے "فرانس کا وزیر خارجہ دریافت کرتا تھا کہ کرنسکی کی کابینہ میں کون باہمت اور باعمل ہے نیز پریذیڈنٹ پنکارے نے کورنیلوف کی بابت مجھ سے بہت سے سوالات کئے" بیرونی سرمایہ دار ممالک کورنیلوف میں دلچسپی لینے لگے اس پر کرنسکی اپنی شخصیت و وقار کو برقرار رکھنے کی تدابیر میں سرگرم ہو گیا۔

دشمن ملک میں بڑھتا چلا آ رہا تھا اور اس ملک کے وزیر اعظم اور کمانڈر انچیف اپنے ذاتی مفاد کی خاطر آپس میں برسر پیکار تھے۔ کرنسکی کو کورنیلوف سے خطرہ پیدا ہونے پر اس نے فوج کے کچھ حصے کو اپنے زیر اثر لانا چاہا اور اس بہانے سے کہ پیٹرو گریڈ میں بولشیوک کو کچلنے کے لئے فوج درکار ہے کمانڈر انچیف سے فوج طلب کی۔ کورنیلوف اس مطالبہ کا پوشیدہ مقصد سمجھ گیا اور اس نے کرنسکی کو حسب ذیل پیغام روانہ کیا "دارالسلطنت میں چونکہ حالات مخدوش ہوتے جا رہے ہیں اسلئے کابینہ کے تمام وزرا کو میرے پاس آ جانا چاہیئے یہ مقام محفوظ ہے۔" لومڑی کے لومڑی کو بھگانے سے دونو اپنے مقصد میں ناکام رہنگے کورنیلوف کے دعوت نامہ کا مطلب کرنسکی سمجھ گیا اس نے یہ عملی جواب دیا کہ کابینہ کو برخاست کر کے اپنی شخصی آمریت قائم کر دی نیز اپنی سیاست کی اس طور پر طرح ڈالی کہ بولشیوک سے اشتراک عمل کر کے کورنیلوف پر شدید ضرب لگائی

چاہیے۔ چنانچہ ادھر کرنسکی نے بولشیوک سے سلسلہ جنبانی شروع کی اور ادھر کورنیلوف سے یہ مطالبہ کیا کہ اپنا عہدہ چیف آف اسٹاف کو سپرد کر کے فوراً ہیڈ کوارٹر حاضر ہو۔ کورنیلوف اس حکم کا ایک ہی جواب دے سکتا تھا اور اس نے وہی جواب دیا یعنی علم بغاوت بلند کر دیا اور یہ اعلان کیا "میں جنرل کورنیلوف اعلان کرتا ہوں کہ عارضی حکومت بولشیوک پارٹی اور سوویٹ کے آخر میں آکر جرمنی کے فوجی محکمہ کے حکم کے مطابق عمل پیرا ہے۔ اس نازک وقت میں جبکہ جرمن افواج ریگا پر قبضہ کر چکی ہیں محاذ کو مزید مستحکم کرنا ازبس ضروری ہے۔ عارضی حکومت ہیڈ کوارٹر کے لئے فوج چاہتی ہے میں غدار عارضی حکومت کے ہاتھ میں فوج کی قسمت نہیں دے سکتا۔" کورنیلوف نے نہ صرف یہ اعلان کیا بلکہ فوج کو ہیڈ کوارٹر کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ اس وقت کرنسکی کی بہت کس مپرسی کی حالت تھی۔ بے یار و مددگار۔ بلا فوج و اسلحہ اس کو اپنے مدمقابل کورنیلوف کو روکنا محال معلوم ہوتا تھا۔ کورنیلوف کی فوج کوچ در کوچ دارالسلطنت کی طرف بڑھتی چلی آرہی تھی۔ برجوازی طبقہ اس شہنشاہیت پسند جنرل کی فتح و کامرانی پر مسرور تھا۔ برجوازی اخبارات کمانڈر انچیف کے اس اقدام کی لمحہ لمحہ کی خبریں گہری سرخیوں سے شائع کر رہے تھے۔ اسٹاک ایکسچینج پر بھی اجناس کے دام زیادہ ہو گئے تھے۔ ان حالات میں کرنسکی اپنے عہدے سے استعفیٰ دینے ہی والا تھا کہ کسی نے اس کے کمرے پر دستک دی۔ دروازہ کھولنے پر یہ علم ہوا کہ سوویٹ کی جنگی کمیٹی کے نمائندے یہ پیغام لائے ہیں کہ اگر کرنسکی از سر نو جمہوریت کا اعلان کر دے اور اسٹیٹ ڈوما کو برخاست کر دے نیز اراضی کے متعلق مراعات دیدے اس شکل میں سوویٹ کورنیلوف کے خلاف کرنسکی کی مدد کرنے پر آمادہ ہیں۔ جہاندیدہ کرنسکی اس وفد کا پوشیدہ مقصد سمجھ گیا۔ سوویٹ کرنسکی کو کورنیلوف پر ترجیح دیتے تھے دوسرے اب ان کو کرنسکی کی جانب ہو کر کورنیلوف کو تباہ کرنے کا زرین موقع مل گیا تھا۔ اگرچہ کرنسکی نے سوویٹ کے

مطالبات ماننے سے انکار کر دیا تاہم اس زرین موقع سے فائدہ اٹھانے کی خاطر
سوویٹ کرنسکی سے تعاون کرنے لگے۔ اس تعاون کا یہ اچھا نتیجہ نکلا کہ کرنسکی نے
اپنے مفاد کی خاطر سوویٹ کو مزدوروں کو مسلح کرنے کی اجازت دیدی۔ لیل و نہار
کی گردش بھی عجیب ہے۔ دشمنوں کے ہاتھ سے دوستی کراتی ہے۔ حالات و واقعات
نے کرنسکی کے ہاتھ سے اس کے گورکنوں کو مسلح کرا دیا قدرت کا طریقہ کار کچھ ایسا
ہے کہ جب وہ کسی کام کو کرانا چاہتی ہے جبراً کرا دیتی ہے ایسے حالات کو مشیت ایزدی
اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان سے مفر نہیں ہوتا۔ کرنسکی اگر مزدوروں کو مسلح ہونے کی اجازت
نہ دیتا تب کورنیلوف کے پنجۂ خونی کا شکار بنتا۔ مزدوروں کو مسلح ہونے کی اجازت
دیدی اور اپنے خلاف ایک انقلابی طاقت کھڑی کر لی۔ اگست کی آخری تاریخوں
میں چالیس ہزار مزدور مسلح ہو گئے اور انھوں نے کورنیلوف کی بڑھتی ہوئی فوج کے
مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ۳۰ اگست کو جب کورنیلوف کی افواج نے
پیٹرو گریڈ کے نواح پر حملہ کیا اس وقت یہ مسلح مزدور سراپا دلیری و استقلال بن گئے
اور اس خون خواری سے برد آزما ہوئے کہ دشمن کو فرار ہوتے ہی بن پڑی شکست
فاش ہونے پر کورنیلوف نے ہتھیار ڈال دئے ۳۱ اگست کو کورنیلوف کے صدر
دفتر سے کرنسکی کے نام حسب ذیل مضمون کا تار موصول ہوا "کورنیلوف موجودہ ملکی
حالات پر نظر رکھتے ہوئے فوج کی کمانڈ سے دست بردار ہونے کے لئے تیار ہے
بشرطیکہ ایک مضبوط مرکزی حکومت وجود میں آجائے۔ اور جو فوجی افسر اس کی معیت
میں لڑے ہیں ان کو گرفتار نہ کیا جائے" اس اطلاع پر کرنسکی کی مسرت کی کوئی انتہا
نہ رہی۔ انسانی فطرت کچھ ایسی ہے کہ حریف مقابل کے زیر ہونے پر چہرے پہ تبسم
اور آنکھوں میں روشنی آ ہی جاتی ہے۔ لیکن چند روز بعد ہی کرنسکی کی مسرت بالشویک
کے انقلابی اقدام سے منغض ہونی شروع ہو گئی۔ کرنسکی کی اپنی سیاسی ضرورت نے

اس کے اپنے ہاتھ سے مزدوروں کو مسلح اور میدان جنگ کا تجربہ کرادیا جب وہ میدان
جنگ کی آگ سے فولاد اور خود اعتمادی کا مجسم پیکر بن کر واپس آئے انھوں نے کرنسکی
کی بساطِ سیاست الٹنے کی کوشش شروع کردی انقلابیوں سے خطرہ پیدا ہونے پر
صدر وزیر نے دوسری چال چلی۔ اس نے کورنیلوف سے ہم آہنگ اور متحد ہو کر
بولشیوک کو اپنی جاہ وہوس کا شکار بنانا چاہا اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے کرنسکی
نے کورنیلوف کو از سرِ نو روسی فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کردیا۔ فنا ہوتی ہوئی حکومت
کی سیاسی ضرورتیں بھی اصحاب حل وعقد کو عجیب عجیب مضحکہ خیز اقدام پر آمادہ کردیتی
ہیں کل کا باغی آج کمانڈر انچیف مقرر کیا جارہا تھا۔ لیکن کرنسکی کی سعی کے باوجود جمہور
کے سیاسی دباؤ نے کورنیلوف کا تقرر کمانڈر ان چیف کے عہدہ پر نہ ہونے دیا اور
عارضی حکومت کورنیلوف اور اس کے شریکِ کار کو حراست میں لینے پر مجبور ہوگئی۔
مگر یہ حراست بھی غیر حقیقی تھی ان نظربندوں کے بیرونی دنیا سے تعلقات بدستور قائم
تھے اور پرجوازی طبقے نے کورنیلوف کی خدمت میں چار لاکھ روبل ہدیہ عقیدت کے
طور پر پیش کردئے تھے اس رقم کو انھوں نے بصد شکریہ قبول کرلیا تھا۔ اگرچہ کرنسکی
نے جمہور کے دباؤ سے کورنیلوف کو نظربند کردیا تھا لیکن اپنے بنیادی تخیل یعنی غیر
بولشیوک عناصر کو ایک لڑی میں پرونے اور ان کی مدد سے بولشیوک پر ضرب لگانے
کا خیال ترک نہیں کیا تھا۔ اس تخیل کے ماتحت کرنسکی نے اب رجعت پسند پارٹیوں
کے پانچ ممبروں کی ایک ڈائرکٹری بنالی جس کا وہ خود صدر بن گیا۔ اس ڈائرکٹری
نے اپنی سیاست کے مطابق شہنشاہیت پسند نظربندوں کو رہا کردیا لیکن کورنیلوف
کے ساتھیوں کو جو بغاوت کے الزام میں نظربند تھے رہا کرنے پر کرنسکی کے لئے اکابر
بولشیوک کو قید میں رکھنے کا کوئی معقول عذر نہ رہا۔ چنانچہ حکومت کو بولشیوک کو بھی رہا
کرنا پڑا البتہ ان کے ساتھ یہ تخصیص کردی کہ ان کو ضمانت پر آزادی دی۔ اس طرح

۱۴ ستمبر کو تین ہزار روبل کی ضمانت پر ٹروٹسکی کو آزادی دے دی گئی۔ بولشیوک کے آزاد ہوتے ہی سیاسی جدوجہد شروع کر دی کرنسکی نے اس کا یہ سدِّباب کیا کہ بولشیوک کی مخالف پارٹیوں کو ایک لڑی میں پرونے کے لئے ایک جمہوری کانفرنس کا انعقاد کیا ۱۴ ستمبر کو اجلاس شروع ہوا۔ اس کانفرنس میں ۱۷۷۵ نمائندوں نے حصہ لیا اور طویل ردوقدح کے بعد یہ تجویز منظور ہوئی کہ سب پارٹیوں سے ۱۵۰ نمائندے نامزد کر کے ایک جمہوری ادارہ بنایا جائے گا جس کا نام پری پارلیمنٹ ہو گا اور جب تک مجلس دستور ساز وجود میں نہ آئے اس وقت تک یہ پری پارلیمنٹ ملک کے لئے عارضی طور پر ضروری آئین و قوانین بناتی رہے اس معقول تجویز کو کون نہ مانتا۔ لیکن موجودہ دور کی سیاست کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ اعلانات و تجاویز جتنی حسین و معنی خیز معلوم ہوتی ہیں ان پر عمل اس درجہ غیر منصفانہ اور مکروہ طریقہ پر کیا جاتا ہے کہ اس تجویز کی حسن و خوبی قطعی طور پر زائل ہو جاتی ہے۔ چالاک سیاسی مدبّروں کا یہ مسلک ہوتا ہے کہ وہ اس قسم کی تجاویز پیش کر لیتے ہیں جو کاغذ پر بہت مفید نظر آتی ہیں لیکن جب ان کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے اس وقت عملی طور پر اس میں ایسی ردوبدل کر دی جاتی ہے کہ تجویز کی روح فنا اور شکل مسخ ہو جاتی ہے کرنسکی نے ایک چالاک مدبر کی طرح پری پارلیمنٹ کی تشکیل اس طرح کی کہ اس میں ۱۲۰ امیر طبقہ کے اور ۲۰ کوسک نمائندے نامزد کر دیئے۔ ان انقلاب دشمن نمائندوں کی نامزدگی اس امر کی دلیل تھی کہ پارلیمنٹ میں امیر طبقہ اور کرنسکی کی ہر تجویز منظور ہو گی۔ چنانچہ لینن نے بولشیوک کو اس پارلیمنٹ میں شرکت کرنے سے منع کیا لیکن لینن کی رائے نہ مانی گئی اور بالشیوک بھی اس برجوازی پارلیمنٹ میں شریک ہو گئے۔ یہ شرکت عارضی ہی ثابت ہوئی کیونکہ کچھ عرصہ بعد ہی بولشیوک نے اس ادارے سے علیحدگی اختیار کر لی۔

بولشیوک کی جدوجہد

قانون الٰہی کچھ ایسا ہے کہ جب کوئی قوم طبقہ یا فرد صدق دل سے بنی نوع انسان کی خدمت کو اپنا مسلک بنا لیتا ہے تائیدِ الٰہی بھی اس کی ممد و مددگار ہو جاتی ہے۔ یہ غیبی امداد کس کس طرح ہوتی ہے اس کی بابت کوئی کلیہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ تاریخی مشاہدہ کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی مدد ایسے حالات و واقعات کرتے ہیں جن کے واقع ہونے کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا غیر متوقع مفید حالات و ماحول کا پیدا ہو جانا ہی تائید الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بالشیوک کے تن من دھن بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے نذر کر دینے پر بارگاہ الٰہی میں ان کی نذر قبول ہو گئی۔ روسی جمہور بولشیوک کو شمع حریت پر پروانہ وار قربان ہوتے دیکھ کر ان مجاہدوں کے سوز دروں کا یقین کرنے لگے۔ کسی کو کسی کے خلوصِ نیت اور ذوقِ حریت کا یقین آ جائے تو اس کے ساتھ تعاون کرنے کو بے ساختہ دل چاہتا ہے۔ چنانچہ جمہور عارضی حکومت اور مجلسِ عاملہ کے غلط پروپگنڈے سے بیزار ہو کر بولشیوک کے ساتھ تعاون کرنے لگے۔

تبلیغ انقلاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے اس اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کسانوں کے سوویٹ نے ۱۲۹۵ مبلغین دیہات کو روانہ کر دیئے جو وہاں پہنچ کر انقلاب برپا

کرنے کے لئے فوری جدوجہد کرنے لگے۔ لیکن سب سے زیادہ تبلیغی کام ان سپاہیوں نے کیا جو محاذ جنگ سے وطن واپس آئے ان کاشتکار سپاہیوں نے دیہات میں پہنچ کر ایک ایسی سیاسی بیداری پیدا کر دی جس کا بولشیوک کو وہم و گمان بھی نہ تھا اس کو اگر تائید الٰہی نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔ مسلح سپاہی جن کو میدان جنگ کی ہولناکیوں نے ہر خوف و ہراس سے بے نیاز کر دیا تھا حکومت سے برگشتہ خاطر ہو کر انقلابی جماعت کے ساتھ تعاون کرنے لگے تھے جس کا نتیجہ یہ ہو رہا تھا کہ دیہات میں غریب طبقہ امیر زمینداروں کی اراضی پر بلا کسی خوف و تردد کے فیصلہ کر رہا تھا۔ کسی زراعتی ملک میں کسان اور فوج مل کر تنظیم کو درہم برہم کرنا چاہیں وہ بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ دیہات میں طوائف الملوکی پھیلنے لگی اور لینن کا نام عزت و احترام کے ساتھ لیا جانے لگا۔ ستمبر اور اکتوبر میں سب فصلیں کٹ چکنے پر کسان کو فرصت ہی فرصت ہو گئی۔ اور قتل و خون مار پیٹ امیروں کے گھروں کو تاخت و تاراج کرنا دیہات کے باشندوں کا مستقل مشغلہ بن گیا۔

(ملک کی حالت خستہ تر ہو جانے پر حکومت نے حالات پر غور و فکر اور اصلاحی تدابیر سوچنے کے لئے پری پارلیمنٹ کا اجلاس بلایا۔ بولشیوک بھی اس ادارہ کے ممبر تھے۔ چونکہ پارلیمنٹ میں بورژوازی ممبروں کی اکثریت تھی اسلئے بالشیوک نے پہلے اجلاس میں اپنے مقاصد کے اظہار کرنے کے بعد پارلیمنٹ سے عدم تعاون کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ٹروٹسکی نے بحیثیت بولشیوک پارٹی کے قائد ہونے کے دوران تقریر میں کہا "اس پارلیمنٹ میں سرمایہ دار طبقہ کے نمائندے اس طبقے کی مجموعی تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ ہیں جس کا ان کو حق نہیں۔ ہم کو اس امر کی بھی شکایت ہے کہ چونکہ پیٹروگریڈ انقلابی جماعت کا مرکز بن گیا ہے اس لئے حکومت دیدہ و دانستہ پیٹروگریڈ پر جرمن قبضہ کرانے کے درپے ہے ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ اس حکومت کے ہاتھ

سے یہ انقلاب خطرے میں ہے۔ اس رجعت پسند اور غدار حکومت سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ ہم مزدوروں، سپاہیوں، کسانوں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے ہوشیار رہیں جب تک تمام طاقت سوویٹ کے ہاتھ میں نہ آجائے گی انقلاب خطرے ہی میں رہے گا۔ اگر عارضی حکومت پیٹروگریڈ کی حفاظت نہیں کر سکتی اس کو صلح کر لینی چاہیئے یا دوسری سیاسی پارٹیوں کے لئے جگہ خالی کر دینی چاہیئے" اس اعلان کے بعد بالشیوک اجلاس سے اُٹھ کر چلے گئے اور عوام میں انقلابی تبلیغ اور زیادہ تیزی سے کرنی شروع کر دی۔

اس تبلیغ کا یہ نتیجہ ہوا کہ عوام عارضی حکومت سے اور زیادہ بیزار ہو گئے اور انھوں نے بہت بڑی تعداد میں بالشیوک کو میونسپلٹیوں کا ممبر منتخب کر دیا۔ بالشیوک نے میونسپلٹیوں کے ممبر ہو کر یہ فائدہ اُٹھایا کہ ان کو ختم کر دیا اور ان کے تمام فرائض کی انجام دہی سوویٹ کے سپرد کر دی۔ ان سوویٹ کا یہ مطالبہ تھا کہ پیٹروگریڈ کی حفاظت کا مسئلہ مجلس عاملہ کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیئے۔ سوویٹ کے مطالبہ پر مجلس عاملہ کو بھی پیٹروگریڈ کے لئے ایک تحفظی کمیٹی اور سرخ فوج بنانے کا اعلان کرنا پڑا۔ خود مجلس عاملہ نے سرخ فوج کی علیحدہ تنظیم کا اعلان کر کے بولشیوک کو مزدور طبقہ کے مسلح کرنے کا موقع دیدیا۔ جس موقع کی مدت سے تلاش تھی اس کے غیر متوقع طور پر ظہور میں آجانے سے بولشیوک بہت خوش تھے۔

ٹروٹسکی کا بیان ہے "اس زمانہ میں پرولتاری طبقہ کا ایک وفد ہتھیاروں کے انتظام کے لئے میرے پاس آیا۔ میں نے جواب دیا "ہتھیار بنانے کے کارخانے ہمارے قبضہ میں نہیں ہیں میں کیسے انتظام کر سکتا ہوں" اس پر وفد نے جواب دیا "ہتھیار تیار کرنے کی فیکٹری والے یہ کہتے ہیں کہ اگر سوویٹ کے صدر سے تم ہمارے نام حکم تحریر کرالاؤ ہم تمہیں ہتھیار دیدینگے یہ سُن کر میں نے فیکٹری کے نام وفد کو

پانچ ہزار رائفل دینے کا حکم تحریر کر دیا اور ان کو رائفلیں وصول ہو گئیں" بورجوازی اخبارات کو جب اس واقعہ کا علم ہوا انھوں نے شدید صدائے احتجاج بلند کی اور اس امر پر تعجب ظاہر کیا کہ ایک غیر متعلق سزا یافتہ جو چند روز ہوئے ضمانت پر آزاد ہوا تھا اس کے حکم پر حکومت کے ہتھیار بنانے والی فیکٹریوں نے کیسے ہتھیار دیئے لیکن باوجود بورجوازی طبقہ کے شور و شغب کے عارضی حکومت نے نہ ٹروٹسکی اور نہ اسلحہ کی فیکٹری سے کسی قسم کا استفسار کیا۔ البتہ مجلس عاملہ نے یہ حکم جاری کیا کہ بلا اس ادارے کے تحریری حکم کے ہتھیار نہ دیئے جائیں۔

ادھر ٹروٹسکی مزدوروں کو مسلح کرنے میں لگا ہوا تھا ادھر لینن فنلینڈ کی کمین گاہ سے اپنے عمیق افکار خطوط کے ذریعہ سے بولشیوک پارٹی کی مرکزی کمیٹی کی رہنمائی کیلئے روانہ کر رہا تھا یہ خطوط انقلابی فکر و عمل کا مرقع اور ہر دور کی انقلابی تحریک کے لئے مشعل راہ ہیں لینن ایک خط میں لکھتا ہے "مینشیوک اور سوشل انقلابیوں کی تلوّن مزاجی سے جمہور از حد بیزار ہیں پیٹروگریڈ اور ماسکو کے سوویٹ میں ہماری اکثریت ہو جانے سے کسان ہماری بڑھتی ہوئی طاقت دیکھکر بہت بڑی تعداد میں تعاون کرنے لگیں گے۔ ان دونوں مرکزی مقامات کے سوویٹیوں میں بولشیوک کی اکثریت ہو جانے پر ان کو حکومت پر فوراً قبضہ کر لینا چاہیئے" دوسرے خط میں پرولتاری کی اہلیتوں پر تبصرہ کرتا ہوا لکھتا ہے "انقلابی پرولتاریوں میں قوت عمل بہت ہوتی ہے ان کی سیاسی قوت کا اندازہ اس امر سے نہ لگانا چاہیئے کہ وہ جمہوری اداروں میں دلچسپی نہیں لیتے دراصل واقعہ یہ ہے کہ چونکہ عوام کے عمل کرنے کا طریقہ دوسرا ہوتا ہے اسلئے وہ جمہوری اداروں کی قید و بند میں رہ کر اپنی قوت عمل کا مظاہرہ نہیں کر سکتے ان کی قوت عمل کے مظاہرہ کے لئے دوسری نوعیت کے اداروں کی ضرورت ہے جب اس نوعیت کے ادارے وجود میں آجائیں گے اس وقت پرولتاری کی عملی قوت کھولتے ہوئے

پانی کی طرح ابلنے لگیں گی جمہور کی قوت عملی سیاسی انتخابات کے وقت ظاہر نہیں ہوتی بلکہ میدان عمل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اگر کسان بغاوت کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے ہیں یہ اتنا عظیم الشان واقعہ ہے کہ اگرچہ حالات بغاوت کے خلاف بھی ہیں انکی کوئی اہمیت نہیں رہتی کہ کسان کا مسئلہ ملک کا بنیادی مسئلہ ہے اگر عارضی حکومت کو کسان پر فتح ہو گئی سمجھ لو کہ انقلاب بھی خواب وخیال ہو گیا۔ کسان کے علم بغاوت بلند کرتے ہی ہم کو بغاوت کر دینی چاہیئے۔ ایسا زرین موقع دوبارہ نہیں آسکتا عمل کا لمحہ آگیا ہے تمام دنیا کے پرولتاریوں کا مستقبل ہمارے ہاتھ میں ہے۔ لوہا سرخ ہے۔ زبردست ضرب لگاؤ" ایک اور خط میں انقلاب کے بین الاقوامی پہلو پر روشنی ڈالتا ہوا تحریر کرتا ہے۔" بولشیوک پارٹی انقلاب عالم کے دروازے پر کھڑی ہوئی ہے اس کو اب دروازے میں داخل ہو جانا چاہیئے۔ تمام دنیا اس کی تقلید کرے گی" اکتوبر کے مہینے میں بغاوت کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کرتا ہوا تحریر کرتا ہے" بغاوت کے آغاز کے لئے کوئی خاص روز مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ وقت کا تعین وہی لوگ بخوبی کر سکتے ہیں جو جمہور اور سپاہیوں کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔ انہیں یہ چاہیئے کہ تعداد کی طرف نہ دیکھیں بلکہ وفادار اور الوالعزم لوگوں کو فیکٹریوں اور سپاہیوں کی بارگو میں تبلیغ کے لئے روانہ کر دیں۔ بغاوت شروع ہوتے ہی بولشیوک تنظیم کو یہ چاہیئے کہ وہ وفادار رجمنٹوں کو مورچوں پر روانہ کر دیں۔ پیٹریال کے قلعہ پر قبضہ کر لیں۔ عارضی حکومت اور فوجی حکام کو گرفتار کر لیں۔ وقت آنے پر ہمیں انقلابی فوج عارضی حکومت کی فوج کے مقابلہ پر روانہ کر دینی چاہیئے۔ اور اس امر کی ازحد کوشش کرنی چاہیئے کہ حکومت کی فوج شہر میں داخل نہ ہونے پائے۔ ہمیں تار اور ٹیلیفونوں کے مرکزوں پر قبضہ کر لینا چاہیئے" عملی اقدام کی یہ تشریح جب بولشیوک مرکزی کمیٹی کے سامنے آئی سب نے دانتوں میں انگلیاں دے لیں چونکہ کسی نے بغاوت

کے مسئلہ کو اس تفصیل سے نہیں سوچا تھا۔ اکابر بولشیوک پر قدرے ہراس طاری ہو جانا یقینی تھا۔ بوخارن کا بیان ہے: "اس خط کے پڑھنے پر ہم سب پر ہراس طاری ہو گیا۔ اور ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ اس خط کو نذر آتش کر دیا جائے چنانچہ اس کو خاکستر کر دیا گیا"
لینن کو اپنی کمین گاہ میں اس واقعہ کا علم ہونے پر مرکزی کمیٹی سے بہت مایوسی ہوئی اور وہ اپنے ایک دیرینہ رفیق کارسملگا (جس کا فنلینڈ کی فوج پر بہت اثر تھا) سے مل کر روس پر حملہ آور ہونے کی سازش کرنے لگا۔ اس زمانہ میں لینن نے سملگا کو ایک طویل خط روانہ کیا جس میں تحریر تھا "ہم لوگ بجز تجاویز منظور کر لینے کے کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ اور قیمتی وقت ضائع ہو رہا ہے۔ بولشیوک بغاوت کرنے کے لئے کوئی تنظیم نہیں کر رہے ہیں۔ ہمیں بولشیوک پارٹی میں اس امر کی تلقین کرنی چاہیئے کہ بغاوت کے مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں۔ تم انقلابی فوج کے چند لوگوں کی خفیہ کمیٹی بناؤ اور یہ معلوم کرو کہ پیٹروگریڈ اور اس کے آس پاس حکومت کی کتنی فوج پڑی ہے۔ اگر فنلینڈ کی فوج لے کر حملہ کیا جائے تو رسل و رسائل کا انتظام کس طرح کیا جائے اور بحری بیڑے کو کس طرح نقل و حرکت میں لایا جائے وغیرہ"۔
یہاں بھی کامیابی نہ ہوتی دیکھ کر لینن نے بولشیوک کی مرکزی کمیٹی کے چیدہ چیدہ لوگوں کو اپنی کمین گاہ میں بلا کر ان پر اپنا زاویۂ نگاہ ظاہر کیا ان کے متاثر نہ ہونے پر ایک مضمون "مواد پک چکا ہے" کے نام سے شائع کیا اس میں تحریر کرتا ہے۔
"ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ بولشیوک پارٹی کے زیادہ تعلیم یافتہ افراد اس وقت بغاوت کرنے اور عارضی حکومت پر قبضہ کر لینے کے خلاف ہیں۔ ہماری پارٹی کے بیشتر احرار یہ چاہتے ہیں کہ سوویٹ کانگریس کے اجلاس ہو جانے کے بعد انقلابی قدم اٹھایا جائے۔
لیکن وقت کی پکار یہ ہے کہ ہمیں فوراً کرنسکی کی حکومت پر قبضہ کر لینا چاہیئے

کانگریس میں ردو قدح کے علاوہ کوئی نتیجہ خیز امر طے نہیں ہو سکتا کانگریس کے انعقاد میں بارہ روز باقی ہیں اس سے پیشتر ہی حکومت پر قبضہ کر لینا چاہئیے۔ بولشیوک کی حکومت قائم ہو جانے پر اس حکومت کے زیر اثر جو کانگریس ہوگی وہ بلا چون و چرا ہمارا نقطۂ نگاہ قبول کر لے گی۔ چونکہ بولشیوک کی پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے ہنوز میری تجاویز پر توجہ نہیں دی ہے نیز پارٹی کے اخبارات کے اڈیٹر دیدہ و دانستہ میرے مضامین دیر میں شائع کرتے ہیں اور ان میں سے وہ حصص حذف کر دیتے ہیں جہاں میں پارٹی کے نقطۂ نگاہ سے اختلاف کرتا ہوں اس لئے میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے بولشیوک کی مرکزی کمیٹی سے علیحدہ ہونے کی اجازت دیدی جائے تاکہ میں پوری آزادی سے اپنے خیالات کی اشاعت کر سکوں۔"

لینن نے مرکزی کمیٹی سے علیحدہ ہو کر بولشیوک کی پارٹی کے ابتدائی ادارے کو خطوط کے ذریعے سے بغاوت کی تلقین کرنی شروع کر دی۔ ایک مزدور ناموف نامی کا بیان ہے "جب لینن کا تبلیغی خط ہمارے پاس آیا تو پہلی مرتبہ ہمیں معلوم ہوا کہ بہت مدت سے لینن پارٹی کی مرکزی کمیٹی کو بغاوت پر آمادہ کر رہا تھا اور کمیٹی لیت و لعل کر رہی تھی اس خط کو پڑھنے کے بعد ہم نے مرکزی کمیٹی پر زور دیا کہ لینن کی تجاویز پر کاربند ہونا چاہئیے۔" اس زور دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بولشیوک کی مرکزی کمیٹی کا ایک خفیہ جلسہ ہوا۔ تاریخ کا مذاق دیکھئے کہ یہ انقلاب انگیز اجلاس کرنسکی کے دست راست سوکانوف کے مکان پر ہوا قدرت کا طریقہ کار بھی عجیب ہے۔ اگر موسیٰ کو فرعون کے محلوں میں پرورش کراتی ہے تو انقلابی رجحانات کی تشکیل سوکانوف کے محل کے ایوانوں میں کرتی ہے۔

سوکانوف کا بیان ہے "میری شریک حیات بولشیوک تھی ایک روز مجھے واپس ہونے پر اس نے مشورہ دیا۔ تم تھکے ہوئے ہو اس لئے الگ باغ کی پر کیف فضا میں ساکت

میں آرام گرو میرے سو جانے کے بعد گھر میں بولشیوک کی مرکزی کمیٹی کا اجلاس ہوا میرا گھر اسلئے منتخب کیا گیا تھا کہ اجلاس پولیس کی نگاہ سے محفوظ رہے" اس اجلاس میں لینن بالوں کی ٹوپی اوڑھے عینک لگائے ڈاڑھی منڈائے موجود تھا۔ اس اجلاس میں لینن نے حسب ذیل تجویز پیش کی "مرکزی کمیٹی کو انقلاب انگیز بین الاقوامی حالات کا اور روسی فوج کی نفسیاتی کیفیت کا اندازہ ہے اور اس کا بھی علم ہے کہ کسان بغاوت پر آمادہ ہے۔ جمہور بولشیوک پر اعتماد کر رہے ہیں اور اس کے بھی آثار نمایاں ہو رہے ہیں کہ رجعت پسند عناصر متحد ہو کر انقلاب کو فنا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان حالات میں مرکزی کمیٹی دوسری کمیٹیوں کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ جنگ آزادی کے لئے تیار ہو جائیں اور سوویٹ کانگریس ہونے سے قبل ہی بغاوت کر دیں کافی ردو قدح کے بعد یہ تجویز آٹھ رائے سے منظور ہو گئی اس تجویز کے بعد حسب ذیل تجویز حاضرین کے سامنے پیش کی گئی "مرکزی کمیٹی مزدوروں اور سپاہیوں کے تمام اداروں سے درخواست کرتی ہے کہ وہ بغاوت کرنے کی تیاری شروع کر دیں" اس تجویز کے دس رائے سے منظور ہو جانے پر زینوویف اور کیمونیف نے اختلاف کی بنا پر مرکزی کمیٹی سے استعفے دے دیئے۔

اختلاف رائے کہاں نہیں ہوتا لیکن اگر قائد خود اور اس کے شریک کار بیدار مغز ہوں تو اختلاف کے باوجود بھی آپس کا رشتۂ اتحاد نہیں ٹوٹتا اور جادہ خیریت سے قدم نہیں ہٹتا۔ جہاں حیات و موت زیر بحث ہوں وہاں اختلافات بھی غیر معمولی سختی پکڑ جاتے ہیں لیکن لینن کا جادو کچھ ایسا تھا کہ باوجود مہتم بالشان مسائل پر اختلاف ہونے کے کسی مخالف کو لینن کی ذات سے مخاصمت نہیں ہوتی۔ مخلص قلوب کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے شریک کار سے اختلاف کے باوجود محبت کا رشتہ نہیں توڑتے۔

اکتوبر کا انقلاب

فروری کا انقلاب ایک سیاسی انقلاب تھا کیونکہ اس کے بعد بھی معاشرہ کے بنیادی اصول یعنی انفرادی ملکیت کے قوانین تقسیم دولت کے طریقے وغیرہ بدستور سابق قائم رہے اس کے برخلاف اکتوبر کا انقلاب ایک معاشرتی انقلاب تھا کیونکہ اس کے بعد معاشرہ میں انفرادی نفع کی بجائے اجتماعی نفع طریقہ پیداوار کا محرک ہو گیا تھا اگرچہ اکابر بولشیوک میں لینن کی بغاوت انگیز تجاویز پر اتفاق نہ تھا تاہم چونکہ پارٹی کی اکثریت نے ان تجاویز کو منظور کر لیا تھا اسلئے بولشیوک پارٹی نے ان کو عملی جامہ پہنانے کی تدابیر سوچنی شروع کر دیں۔ اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ فوجی انقلابی کمیٹی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا اور اس کے حکم سے ۲۴ اکتوبر کو ایک عظیم الشان انقلابی مظاہرہ ہوا تاکہ عارضی حکومت کو بولشیوک کی طاقت کا پورا پورا اندازہ ہو جائے اور وہ بلا کشت و خون کے ہی زمام حکومت سوویٹ کے ہاتھ میں دیدے۔ اگر شکست خوردہ عناصر تاریخی تقاضوں سے درست نتائج نکالکر خود ہی طاقت و حکومت سے دست بردار ہو جایا کرتے تو تاریخ عالم میں بہیمیت کے مناظر کا ذکر نہ ہوتا لیکن تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ اگر کسی عنصر پر احساس بھی ہو جائے کہ تاریخ اس کو رد کر چکی ہے پھر بھی وہ اپنی زندگی کو ہر امکانی کوشش سے طویل کرنا چاہتا ہے جب دنیا کی یہ رسم ٹھہری کہ فرسودہ عناصر کو بھی تباہ کرنا پڑتا ہے وہ از خود

طاقت سے دست بردار نہیں ہوتے ایسی صورت میں کیونکر ممکن تھا کہ بولشیوک کے مظاہرے کرنسکی کو خودکشی پر آمادہ کر دیتے۔ ۲۲ اکتوبر کے مظاہرہ میں جس جوش و خروش کا اظہار کیا گیا اس سے لینن کو یقین ہو گیا کہ عارضی حکومت پر یورش کرنے کا آخری لمحہ آ گیا ہے۔ اسی مظاہرہ سے متاثر ہو کر عارضی حکومت اور مجلس عاملہ نے یہ چاہا کہ سوویٹ سے صلح کر لی جائے مگر پرانے تجربہ کی بنا پر سوویٹ اس عہد شکن و عیار عارضی حکومت سے صلح کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

مدت تک خفتگی اور فکری اضمحلال سے طبیعت میں از حد تصنع اور حقیقت سے غماضی کرنے کی عادت پختہ ہو جاتی ہے ان قبیح عادات کے پختہ ہو جانے پر اگر کبھی دل کی دنیا بیدار بھی ہوتی ہے اور عقل سے پردے بھی اٹھتے ہیں تب بھی دل و زبان اظہار حقیقت سے کترانے ہیں۔ باوجود ۲۲ اکتوبر کو کامیاب مظاہرہ کرنے کے لینے آپ کو دھوکا دینے کے لئے یہ کہتا پھرتا تھا "مجھے یقین ہے کہ ہم بہت آسانی سے بولشیوک نے انقلابی اقدام پر قابو پالیں گے۔ میں جو محاذ جنگ پر نہیں جا رہا اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ مجھے اپنی عدم موجودگی میں پیٹروگریڈ میں کامیاب بغاوت ہو جانے کا خطرہ ہے۔ وہ تو میری عدم موجودگی میں بھی فنا کر دی جائے گی میں ذاتی طور پر بولشیوک کی بغاوت سے بہت خوش ہونگا کیونکہ اس طرح ہم کو بولشیوک کے کچلنے کا زرین موقع مل جائے گا۔ میں اس کے لئے منت ماننے کے لئے تیار ہوں" برجوازی اخبارات کی یہ تنقید تھی "طوفان ضرور آرہا ہے لیکن وہ گرد و غبار کو صاف کر دے گا"

کیڈٹ پارٹی کے ایک ممبر نے امریکن نامہ نگار جون ریڈ سے کہا "بغاوت میں بولشیوک کو شکست فاش ہوگی۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ مجلس دستور ساز کے موقع پر سر نہیں اٹھا سکیں گے"

۲۲ اور ۲۳ اکتوبر کو کرنسکی یہ مشورہ کرتا پھرتا تھا کہ فوجی انقلابی کمیٹی کو گرفتار کرنے کا کونسا موقع بہتر ہوگا۔ اور اس کے مشیر اس کو یہ مشورہ دے رہے تھے "فی الحال گرفتار کرنا مناسب نہ ہوگا۔ بغاوت شروع ہونے پر گرفتار کرلیا جائیگا" جہاں عقلوں پر اسقدر جمود طاری ہو کہ وہ بغاوت کے شروع ہوجانے سے بعد اس کے سدِباب کرنے کی سعی کرنے کا ارادہ کریں ان پر ظفر و کامرانی کس طرح مسکرا سکتے ہیں۔ اس غیر فکری کیفیت کا نام ہی قہر الٰہی ہے۔ قہر الٰہی کے نزول کا وقت آجانے پر وہ کسی طرح نہیں ٹلتا۔

بغاوت سے صرف دو روز قبل عارضی حکومت چونکی اور اس کو بالشیوک کے جارحانہ اقدام کی اہمیت کا احساس ہوا۔ چنانچہ اسی روز حکومت نے بولشیوک کی انقلابی فوجی کمیٹی اور دیگر احرار کو گرفتار کرنے بولشیوک اخبار کو بند اور دار السلطنت میں وفادار فوج مہیا کرنے کا حکم نافذ کردیا۔ حکومت کی عمارات اور دفاتر پر پہرے داروں کی تعداد زیادہ کردی اور بالشیوک کے مرکزی دفتر کا رشتۂ ٹیلیفون منقطع کردیا جب اجل سامنے آکھڑی ہو اس وقت انسان کا علاج و معالجہ کی طرف توجہ کرنا بے سود ہی رہتا ہے کئی سال کی سیاسی خفتگی کے بعد کرنسکی چونکا اور اس نے امنڈتے ہوئے انقلابی طوفان کو روکنا چاہا لیکن خفتگی اور بے عملی کو سزا ضرور ملتی ہے۔ حکومت نے اسی روز پری پارلیمنٹ کا اجلاس منعقد کیا اس میں کرنسکی نے تقریر کرتے ہوئے کہا "چند روز سے تمام روس اور خاص کر دار السلطنت میں بغاوت کی افواہیں گرم ہیں۔ بولشیوک عوام کو بغاوت پر آمادہ کر رہے ہیں یہ شورشیں اس وقت جاری ہیں جب کہ اراضی کسان کمیٹیوں کی تحویل میں دینے اور جنگ ختم کرنے کے اہم مسائل حکومت کے زیر غور ہیں۔ حکومت نے ہنوز ان غدار بولشیوک کے خلاف کوئی کارروائی اسلئے نہیں کی کہ شاید یہ خود اپنی غلطی سمجھ لیں اور راہ راست پر آجائیں لیکن

اب صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا۔ بولشیوک نے نہ صرف یہ کہ اپنی غیر آئینی حرکات پر تاسف کا اظہار نہیں کیا بلکہ انھوں نے در فوجی دستے تیار کر لئے ہیں۔ جن کو وہ مسلح کر رہے ہیں۔ اس مرتبہ حکومت نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ وہ باغیوں کو فنا کر کے رہے گی۔ کرنسکی کی تقریر جاری تھی کہ اس کو ایک برقی پیغام ملا جس میں یہ اطلاع درج تھی کہ بولشیوک نے دارالسلطنت کی فوج کو تیار رہنے اور حکم کے انتظار کرنے کا پیغام روانہ کر دیا ہے کرنسکی نے حاضرین کو یہ پیغام پڑھکر سنایا اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "قانونی زبان میں ان حالات کو بغاوت کہتے ہیں جو سیاسی پارٹیاں حکومت کے خلاف سازش کر رہی ہیں ان کو پیس دیا جائے گا۔"

تقریر ختم کرنے کے بعد وزیر اعظم روس سیدھا وزارت خانہ پہنچا اور اس نے شہر کے خاص خاص راستوں پر فوجی پہرہ بٹھا دینے اور پل اٹھا دینے کا حکم دے دیا۔ اسی وقت بولشیوک فوج بھی پل پر پہنچ گئی اور انھوں نے کامیاب طور پر مزاحمت کی چنانچہ باوجود کرنسکی کے حکم کے پل نہ اٹھ سکے اور بولشیوک کو گرد و نواح سے مدد ملتی رہی۔ ۲۵ اکتوبر صبح کے ۵ ½ بجے حکومت نے بولشیوک پریس پر چھاپا مارا اور عمارات کو مقفل کر دیا لیکن بولشیوک نے حکومت کی مزاحمت کے باوجود قفل توڑ کر چند گھنٹے میں سابق کی طرح وقت پر اخبار نکال دیا۔ اسی روز آرورا جہاز کے ملاحوں نے بجائے اپنے بحری محکمہ کی طرف رجوع کرنے کے بولشیوک کی فوجی انقلابی کمیٹی سے اپنی نقل و حرکت کے لئے احکامات چاہے۔ ان سب واقعات کا ظہور اس امر کی دلیل تھا کہ پرولتاری آمریت قائم ہو گئی۔ اسی روز فوجی انقلابی کمیٹی نے تمام فوجی مرکزوں کو تار دیا۔

"جمہور کے دشمنوں نے رات سے حملہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ فوجی انقلابی کمیٹی غداروں کا مقابلہ کر رہی ہے فوج کو چاہئے کہ پوری طرح مسلح رہے اور احکامات کا

انتظار کرے"۔ ۲۵ اکتوبر کو بولشیوک نے حکومت کی زبان میں اعلانات اور احکامات نشر کرنے شروع کر دیئے۔ گویا اب بولشیوک روس کے آئینی حاکم تھے اور عارضی حکومت کی حیثیت باغی کی تھی۔ اسی روز بالشیوک حکومت نے بلاکشت وخون کے ریلوے اسٹیشن بجلی گھر، تار گھر، ڈاک خانہ، پریس، پانی گھر اور حکومت کے بنک پر قبضہ کر کے سرخ فوج کا پہرہ بیٹھا دیا۔ دوپہر کے وقت سرخ فوج نے پری پارلیمنٹ کے اجلاس کو جو ہنوز حالات حاضرہ پر غور وخوض کر رہا تھا درہم برہم کر دیا۔ کرنسکی نے ان حالات کی خبر پاکر مزاحمت کرنی چاہی۔ اس سعی میں ناکامیاب ہو کر وہ امریکن سفیر کی موٹر میں محاذ جنگ کی جانب فرار ہو گیا اور کابینہ کے دیگر وزراء سے یہ کہہ گیا کہ وفادار فوج لے کر وہ فوراً ہی محاذ جنگ سے واپس ہو گا۔ لیکن افسوس کہ کرنسکی اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا جس مدبر کو تاریخی تقاضے رد کر چکے ہوں وہ واپس نہیں آیا کرتا۔

زندگیوں کی ہنگامی چکاچوند میں بھی عجیب جاذبیت ہوتی ہے۔ دو روزہ زندگی ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر انسان کو ان چند لمحوں میں تزک واحتشام شان وشوکت عیش ونشاط حاصل ہونے کا یقین ہو جائے وہ دو روزہ زندگی پر حیات جاوداں کو قربان کر دیتا ہے۔ دراصل حق اور حیات ابدی کی ضد ہنگامی انبساط ومسرت ہے جس کو عرف عام میں باطل کہا جاتا ہے وقتی تزک واحتشام کا جادو ایسا ہوتا ہے کہ عام طبیعتیں اس کے زریں دام میں گرفتار ہو کر ایسے اعمال وافعال کرنے پر تیار ہو جاتی ہیں جن پر آنے والی نسلیں لعنت بھیجتی رہتی ہیں۔ لیکن ہر اداء باطل کی دلفریبی کہ باوجود اس لعنت کے انسان ہمیشہ حیات جاوداں کو چند لمحوں کے عیش ونشاط پر قربان کرتا ہی رہا۔ اور گمان غالب یہ ہے کہ کرتا ہی رہے گا۔ کرنسکی ایک غریب غیر معروف وکیل تھا پھر ڈوما کا ممبر منتخب ہوا چونکہ مقرر اچھا تھا اسلئے حالات وواقعات سے فائدہ اٹھا کر وزیر اعظم روس بن گیا اور قلیل عرصہ وزارت کا لطف اٹھا کر تاریخی تقاضوں کی

روس میں بہہ گیا بیشتر سیاسی مدبروں کا یہی حال ہوتا ہے۔

۲۵۔اکتوبر کے روز جب بالشیوک کو اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا اس وقت انھوں نے سوویٹ کانگریس کا اجلاس منعقد کیا۔اگر چہ اس کانگریس میں بالشیوک کے مخالف عناصر بھی کافی تعداد میں موجود تھے لیکن بالشیوک کی کامیاب بغاوت معترضین کے تمام اعتراضات کا جواب تھی۔کامیابی بہت سے دلائل براہین کو رد کر دیتی ہے چنانچہ کانگریس میں بالشیوک کے ہر لفظ و تجویز پر لبیک ہونے لگی۔اس منظر کی تاب نہ لاکر مخالف عناصر کانگریس کے اجلاس سے بطور صدائے احتجاج اٹھکر چلے گئے۔ان کے چلے جانے کے بعد کیمونیف نے جو از سر نو بولشیوک مرکزی کمیٹی کا ممبر ہو گیا تھا اور اس اجلاس کی صدارت کر رہا تھا مجلس عاملہ اور عارضی حکومت کے ختم کرنے اور تمام اختیارات کانگریس کے ہاتھ میں لے لینے کا اعلان کر دیا اس کے فوراً ہی بعد سوویٹ حکومت کے حسب ذیل پروگرام کا اعلان کر دیا گیا:۔

(۱) جنگ فوراً ختم کر دی جائے گی۔

(۲) کاشتکار کو زمین دیدی جائے گی۔

(۳) فوج میں جمہوری روایات قائم کی جائیں گی۔

(۴) صنعت و حرفت پر سوویٹ حکومت قبضہ کر لے گی۔

(۵) مجلس دستور ساز کا عنقریب انعقاد ہو گا۔

(۶) روس میں مختلف اقوام کو حکومت خود اختیاری کا حق دیا جائے گا۔

یہ اجلاس صبح تک ہوتا رہا صبح جب پیٹروگریڈ کے رہنے والے جاگے اس وقت حکومت بدل چکی تھی بعض مرتبہ بظاہر مہیب و عظیم الشان واقعات اتنی آسانی سے وقوع پذیر ہو جاتے ہیں کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔رجعت پسند فرانسیسی نامہ نگار کاؤنٹ دی مانٹ اس روز کے حالات بیان کرتا ہوا لکھتا ہے "فاتح فتح کے

گیت گا رہے ہیں ان کو جشن منانے کا حق ہے۔ کیونکہ جب مختلف پارٹیاں صرف لفظی ردوقدح میں مشغول تھیں بولشیوک سراپا عمل تھے۔ آج وہ کل کی بوئی ہوئی کھیتی کاٹ رہے ہیں۔ مرحبا کیا خوب کام کر کے دکھایا ہے۔" انسان کا سعی و عمل مخالفین کی زبان سے بھی کلمہ تحسین لکلوا ہی دیتے ہیں۔

۲۶ر اکتوبر کو رات گئے نو بجے سوویٹ کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا جس میں ۲۵ر و ۲۶ر کی کارروائی کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کیمونیف نے کہا۔

(۱) موت کی سزا کا قانون منسوخ کر دیا گیا ہے۔

(۲) سیاسی بحث و مباحثہ کی مکمل آزادی دیدی گئی ہے۔

(۳) سیاسی قیدیوں کی رہائی کے احکامات جاری کر دئے گئے ہیں۔

(۴) عارضی حکومت کے تمام وزراء برخاست کر دئے گئے ہیں۔

(۵) کورنیلوف و کرنسکی کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دئے گئے ہیں۔

کیمونیف کے دور روز کی روداد سنا چکنے کے بعد لینن نے مندرجہ ذیل دو تجاویز پیش کیں جو فوراً منظور کر لی گئیں۔

(۱) ہم کسانوں، مزدوروں کی حکومت کی طرف سے دوسری حکومتوں کے جمہور سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی حکومتوں پر زور ڈال کر فوراً منصفانہ صلح کی گفت و شنید شروع کر دیں۔ ہماری سوویٹ حکومت ہر تجویز زیر غور کرنے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ وہ تجاویز جلد معلوم ہو جائیں اور ان میں کوئی سیاسی چالیں پوشیدہ نہ ہوں۔ جہاں تک ہماری حکومت کا تعلق ہے یہ حکومت تمام خفیہ معاہدے منسوخ کرتی ہے اور ان کو نشر کرنے کا وعدہ کرتی ہے۔ ان معاہدوں کی رو سے روس کو اگر کوئی ناجائز حقوق ملے ہوئے ہیں ہم ان سے دست بردار ہوتے ہیں اور یہ مشورہ دیتے ہیں کہ بر سر پیکار حکومتوں کو فی الحال تین ماہ کے لئے عارضی صلح کا اعلان کر دینا چاہئے۔

روس کی سوویٹ حکومت اس تجویز کو خاص طور پر انگلستان۔ جرمنی اور فرانس کے جمہور کے روبرو پیش کرتی ہے ہمیں یقین ہے کہ ان ممالک کے جمہوران مقاصد کے حصول میں ہماری مدد کریں گے۔

یہ تجویز غلغلہ ہائے تحسین کے ساتھ منظور ہو گئی اس کے بعد لینن نے حسب ذیل دوسری تجویز پیش کر دی۔

"زمینداروں کی جائداد بلا کسی معاوضہ کے ضبط کی جاتی ہے اور جب تک مجلس دستور ساز منعقد نہ ہو زمینداروں۔ گرجاؤں اور خانقاہوں کی اراضیات اور مویشی گاؤں کی کمیٹیوں اور سوویٹوں کی تحویل میں دے دئے جاتے ہیں۔ غریب کسان اور کوساک کی اراضیات ضبط نہ کی جائے گی لیکن انفرادی ملکیت کا حق کالعدم کیا جاتا ہے تمام کاشتکاروں کو زمین کاشت کرنے کا حق ہے۔ کسی شخص کا اجرت پر کام کرانا یا مزدوری پر کام کرانا ممنوع قرار دیا جاتا ہے" یہ تجاویز اسلئے مجمل تھیں کہ بعد میں ضرورت کے مطابق ان میں ترمیم و تنسیخ ہو سکے۔ اسی کانگریس میں بولشیوک حکومت کی کابینہ یعنی مجلس کمیسار کی تشکیل کی گئی اور لینن اس کا صدر مقرر ہوا۔

کبھی قید خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند۔ کبھی منگولیا کے برفانی لق و دق میدان میں جلا وطن۔ کبھی پیٹرو گریڈ کی شاہراہوں پر لرزاں و ترساں۔ کبھی دیہات میں بارش سے بچنے کے لئے گھاس کے تودوں میں پناہ گزیں۔ کبھی بھیس بدلے ہوئے ملک در ملک رواں دواں اور کبھی صدر سوویٹ روس۔ پستی و گمنامی سے رفعت و شہرت ایک طویل منزل ہے۔ یہ جتنی طویل ہے اتنی ہی کٹھن بھی ہے۔ لیکن سعی و عمل کی طلسم کاری ایسی ہوتی ہے کہ یہ جادہ صد سالہ چند سال کی محنت و مشقت سے سر ہو جاتا ہے۔ لینن کی زندگی جتنی ہنگامہ خیز ہے اتنی ہی عبرت انگیز ہے۔ مفکر طبیعتیں اس انسان کی زندگی میں حوادث و عمل کا مدوجزر بخوبی دیکھ سکتی ہیں۔ لینن کے صدر

سوویٹ روس ہو لنے پر وہ گویا ایک دنیا چھوڑ کر دوسری دنیا میں داخل ہو گیا لیکن یہ دوسری دنیا بھی تعمیری عمل و تخلیقی فکر کی منت پذیر تھی سا انقلاب کرنا جوئے شیر لانا ہے انقلاب کے کامیاب ہو جانے پر راستہ خود بخود صاف نہیں ہو جاتا بلکہ راہ ترقی میں انواع و اقسام کی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں یہ مشکلات نوعیت میں مختلف لیکن زیادہ پیچیدہ اور زیادہ سخت ہوتی ہیں کسی عمارت کی بنیاد رکھنا اگرچہ آسان نہیں ہوتا لیکن اس پر بالکل جدید نقشہ کے مطابق عمارت تعمیر کرنا اس سے بھی کہیں زیادہ مشکل ہوتا ہے مرحبا اس انسان کی ہمت مردانہ پر جو خود بنیاد رکھے اور خود ہی عمارت تعمیر کرے۔

انقلاب کے فوراً بعد کے حالات

انقلابی دور قیامت سے کم نہیں ہوتا۔ معاشرتی انقلاب عام طور پر مروجہ آئین و قوانین رسم و رواج۔ اخلاق و مذہب کے تصورات۔ تہذیب و تمدن کے معیار صنعت و حرفت کے دستور۔ زراعات و تجارت کے طریقہ کار۔ شہر و دیہات کی نوعیت۔ محل و جھونپڑے کی ساخت۔ پیر و خورد کی نفسیاتی کیفیت۔ سرمایہ دار و مزدور کے تعلقات سب کو بیک وقت جدید سانچے میں ڈھالتا ہوا چلتا ہے۔ ایک دیرینہ و وسیع سیاسی و تمدنی نظام خواہ کتنا ہی بوسیدہ ہو جب تاریخی اقتضا کی وجہ سے پاش پاش ہوتا ہے معاشرہ تہہ و بالا ہو جاتا ہے۔ ایک وسیع عمارت جو زلزلے کے خوفناک جھٹکوں سے گر جائے وہ گرد و نواح کے لئے تباہی کا باعث بن جاتی ہے۔ لیکن جس طرح اس منہدم عمارت کے گل و خشت ہٹا لینے اور اس کی جگہ ایک زیادہ حسین و آرام دہ عمارت تعمیر کر لینے میں وقت درکار ہوتا ہے اور جب تک نئی عمارت مکمل نہ ہو منہدم عمارت کے کچھ نہ کچھ آثار باقی رہتے ہیں اسی طرح جب تک نیا نظام معاشرہ کے ہر پہلو کو متاثر نہیں کر لیتا اس وقت تک پرانے طرز زندگی کے خد و خال باقی رہتے ہیں۔ چنانچہ انقلاب کے فوراً بعد بھی شہروں میں غریب کی محنت پر جینے والے عیش و نشاط کی زندگی بسر کر رہے تھے امیروں کے تھیٹر ہوٹلیں۔ تفریح گاہیں بدستور

جاری تھیں دل آرام و راحت۔ اور نئی حکومت پر تنقید و تبصرہ کرنے میں گزرتا اور راتیں چنگ و رباب اور ماہ پاروں کے ساتھ عیش و نشاط میں بسر ہوتیں۔ اس طبقہ کو انقلاب ہنوز ایک ایسا تماشہ معلوم ہو رہا تھا کہ جو اپنی چند ماہ کی عمر طبعی گزارنے کے بعد ختم ہو جائے گا۔ امیر طبقہ کو اپنے فکری اضمحلال کی وجہ سے امنڈتا ہوا انقلابی طوفان تنگ چشمہ آب دکھائی دے رہا تھا چشم دل بیدار نہ ہونے سے کوہ آتش فشاں چشمہ آب حیات دکھائی دیتا ہے جس طرح نیوٹن اور اس کے کتے ڈائمنڈ کے لئے یہ کائنات دو مختلف خصوصیات کے مظہر تھے اسی طرح مختلف اہلیتوں کے انسانوں کو یکساں حالات و واقعات میں دو مختلف پہلو دکھائی دیتے ہیں خواہ وہ آسمانی صحیفے ہوں یا پیغمبروں کی زندگیاں۔ قدرت کے مظاہر ہوں یا زمانہ کی گردشیں ہر انسان اپنے فہم کے مطابق ہی ان کی نوعیت و نتائج کو سمجھتا ہے اور عمل کرتا ہے۔ بیدار مغز لوگ زمانہ کے سانس میں انقلاب کی تپش و تیز رفتاری محسوس کر رہے تھے لیکن سرمایہ دار طبقہ انقلابی شعلے کی ہر لپک کو اسی مسرت و لاپروائی سے دیکھ رہا تھا جس طرح کسی متبرک دن عمر رسیدہ انسان بچوں کو آتشبازی سے محظوظ ہوتے دیکھتا ہے۔

حکومت کے ادارے اور بڑے بڑے کارخانے بند اور صنعت و حرفت تجارت تباہ ہو جائے ان حالات میں متوسط طبقہ نان جویں کا محتاج ہو جاتا ہے چنانچہ اس زمانہ میں روس کا متوسط طبقہ حالت امید و بیم میں لیل و نہار گزار رہا تھا اس کو نہ امیر کی فارغ البالی میسر تھی اور نہ غریب کی بدمستی انجینئر وکیل مدرس کلرک مصنف یہ سب جماعتیں تباہی کی رو میں بہی چلی جا رہی تھیں جس طبقہ کی زندگی کا نصب العین صدیوں سے شکم پروری رہا ہو وہ غیر معمولی حالات میں تخلیقی و تعمیری عمل نہیں کر سکتا چنانچہ متوسط طبقہ اس امید میں دن گزار رہا تھا

کہ کوئی مستقل آقا مل جائے تاکہ اس کی غلامی قبول کر لیں اور باقی عمر متوسط درجہ کی زندگی کے نرم و نازک نشیب و فراز سے گزرنے کی جدوجہد میں صرف کر دیں غریب طبقہ کا حال زیادہ زبوں تھا لیکن اس طبقہ میں قوت عمل ہوتی ہے جب تعمیری عمل کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اس وقت یہ طبقہ تخریبی عمل کرنا شروع کر دیتا ہے غربت اور تخریب میں باطنی رشتہ ہوتا ہے اور افلاس میں ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جب جرم گناہ نہیں رہتا۔ غریب طبقہ بھوک کی شدت سے خشمناک جبریہ تحصیل جنس و مال کرنے لگا تھا جس کو عام طور پر چوری۔ ڈاکہ قتل خونریزی کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جہاں انسانی زندگی کے قیام کا سوال ہو وہاں ملکیت کا حق کالعدم ہو جاتا ہے۔ افراد کی زندگیاں حق ملکیت پر قربان نہیں کی جاسکتیں ۱۹۱۷ء میں بنی نوع انسان نے کروٹ لی اور ازلی قدور کی روشنی میں حق ملکیت کو انسانی زندگی پر قربان کر دیا۔

اس ابتدائی زمانہ میں تمام روس حشر کا میدان بنا ہوا تھا۔ اور لینے دست و بازو اشتراکی حکومت سمولنی کی عمارت میں مرکوز تھی جہاں وہ نفوس کام میں منہمک نظر آتے تھے جنھوں نے چند سال ہی میں انتشار و پراگندگی کو یکجہتی و تنظیم اور تباہی و نامرادی کو فتح و کامرانی میں بدل دیا۔ چونکہ بولشیوک پارٹی کے ممبروں کے اہل عیال بھی اس عمارت میں مقیم تھے اس لئے یہ عمارت بذات خود ایک چھوٹی سی دنیا بن گئی تھی اس دنیا کے گوشے میں فکر و عمل کی ہنگامہ آرائیاں بھی جاری تھیں اور برآمدوں میں بہت سے کمسن بچے بھی کھیلتے نظر آتے تھے۔ حشر کا میدان ہو اور وہاں کمسنی کھیلے کس قدر عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن حشر و معصومیت کو ازلی نسبت ہی اور یہ تکراریں ہمیشہ ایک ہی جگہ نظر آتیں ہیں۔ فکر و عمل کی نیرنگی دیکھئے کہ کل کے فسردہ حال و غدار آج اس عمارت میں معزز عہدوں پر ممتاز نظر آتے تھے۔ لیکن ذمہ دار

عہدوں پر ممتاز ہو جانا اور اُس کا اہل ہونا دو مختلف باتیں ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ جن میں سے بیشتر میں تخریبی اہلیتیں ہوں لیکن تعمیری نہ ہوں اگر ذمہ دار نشستوں کے مالک بھی ہو جائیں ملک میں تنظیم پیدا نہیں کر سکتے۔ کوئی جماعت اپنی معنوی اہلیتوں سے بلند تر نہیں ہو سکتی۔ کسی جماعت کی معنوی اہلیتیں ہی اس کی تقدیر بنکر اس کے سامنے آتی ہیں۔ فرد یا جماعت کی تقدیر اس کی اپنی معنوی اہلیتوں کا عکس ہوتی ہیں یہ عکس معاشرتی تعلقات و گرد و پیش کے حالات بنکر کسی فرد و جماعت کے سامنے رونما ہوتا ہے۔ ٹروٹسکی اس ابتدائی زمانہ کے حکومتی اداروں کی تشکیل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"پیٹروگریڈ کی فتح کے بعد حکومتی اداروں کا مسئلہ سامنے آیا لینن دریافت کرنے لگا ہم کیا نام اختیار کریں۔ وزیر کے لقب سے رجعت پسندی کی بو آتی ہے یہ نفرت انگیز و فرسودہ لفظ ہے اس پر میں نے کمیار کا لقب تجویز کیا۔ اس پر لینن نے کہا لیکن ہر عہدے دار کمیار کہلائے گا؟ کابینہ کے ممبروں کا کیا لقب مقرر کریں؟ اس پر میں نے کہا چیف کمیار، لینن نے کہا چیف کا لفظ رجعی معلوم ہوتا ہے اس پر میں نے پیلپس کمیار تجویز کیا لینن کو عہدے کا یہ نام پسند آیا۔ پھر اُس نے دریافت کیا اچھا کابینہ کو کیا کہہ کر پکارا جائے۔ میں نے جواب دیا کونسل آف پیپلز کمیار لینن نے یہ نام پسند کیا اور وہ کہنے لگا" ہاں۔ ہاں۔ اس نام سے انقلاب ٹپکتا ہے"۔

اداروں کے نام ان کی نوعیت۔ وسعت و اختیارات۔ ان کے لئے کمیار اور دیگر عمّال کی تعداد اسی طرح باتوں باتوں میں طے پا رہے تھے۔ لینن۔ سرڈلو۔ ٹروٹسکی۔ اسٹالین۔ بوخارن۔ زینو ولیف۔ کیمونیف۔ کیلینن۔ رسیا آزوف۔ ریڈک ٹومسکی وغیرہ مشکل سے ایک درجن نفوس تھے جو حکومت بھی تھے اور پارٹی بھی۔ انھوں نے بظاہر حکومت کے مختلف شعبوں کو تقسیم کر لیا تھا لیکن ایک دوسرے

سے مشکل مسائل میں مشورہ لیتے اور ایک دوسرے کے شعبے میں دخیل ہوتے رہتے تھے۔

ملک میں بہت سی سیاسی پارٹیاں ہوں اور ان میں سے ایک کو غیر متوقع طور پر فتح ہو جائے اس کا یہ نتیجہ نہیں ہوا کرتا کہ شکست خوردہ پارٹیاں فوراً صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں بلکہ وہ بھی فاتح پارٹی کے دوش بدوش مدت تک زندہ رہتی ہیں اور سیاسی تنقید و عمل سے اپنی زندگی کا ثبوت دیتی رہتی ہیں۔ روس میں اگرچہ بولشیوک کرنسکی کی حکومت تباہ کرنے میں کامیاب ہو گئے مگر اس کے بعد بھی منشیوک اور سوشل انقلابی پارٹیوں کا روسی جمہور پر بولشیوک سے زیادہ اثر رہا اور عوام بولشیوک کے برسر اقتدار آنے کو انقلاب کا ایک خوشگوار حادثہ ہی خیال کرتے رہے۔ سوشل انقلابی چونکہ مجموعی طور پر زار کی استبدادیت اور کرنسکی کی آمریت کے خلاف اور جمہوری روایات کے حامی تھے اسلئے جمہور کی نظر میں یہ سب ایک ہی انقلابی عنصر کے مختلف نام تھے۔ اور بس۔ جمہور کا سیاسی فہم اس درجہ بیدار نہ تھا کہ وہ ان مختلف پارٹیوں کے مسلک میں تفریق کر لیتے۔ خود بولشیوک میں ایسا عنصر موجود تھا جو دوسری پارٹیوں کی سیاسی حیثیت اور ان کی خدمات کا معترف تھا اور جس کا یہ خیال تھا کہ کسی نظام حکومت کے قیام میں دوسری پارٹیوں کے عملی تعاون کے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ لینن اور ٹروٹسکی مزدور آمریت قائم کرتے اور مخالف رجحانات کو تشدد کے ذریعہ سے فنا کرنے پر مصر تھے۔ چنانچہ جب کیمونیف نے کرنسکی کی حکومت کے جاری کردہ سزائے موت کے قانون کی منسوخی کا اعلان کیا لینن نے متحیر ہو کر دریافت کیا!

"یہ کیا دیوانگی ہے۔ بغیر کشت و خون کے انقلاب کیسے ہوگا؟ کیا یہ گمان ہے کہ مخالف خود بخود ہتھیار ڈال دیں گے۔ سزائے موت کا قانون منسوخ کر دینے" کے

بعد تمہارے پاس صرف سزا دینے کے لئے جیل رہ جائے گی۔ جہاں سرمایہ دار کے خلاف جنگ ہے اور زندگی اور موت کا سوال ہے وہاں جیل کی کون پرواہ کرتا ہے۔ جیل کا خوف رجعتی عناصر کو خاموش نہیں رکھ سکتا۔ موت کا قانون منسوخ نہ کرو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور دیکھو مخالف پارٹیاں اخباروں کے ذریعہ سے ہمارے خلاف از سرتا پا جو غلط پروپیگنڈا کر رہی ہیں اس کا بھی سدِ باب کرو۔ یہ کیسی مفلوج آمریت قائم کر رہے ہو۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہاتھ کو بغیر خون سے سنائے کئے تم انقلابی حکومت قائم کر سکو گے"

ایک روز موقع پر لینن نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا:۔

"مخالفین کو ان کی حیات ختم ہوتی دکھائی دے رہی ہے اس لئے اپنی زندگی کے تحفظ کے لئے وہ کیا کچھ کرنے پر آمادہ نہ ہو جائیں گے۔ یاد رہے ہمارے مخالفین کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں وہ طبقہ ہے جس کو باقاعدہ فوجی تعلیم ملی ہوئی ہے۔ ان کے ساتھ فوجی افسر ہیں۔ سرمایہ دار ہیں۔ زمیندار ہیں۔ پولیس ہے اور اسلحہ کی کمی نہیں۔ اس کے برخلاف ہماری طرف اس قسم کے انقلابی ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ صرف محبت و مروت انقلاب کرنے کے لئے کافی ہیں نہ معلوم ان لوگوں نے کون سی مکتب میں تعلیم پائی ہے۔ اگر کم فہمی کا یہی عالم ہے مزدور آمریت ختم ہے اس وقت بولشیوک نے جو نظام قائم کیا ہوا ہے وہ آمریت نہیں بلکہ بدنظمی ہے اگر ہم ایک تباہ کار و مستعد دشمن کو قتل نہیں کر سکتے تو یہ کس قسم کا انقلاب ہوا"

لینن کے آخری جملہ میں عملی زندگی کے اس مہتم بالشان مسئلہ کی طرف اشارہ ہے کہ محمود مقاصد کے حصول کے لئے مذموم طریقہ کار بھی مفید ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں ایک گروہ کا یہ نظریہ ہے کہ تشدد جبر و قہر معاشرہ میں صرف وقتی طور پر کامیاب ہو سکتے ہیں لیکن وہ اپنی نامحمودیت کی بنا پر صد چند تخریبی حالات پیدا کر دیتے ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا پہلے سے بھی زیادہ دشوار ہو جاتا ہے۔ دوسرا گروہ تخریب کو

تعمیر کے لئے ضروری خیال کرتا ہے وہ محمود مقاصد کے حصول کے لئے ہر فعل کو جائز خیال کرتا ہے اس کی نظر منزل کی رفعت پر ہوتی ہے وہ راستے کی کجی سے بحث نہیں کرتا۔ اس گروہ کے نزدیک قتل و خونریزی جراحی کے مترادف ہے اور بنی نوع انسان کی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ دونوں گروہوں میں ایسی ایسی متبرک و مفکر ہستیاں نظر پڑتی ہیں کہ کسی ایک نقطۂ نگاہ کو باطل ٹھہرانا مشکل معلوم ہوتا ہے دراصل اس ردو قدح کا حل منتقی قلب میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ منتقی انسان کے لئے دونوں راستے جائز ہیں چونکہ وہ ان کے حدود سے واقف ہوتا ہے۔ اس کو یہ علم ہوتا ہے کہ کہاں تخریبی عمل ختم اور تعمیری عمل شروع کرنا چاہیئے اور تعمیر سے قبل کس حد تک تخریب ضروری ہے۔

جس طبقہ میں اہل تدبر و تفکر اور تخلیقی مفکروں کی کمی اور خام فہم ناتجربہ کار ناخواندہ افراد کی زیادتی ہو اس طبقے کے لئے غیر معمولی مشکلات سے دوچار ہونا لازمی ہے۔ روس کا مزدور طبقہ علم و فہم سے عاری سیاسی رسم و راہ سے نابلد حکومت کا کب انتظام کر سکتا تھا چنانچہ چند ہفتے ہی گزرنے پائے تھے کہ ہر طرف بدنظمی اور مزدور امریت کے گرد خلا پیدا ہونے لگا۔ برسر اقتدار طبقہ کی نااہلیت سے جو دشواریاں کسی قائد کو پیش ہو سکتی تھیں وہ سب معاشرے کی بدنظمی کی شکل میں لینن کے سامنے آرہی تھیں لیکن نامساعد حالات کے باوجود لینن کا یہ خیال تھا کہ جبر و قہر سے زمام حکومت مضبوطی سے تھامے رکھنی چاہیئے وقت گزرنے پر مزدور طبقہ حکومت کرنا سیکھ جائیگا غیر مزدور عناصر آمریت کو حرکت کرتا دیکھکر تعاون پر آمادہ ہو ہی جائیں گے اس طرح مزدور آمریت جوان ہو جائے گی لیکن ریوولیوٹ کمیونیسٹ وغیرہ لینن کے تخیل کے مخالف تھے۔ ان کو مزدور طبقہ کی جہالت آمریت کے لئے شراب مرگ معلوم ہوتی تھی اس لئے وہ تعلیم یافتہ و تجربہ کار ریڈیکل و سوشل انقلابی پارٹیوں کو حکومت میں شریک کرنے کے حامی تھے۔ چنانچہ انھوں نے غور و خوض کے بعد اپنی مشترکہ حکومت

قائم کرنے کی تجویز بولشیوک کی مرکزی کمیٹی کے سامنے پیش کردی۔ مرکزی کمیٹی مزدوروں کے تخلیقی فکر و عمل کی نغمہ سنج یہ کب تسلیم کرسکتی تھی کہ مزدور طبقہ تنہا بارِ حکومت نہیں اٹھا سکتا اس امر کا اعتراف اس کی گذشتہ دو تین سال کی سعی پر بڑی سخت ضرب لگاتا۔ چنانچہ تجویز مسترد کردی گئی اس پر رینو ویف و کیمونیف نے مرکزی کمیٹی سے استعفے دے دیئے چند روز بعد جب یہ غلط افواہ عام ہوئی کہ بولشیوک نے ماسکو کے ایک گرجا کو مسمار کردیا ہے اپنا کارسکی بھی بطور احتجاج کے کمیٹی سے مستعفی ہوگیا ان استعفوں سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی زمانے میں بالشیوک میں آمریت کے قیام اور مذہب کے استیصال کا تخیل بہت محدود حلقوں میں تھا چند روز بعد طریقہ کار کے متعلق اندرونی اختلاف کی بنا پر ۵ نیں سے اکمیار مستعفی ہوگئے اور انھوں نے جمہور کی عام اطلاع کے لیے حسب ذیل اعلان کردیا۔

"ہمارا خیال ہے کہ روس میں تمام اشتراکیت پسند پارٹیوں کی مشترکہ حکومت قائم کرنی چاہیے چونکہ دوسرا راستہ صرف یہ ہے کہ تشدد کے ذریعہ سے تنہا بالشیوک پارٹی کی آمریت قائم کی جائے ہم کمیار کے عہدہ سے اسلئے مستعفی ہوئے ہیں چونکہ تشدد کے طریقہ سے ہمیں اختلاف ہے ہمیں یقین ہے کہ تشدد کرنے سے پرولتاری طبقے اور بالشیوک پارٹی کے درمیان ارتباط قائم نہیں رہ سکتا اور یہ خوف ہے کہ تشدد کے راستہ پر گامزن ہونے سے ایک ایسی غیر ذمہ دار حکومت برسراقتدار آجائیگی جو انقلاب کی ارجمندیات کو فنا کردے گی" تاریخ شاہد ہے کہ چند سال بعد یہ اعلان حرف بحرف صحیح ثابت ہوا اور بالشیوک آمریت نے اس اعلان کا انتقام اعلان کرنے والوں کے سب سے لیا۔

گلشن کی روشیں ابھی تیار بھی نہ ہوئی تھیں اور باغبانوں میں گلزار کی ترتیب پر نزع ہو جائے ان حالات میں کون اس باغ کی آبادی کی پیش گوئی نہ کردے گا۔

لیکن بیدار دل رکھنے والے اختلاف و نزع کے باوجود سعی و عمل کرتے رہتے ہیں اگرچہ دیرینہ ہمدموں سے جدائی دل خراش تھی لیکن لینن صبر و تحمل کا دامن پکڑے ہوئے ملک کی سیاسی و اقتصادی تنظیم میں لگا رہا کسی ملک میں تنظیم پیدا کرنے کے لئے پہلی ضرورت امن و امان کا قیام ہوتا ہے۔ انقلابی دور میں امن اسوقت قائم ہو سکتا ہے جبکہ کسی حکومت کے پاس رفادار و جان نثار فوج موجود ہو نیز مزدور طبقہ خوشحال اور کسان اپنی زندگی سے مطمئن ہو۔ سپاہی، مزدور، کسان ہی معاشرتی زندگی کے تین عناصر ہیں جو کسی حکومت کے عروج و زوال کا باعث ہوتے ہیں۔ چونکہ لینن کی حکیمانہ نظر اس بنیادی حقیقت سے کلی طور پر آشنا تھی اسلئے برسر اقتدار آتے ہی اس نے ۸۔ نومبر ۱۹۱۷ء کو تمام برسر پیکار ممالک کی حکومتوں اور خاص طور پر ان ممالک کے جمہور سے عارضی صلح کر لینے کی اپیل شائع کر دی اور خود جرمنی سے صلح کرنے اور روسی فوج کو جو محاذ پہ جرمنی کیخلاف برسر پیکار تھی مزدور آمریت کے زیر اثر لانے کی سعی میں سرگرم ہو گیا۔ اس سلسلے میں ۲۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو لینن اور اسٹالین روسی فوج کے کمانڈر کو یہ ترغیب دینے ٹیلیفون گھر گئے کہ وہ جرمنی سے صلح کی گفت و شنید شروع کر دے نصف گھنٹے تک ٹیلیفون پر بات چیت ہوتی رہی لیکن جنرل ڈیکونن نہ جرمنی سے صلح کرنے پر آمادہ ہوا اور نہ اپنے عہدہ سے مستعفی ہونے پر راضی ہوا۔ کمانڈر انچیف فوج کا مالک و حاکم اگر کسی بنیادی تخیل کو تسلیم نہ کرے کون اس کو مجبور کر سکتا ہے لیکن تاریخ عالم کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ تاریخی تقاضے اور روحانی رجحانات وہ طاقتیں ہیں جو فرعون وقت کو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں اور جس گروہ میں ترقی پسند رجحانات ہوتے ہیں وہ کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ اسٹالین کا بیان ہے "اگرچہ ٹیلیفون پر گفت و شنید کامیاب نہ ہوئی لیکن جنرل کے مایوس کن

جواب کے باوجود لینن کا چہرہ یک لخت شگفتہ ہو گیا یہ القائی کیفیت اس پر اکثر طاری ہوتی رہتی تھی اس لئے اچانک مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ہم لوگ نشر گاہ چلیں اور براہ راست فوج سے صلح کی اپیل کریں چنانچہ ہم دونوں فوراً نشر گاہ پہنچ گئے اور جنرل سے ٹیلیفون پر گفتگو کا ماحصہ ریڈیو پر تمام فوج کو سنا دیا نیز یہ اعلان بھی کر دیا کہ روس کی مزدور و کسان حکومت جنرل موصوف کو ان کے عہدے سے موقوف کرتی ہے لینن نے جنرل کو حراست میں لینے، جرمنی کے خلاف جارحانہ کارروائی ختم کرنے اور جرمن و آسٹرین فوج سے رشتہ ارتباط قائم کرنے کی عام سپاہیوں سے اپیل بھی کی"

اس تدبیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز بعد جنرل ڈیکونن قتل کر دئیے گئے اور وقتی طور پر روسی فوج بالشیوک کے زیر اثر آ گئی نیز روسی سپاہی جرمن خندقوں میں پہنچ کر صلح کی گفتگو کرنے لگے اور کل کے دشمنوں میں سلسلہ آمد و رفت قائم ہو گیا۔ اس طرح لینن نے صلح کی آرزو جرمن و آسٹرین فوج میں پیدا کر دی جو آئندہ چل کر ایک حد تک ان دونوں حکومتوں کی شکست کا موجب بنی۔

جنگ کے دوران میں امنِ عامہ قائم رکھنے کے لئے فوجی طاقت کے علاوہ یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ ملک کے اخبارات جمہور کو حکومت کے خلاف برانگیختہ نہ کریں۔ چونکہ روس کے تریب قریب تمام اخبارات مخالف اشتراکی پارٹیوں کی ملکیت تھے اسلئے بالشیوک کے برسر اقتدار آتے ہی ان اخبارات نے ان پر سخت تنقید کرنی اور جمہور کو بالشیوک سے بدظن کرنے کی ہر امکانی کوشش کرنی شروع کر دی۔ ان حالات میں بالشیوک نے مخالف جرائد پر قید و بند لگا دئیے پابندی و آزادی افکار و کردار تشدد و عدم تشدد کے مسئلے کی طرح اخلاقی و سیاسی دنیا کا ایک اہم ترین مسئلہ ہے۔ اگر ایک گروہ افکار و کردار پر پابندی لگانے کا حامی

ہے تو دوسرا اسی شدت سے اس کا مخالف۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں انسانی زندگی کے ارتقا کے لئے آزادیٔ افکار و کردار کی ضرورت ہے وہاں اس پر بعض اوقات قید و بند بھی لگانے پڑتے ہیں کوئی ایک طریقۂ کار دوامی طور پر درست نہیں مانا جاسکتا دو اضداد کا امتزاج ترقی کا باعث بنتا ہے متقی قلوب کی یہی ضرورت و اہمیت ہوتی ہے کہ وہ اضداد میں امتزاج پیدا کرلتے ہیں انسانی زندگی کی یہ ایک نیرنگی ہے کہ وہ نفی و اثبات کے اشتراک سے ترقی پذیر ہوتی ہے ضرورت کو ملحوظ رکھکر اضداد میں نسبت و توازن قائم کرنا متقی قلوب کا کام ہوتا ہے اور اتقا تدبر و تفکر سے پیدا ہوتا ہے۔ بالشیوک چونکہ ہمیشہ سے آزادیٔ تحریر و تقریر کے حامی رہے تھے اس لئے ان کا جدید عمل بڑا قابل اعتراض خیال کیا جانے لگا۔ معترضین کے گروہ میں سب سے اہم شخصیت روس کے مشہور اشتراکی ادیب گورکی تھی وہ اس زمانے میں بولشیوک کو اندھے متعصب، بے ضمیر ابن الوقت، اور بولشیوک حکومت کو "وحشیانہ استبدادیت" اور ان کے دستور کو قومی بدنصیبی، کہکر پکار رہا تھا نہ صرف یہی بلکہ اپنے دیرینہ دوست لینن کو، عہد شکن، گھمنڈی، اور دیوالئے کے الفاظ سے یاد کر رہا تھا اس ابتدائی زمانے میں گورکی نے اپنے اخبار میں بولشیوک پر تنقید کرتے ہوئے تحریر کیا:۔

"لینن۔ ٹراٹسکی اور ان کے متعصبین فتح کے غرور میں سرشار ہو رہے ہیں انھوں نے تحریر و تقریر کی آزادی سلب اور جمہوری روایات کو فنا کر دیا ہے..... کیا لینن اپنے مخالفوں کو زار کی طرح محسوس نہیں کر رہا؟ جب وہ ایسا کر رہا ہے زار اور لینن میں کیا فرق رہا" اسی زمانے کے ایک جریدہ میں گورکی تحریر کرتا ہے:۔

"لینن حکیم نہیں بلکہ عطائی ہے جس کو پرولتاری کی زندگی و موت سے سروکار نہیں وہ اس طرح اشتراکیت پھیلا رہا ہے جیسے کیچڑ میں پوری طاقت سے

رولر چلایا جاتا ہے وہ روسی پرولتاری طبقہ کے خون سے سیاسی تجربات کر رہا ہے اور بہت ممکن ہے کہ لینن کے ان غیر دانشمندانہ تجربات کی ناکامی اشتراکیت کے نظریہ ہی کو فنا کر دے اور جمہور اس کو ناقابل عمل خیال کر کے کبھی اس کی طرف آئندہ متوجہ ہی نہ ہوں" جس ملک کے جمہور کم فہم اور تدبر و تفکر سے عاری ہوں نیز ذرا سی باغیانہ ترغیب ان کو برانگیختہ اور کشت و خون پر آمادہ کر دے وہاں آزادی تحریر و تقریر میں نمایاں خطرات پیدا ہو جاتے ہیں ایسے گردو پیش میں یہ ایک سیاسی ضرورت ہو جاتی ہے کہ اخبارات میں اشتعال انگیز مضامین شائع نہ ہونے پائیں اور جو جرائد اشتعال انگیز مضامین نشر کرنے کے عادی ہوں ان کو بند کر دیا جائے۔

فوج و پریس کے مسائل وقتی طور پر طے پا جانے کے بعد روس کی مختلف اقوام کی تنظیم کا مسئلہ سامنے آگیا روس اچھا خاصہ براعظم ہے جہاں مختلف اقوام بستی ہیں جو ایک دوسرے سے تراش و خراش۔ زبان۔ رسم و رواج۔ مذہب۔ تمدن و تہذیب اور نفسیاتی کیفیت میں مختلف ہیں۔ زار روس کی برہنہ تلوار نے ان کو پٹیر و گریڈ کا باجگزار بنائے رکھا لیکن جب بالشیوک کی حکومت برسر اقتدار آئی اس نے اپنی جمہوری روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے روس کی مختلف قوموں کی علیحدہ علیحدہ خود مختار حکومتوں کی بنیاد ڈالنی چاہی چنانچہ بالشیوک نے "اقوام کا اعلان حریت" جاری کیا جس کی رو سے روس کی تمام اقوام کی الگ الگ حیثیت تسلیم کر لی گئی اور ان کو مرکزی حکومت سے علیحدگی کا حق بھی دے دیا گیا۔ خیال یہ تھا کہ مختلف اقوام بالشیوک کی سیاسی دیانتداری سے خوش ہو کر ان کے ساتھ تعاون اور ان کی مرکزی حکومت سے رشتہ آشتی قائم رکھیں گے۔ لیکن بالشیوک کے اس حسن اخلاق اور سیاسی راستبازی کا وہ اثر ہوا جس کی پیشین گوئی جرمنی کی مشہور سپکر فکر و عمل روزا لکسمبرگ کر چکی تھی۔ اس علیحدگی کے حق نے اقوام کو بجائے

اشتراکیت کا گرویدہ کرلنے اور مرکزی حکومت سے قریب لانے کے ان میں قومیت کا جذبہ شدید تر کردیا اور وہ اپنی اپنی قومی حکومت قائم کرلنے کی آرزومند ہوگئیں۔ چنانچہ فنلینڈ اور یوکرین نے بولشیوک کی مرکزی حکومت سے قطع تعلق کرلنے کے بعد جرمنی سے رشتہ یگانگت و موانست قائم کرنا شروع کردیا۔ ناقابلِ برداشت حالات رونما ہونے اور دوسرے سرمایہ دار ممالک کی روسی اقوام سے سازباز کی اطلاع پاکر لینن نے مجبوراً مختلف اقوام کے سیاسی حقوق سلب کرنا شروع کردئے اور اقوام کا اعلانِ حریت زیب داستان ہوکر رہ گیا۔

یہ دنیا کچھ ایسی ہے کہ اس میں کسی عمل کے ردِعمل کا پتہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ مستقبل کے پردے سے نکل کر حال کی بساط پر آجاتا ہے۔ بالشیوک اپنی جمہوری روایات کے مطابق محکوم اقوام کو حکومت خوداختیاری دے رہے تھے اور اس حسن سلوک کا یہ غیر متوقع اثر ہورہا تھا کہ وہ جرمن حکومت کی مدد سے بولشیوک کا اثر زائل کرنا چاہتی تھیں۔ اچانک و غیر متوقع حالات جس طرح انسان کی امیدوں کی پامال کرلتے ہیں اس سے انسان کو اپنی لاچاری کا احساس ہو ہی جاتا ہے۔ لیکن مخلص قلوب اس لاچاری سے متاثر ہوکر قوت عمل نہیں کھودیتے بلکہ صرف عمل کا راستہ و طریقہ بدل دیتے ہیں۔ رجعتی عناصر کے دوچار مرتبہ کے مظاہروں نے بالشیوک کو جب یہ یقین دلایا کہ حالات جمہوری روایات پر عمل پیرا ہونے سے بوبہ اصلاح نہیں ہونگے بلکہ روس میں سرمایہ داری سے اشتراکیت تک پہنچنے کے لئے ایک عبوری زمانہ سے گزرنا ہوگا جس میں مزدور آمریت قائم کرنی ہوگی تب انھوں نے پوری شدت سے آمریت قائم کرلنے کا تہیہ کرلیا۔ جمہوری روایات ترک کرنا اور آمریت کا قیام ایک نیا قدم تھا اور بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آمریت نے بولشیوک حکومت کی بنیادیں مستحکم کیں لیکن تاریخی مطالعہ بتاتا ہے کہ کسی نظام و

دستور میں جادو نہیں ہوتا کہ اس کا اجرا چشم زدن میں کایا پلٹ کردے بلکہ یہ سحرکاری ان ازلی قدوروں میں ہوتی ہے جن کی پائدار بنیادوں پر کوئی دستور تعمیر کیا جاتا ہے۔ اسکے بعد طلسم ان افراد کے دل و دماغ میں ہوتا ہے جو کسی نظام و دستور کو عملی جامہ پہناتے ہیں دستور خواہ جمہوری ہو خواہ اشتراکی۔ نازی ہو کہ فسطائی چند صفحات پر مختلف نقش و نگار ہیں اور بس۔ اگر کسی نظام کو عملی سانچے میں ڈھالنے والے بیدار مغز اور پرہیزگار انسان ہونے کی بجائے خود پرست و شکم پرور ہوں تب خواہ وہ نظام مزدور اکثریت ہی کے نام سے کیوں نہ پکارا جائے جمہور کی مسرتوں کا مرکز نہیں بن سکتا۔ کسی معاشرہ کی بہبودی کے لئے کسی خاص نہج کا دستور اتنا ضروری نہیں ہوتا جتنا کہ معاشرہ کے عام انسان کی ترقی یافتہ اخلاقی اور تمدنی حالت ضروری ہوتی ہے۔ کسی معاشرہ کے جمہور کا تدبر و تفکر کا عادی ہونا اور انفرادی نفع کی بجائے اجتماعی خیر کو مدنظر رکھنا ہر دستور کو کامیاب بنا سکتا ہے۔

مجلس دستور ساز

روسی جمہور کا مجلس دستور ساز کے انعقاد کا مطالبہ جتنا اہم بالشان تھا اتنا ہی دیرینہ بھی تھا زار کے زمانہ سے روسی عوام اس مطالبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنی جان عزیز قربان کر رہے تھے اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اگر زار فراست سے کام لے کر عوام کے اس مطالبہ کو پورا کر دیتا تو ضرور کوئی ایسی شکل نکل آتی کہ اس کے شخصی وقار کو ضرر نہ پہنچتا اور عوام بھی خاموش ہو جاتے لیکن جو فرد فہم سلیم اور سیاسی تدبر کھو بیٹھے وہ تاریخی مقتضی کو سمجھنے اور ان سے درست نتائج نکالنے سے قاصر ہو جاتا ہے کسی شہنشاہ یا حکمران طبقہ کی دماغی خفتگی قہر الٰہی کا پیش خیمہ ہوتی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ دماغی خفتگی اور قہر الٰہی ایک ہی حقیقت کے دو مختلف نام ہیں۔ جو انسان قدرت کی نیرنگی اور اس کے طریقہ کار پر تدبر و تفکر نہ کرے اس کو حقیقی قدور کا علم نہیں ہو سکتا اور یہ لاعلمی اس کو غلط راستہ پر ڈال کر نامرادی کی سمت لے جاتی ہے۔ زار چونکہ تدبر و تفکر سے بے بہرہ تھا اس لئے اس کو کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ تغیر و تبدل قدرت کا ایک مخفی راز ہے اور جو افراد یا جماعت تاریخی تقاضوں کو سمجھ کر اپنا طرز عمل نہیں بدلیں گے وہ تباہ ہو جائیں گے اس کوتاہ نظری کی بنا پر زار بدلتی ہوئی دنیا کو نہ سمجھ سکا یہاں تک کہ فنا ہو گیا۔

زار کی حکومت پاش پاش ہونے کے بعد ڈوما کا ایک اشتراکی نمائندہ کرنسکی برسرِ اقتدار آ گیا عوام کا خیال تھا کہ ان کا مجلسِ دستور ساز کا مطالبہ اشتراکیوں کے ہاتھ میں زمامِ حکومت آ جانے سے پورا ہو جائے گا لیکن اس زمانے کے سیاسی حالات کچھ ایسے تھے کہ مجلس دستور ساز کا انعقاد کرنسکی کی سیاسی موت کے مترادف ہوتا۔ ہر انسان سقراط کا سا دل و دماغ نہیں رکھتا کہ خودکشی پر راضی ہو جائے چنانچہ کرنسکی لطائف الحیل سے تمام سیاسی جماعتوں کے اس دیرینہ مطالبہ کو برابر التوا میں ڈالتا رہا یہاں تک کہ وہ ماضی کا ایک افسانہ بن گیا۔

کرنسکی کے بعد بالشیوک کے برسرِ اقتدار آنے پر تمام جماعتوں نے مجلس دستور ساز کے انعقاد پر زور دیا بولشیوک کا عوام سے یہ وعدہ تھا کہ برسرِ اقتدار آتے ہی وہ مجلس دستور ساز کا انعقاد کریں گے۔ ان حالات میں لینن کے علاوہ تمام اکابر بالشیوک عوام سے اپنا وعدہ ایفا کرنے کے لئے فوراً تیار ہو گئے۔ ٹراٹسکی کا بیان ہے۔ کہ اس مسئلہ کے زیادہ شدید شکل میں سامنے آنے پر لینن اور اس کے درمیان یہ مکالمہ ہوا۔

لینن :- "ہمیں مجلسِ دستور ساز کے انتخابات التوا میں ڈال دینے چاہئیں۔ رائے دہندگان کی موجودہ فہرستیں غیر مفید ہیں ان کے بموجب صرف تعلیم یافتہ طبقے ہی کو رائے دینے کا حق ہے کورنیلوف کے طرفداروں اور کیڈٹ پارٹی کے ممبروں کے شہری حقوق بھی سلب کر لینے چاہئیں"

ٹراٹسکی :- "حال ہی میں صوبوں پر ہمارا اثر قائم ہوا ہے مجلس دستور ساز کے التوا کا ردِ عمل نہایت خوفناک ہو سکتا ہے۔"

لینن :- اگر تمہاری یہی مرضی ہے مجلس کا انعقاد کر لو لیکن یہ بتائے دیتا ہوں بڑی سخت غلطی کر رہے ہو۔ زمامِ حکومت ہاتھ میں ہے مجلس کے

انعقاد کا نتیجہ یہ ہو گا کہ طاقت ہاتھ سے نکل جائے گی اور اس کو حاصل کرنے کے لئے از سر نو جد وجہد کرنی ہو گی۔

لینن و ٹروٹسکی کا یہ مکالمہ سیاسی تاریخ کا ایک اہم سوال سامنے لے آتا ہے یعنی یہ کہ کیا جمہوری طریقہ کار تاریخ کے ہر دور میں یکساں طور پر مفید ثابت ہو سکتا ہے یا جمہوریت کسی خاص ارتقائی منزل اور تمدنی ماحول ہی میں کامیاب ہو سکتی ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے تاریخ عالم کی ورق گردانی سے یہ علم ہوتا ہے کہ جب تک عام انسان ذہنی ارتقا کی بلندیوں پر نہ پہنچ جائے اور اس میں تدبر و تفکر کی اہلیت اس درجہ بیدار نہ ہو جائے کہ وہ سیاسی و اقتصادی امور پر غور کر سکے اور اس میں ذہنی و عقلی دیانتداری بھی پیدا نہ ہو جائے جمہوری دستور کسی معاشرہ کی ترقی کا محرک نہیں ہوتا۔ غیر متمدن اور پس افتادہ ملک میں جمہوری طریقہ کار جاری کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ زمام حکومت نااہل خود غرض چالاک و پرفن لوگوں کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے۔ کسی ملک کے باشندے فکر و تدبر سے عارضی انفرادی مفاد کے دلدادہ۔ طلائی و نقرئی اثرات میں جکڑے ہوئے ہوں تب ان کو نااہل لیکن چالاک لوگ بڑی آسانی سے اپنی تقلید پر لگا لیتے ہیں اور ان کی رائے حاصل کر کے جمہوری اداروں میں نمائندے منتخب ہو جاتے ہیں جہاں پہنچ کر ان کے عمل کا محرک قوم و ملک اور بنی نوع انسان کا مفاد نہیں رہتا بلکہ اپنا انفرادی مفاد ہو جاتا ہے چونکہ ان کے انفرادی مفاد اور معاشرہ کے اجتماعی مفاد میں بسا اوقات تضاد ہوتا ہے اسلئے قومی اداروں میں ان منتخب شدہ اصحاب کا عمل معاشرہ میں بجائے اصلاح کے تخریب پیدا کرتا ہے۔ روس کے رائے دہندگان چونکہ جنسی فکر و عمل سے متاثر تھے اور ذہنی ارتقا کی اس منزل پر نہیں پہنچے تھے کہ لینن جیسے بیدار مغز انسان کے تخلیقی فکر و عمل کو سمجھتے اسلئے یہ

پیشینگوئی کردینی آسان تھی کہ مجلس دستور ساز کے انتخابات میں ایسے اصحاب منتخب ہو جائیں گے جو انقلاب کو اپنی خام تدبیر و عمل اور انفرادی حرص و ہوس کے مظاہروں سے فنا کردیں گے۔ تیز فکر مستقبل قریب کے امکانات کو بھانپ جاتا ہے لینن کو ان انتخابات کا نتیجہ پہلے ہی معلوم تھا چنانچہ انتخابات میں روس کا رجعتی تعلیم یافتہ طبقہ اپنی سحر بیانی علمی اعزاز۔ مالی و معاشرتی اثرات سے کام لے کر اس کے علاوہ رائے دہندگان کی فکری خامیوں اور فطری کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر بہت بڑی تعداد میں منتخب ہو گیا۔ انتخاب میں ۲۷۳ غیر بالشیوک اور صرف ۱۴۰ بولشیوک مجلس دستور ساز کی نشستیں حاصل کرسکے۔

اگر تدبر و تفکر سے عاری رائے دہندگان کسی سیاسی مسئلہ میں فیصلہ صادر کر سکتے ہیں تو انتخاب کے اعداد و شمار سے وہ فیصلہ اخذ کیا جا سکتا تھا اس مجلس کے اول ہی اجلاس میں بولشیوک کی جانب سے جتنی بھی تجاویز پیش کی گئیں وہ سب مسترد کر دی گئیں یہ امر بولشیوک میں غیر اعتمادی کی رائے کے مترادف تھا۔ ان رجعتی رجحانات کا مشاہدہ کرلینے کے بعد جو بولشیوک پیشتر مجلس دستور ساز کے موافق اور مزدور آمریت قائم کرلینے کے مخالف سمجھتے لینن کے ہمخیال ہو گئے اور بولشیوک پارٹی میں متفقہ طور پر یہ طے پا گیا کہ مجلس دستور ساز کو برخاست کرلینے کے بعد مزدور آمریت قائم کی جائے چنانچہ لینن نے خود اپنے قلم سے حسب ذیل حکم تحریر کر دیا:۔

"مجلس دستور ساز کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہے کہ اس کو سوویٹ کی جمہوریت سے علاقہ نہیں ہے۔ جو پارٹیاں اس مجلس میں اکثریت میں ہیں وہ ملک کے طول و عرض میں سوویٹ حکومت کی شدید مخالفت کر رہی ہیں اور رجعتی عناصر کی مدد میں سرگرم ہیں وہ زمین اور کارخانوں کو اشتراکی ملکیت

میں لانے کی بھی مخالفت کر رہی ہیں اسلئے بولشیوک پارٹی کی مرکزی کمیٹی مجلس دستور ساز کو برخاست کرتی ہے" چنانچہ ۱۹۔ جنوری ۱۹۱۸ء کو مجلس دستور ساز کا ادارہ ختم کر دیا گیا۔

تاریخ جماعتوں کو صرف گنتی ہی نہیں بلکہ تولتی بھی ہے اور اس کے طالب علموں سے یہ امر پوشید نہیں کہ تاریخ کا آخری فیصلہ شمار کے اعتبار سے نہیں بلکہ وزن کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ سوشل انقلابی (زمینداروں کی پارٹی) اگرچہ تعداد میں بولشیوک پارٹی سے کہیں کثیر تھے لیکن فکر و عمل سے محروم تھے۔ اسکے برخلاف بولشیوک اقلیت میں تھے لیکن ان میں تخلیقی فکر و عمل پیہم اور جرأتِ مردانہ بدرجہ اتم موجود تھے۔ بولشیوک چونکہ کامیابی کی سب شرطیں پوری کر رہے تھے اسلئے تاریخ کا انصاف یہی ٹھہرا کہ ان کے سر پر ہی تاج رکھا جائے لیکن روزِ ازل سے تاج کے ساتھ یہ خصوصیت وابستہ رہی ہے کہ وہ دردِ سر پیدا کرتا ہے حکومت کے ساتھ مشکلات ضرور ہوتی ہیں۔ اگرچہ سرخ فوج نے مجلس دستور ساز کے نمائندوں کو سنگین کی طاقت سے درہم برہم کر دیا لیکن بولشیوک سے کسان کی نفسی کیفیت نہ بدلی جا سکی وہ ہنوز انفرادی ملکیت کا دل و جان سے حامی تھا۔ اس کا کھیت اس کی جان تھا جس کو وہ کسی طرح سے بھی دوسرے کی ملکیت میں دینے کو تیار نہ تھا۔ چونکہ ملکیت کی ۸۰ فی صدی آبادی کسانوں پر مشتمل تھی اور وہ اشتراکی ملکیت کے خلاف تھے اس بنا پر حکومت کے لئے شدید مشکلات پیدا ہو گئی تھیں کسانوں نے بولشیوک کی اشتراکی تدابیر کے خلاف عملی جدوجہد کرنی شروع کر دی تھی۔ ان کو برسرِ پیکار دیکھ کر لینن نے جرمنی سے صلح کرنے کا تہیہ کر لیا تاکہ دو محاذوں پر بیک وقت نہ لڑنا پڑے۔

جرمنی سے صلح

برسرِپیکار حکومتیں لینن کے ۸ر نومبر ۱۹۱۷ئہ کی عارضی صلح کی اپیل پر خاموش رہیں اور ان کی مہرِ خاموشی نہ ٹوٹی ان حالات میں لینن نے جرمنی سے علیحدہ صلح کرنے کا ارادہ کرلیا اس ارادہ کی تشکیل میں کسان پارٹی کی شورش اور مغربی یورپ میں انقلابی آثار کو بھی بہت بڑا دخل تھا لینن کو کامل امید تھی کہ سرمایہ داری کا تضاد قلیل عرصے بعد مغربی یورپ میں اشتراکی انقلاب پیدا کردے گا۔ اس خیال کے ماتحت لینن اپنی طاقت کو مضبوط کرنے کے لئے جرمنی سے وقتی طور پر شرمناک شرائط پر صلح کرلینے کے لئے تیار ہوگیا تھا اس کا خیال تھا کہ موجودہ جرمن حکومت کو چند روز میں صفحہ ہستی سے مٹ ہی جانا ہے اور جو حکومت اس کی جگہ لے گی وہ اشتراکیوں ہی کی ہم مشرب ہوگی۔ اس طرح یہ شرمناک شرائط خود بخود کالعدم ہوجائیں گی۔ روس و جرمنی کی صلح مؤخرالذکر کے لئے زیادہ مفید تھی چونکہ صلح ہونے پر جرمنی اپنے مشرقی محاذ سے تمام فوجیں مغرب میں لے جاسکتا تھا جہاں فرانس و انگلستان شدید حملہ کررہے تھے۔ لینن کا گمان تھا کہ مغربی محاذ کا سخت معرکہ جرمنی کو مشرق میں صلح کرنے پر آمادہ کردے گا اور لینن کی صلح کی تحریک کو جرمنی اپنے مفاد کی خاطر لبیک کہے گا۔

یہ خیالات تھے۔ جن کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ٹروٹسکی کو جرمن نمائندے سے صلح کی گفت وشنید کرنے کے لئے برسٹ روانہ کردیا گیا۔ ٹروٹسکی برسٹ کے معاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"جرمنی سے صلح کی گفت شنید کرنے سے ہمارا مقصد وقت گذارنا تھا۔ ہمیں مستقبل قریب میں مغربی یورپ میں انقلابی حالات پیدا ہوجانے کی پوری امید تھی اور یہ یقین تھا کہ جرمنی، آسٹریا اور دول متحدہ کا مزدور طبقہ ہمارے نظام کے محاسن اور صلح کے رویہ کو بہ نظر احسن دیکھے گا نیز اپنی اپنی حکومتوں پر ہم سے نہایت منصفانہ اور نرم شرط پر صلح کرنے کے لئے زور دے گا۔ چنانچہ پہلی مرتبہ صلح کی گفتگو میں رکاوٹ ہونے اور جانے کی واپسی پر لینن نے مجھ سے برسٹ جانے کے لئے کہا میں نے اپنی نارضامندی ظاہر کی لینن بولا "لیکن کسی کو تو جانا چاہیئے تاکہ بحث ومباحثہ میں وقت ٹلایا جائے۔ اس کے اصرار پر میں جانے کے لئے راضی ہوگیا۔ برسٹ کے راستہ میں میں نے دیکھا کہ خندقیں خالی پڑی ہیں اور ہماری فوج کی حالت زبون ہے۔ مقام پر پہنچکر شرائط صلح پر گفتگو ہوئی اور چند روز کے بعد ہی وقت ٹلانے کی خاطر حکومت سے مشورہ کرنے کے بہانے سے مجھے دارالسلطنت واپس آنا پڑا۔ واپسی پر میں نے بولشیوک کی فوجی کمیٹی کے صدر سے ایک پُرزور تقریر کرنے کی درخواست کی تاکہ برسٹ میں ہمارے ہاتھ مضبوط ہوجائیں۔ اس پر جواب ملا "غیر ممکن ہے۔ کوئی دوبارہ خندقوں میں جانے پر آمادہ نہیں ہے۔ ایسی تقریر کا یہ اثر ہوگا کہ ہماری فوج ہم سے بالکل برگشتہ خاطر ہوجائے گی"

یہ ظاہر تھا کہ ہم جنگ جاری نہیں رکھ سکتے تھے لیکن زیادہ اہم سوال یہ تھا۔ کہ کیا جرمنی ہم پر حملہ آور ہونے اور جنگ جاری رکھنے کی سکت ہے۔ میرا خیال

تھا کہ جرمنی اب اتنا تھک چکا ہے کہ معاہدہ نہ کرنے کی شکل میں بھی اس کو
ہم پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ لیکن جب لینن سے اس خیال کا اظہار کیا
گیا "وہ کہنے لگا" تمہارا استدلال قابل غور ضرور ہے لیکن فرض کرو کہ جرمنی
اب بھی قوی ہو اور اگر اس کی شرائط قبول نہ کی گئیں وہ حملہ آور ہو جائے اس
وقت کیا ہوگا امکانات بڑے خطرناک ہو جائیں گے اس وقت انقلاب کو
تباہی سے بچانے کے لئے ہمیں جرمنی کی سب شرطیں منظور کر لینی چاہئیں"

"اس زمانہ میں یورپ کے مزدور طبقہ کو دول متحدہ نے یہ یقین دلا رکھا
تھا کہ یہ صلح کی گفت و شنید محض ایک کارروائی ہے بولشیوک جرمنی کے ہاتھ فروخت
ہیں۔ دول متحدہ کے اس باطل پروپیگنڈے کو غلط ثابت کرنے کے لئے میں یہ
چاہتا تھا کہ جرمن فوجیں ہمارے ملک میں داخل ہو جائیں اس وقت بحالت
مجبوری ہم صلح کریں تاکہ ان حکومتوں کے جو ہم پر جرمن جاسوس ہونے کا بہتان
لگا رہی تھیں منہ بند ہو جائیں اس خیال کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے یہ
پہلو نکالا کہ جرمنی سے جنگ بند کر دی جائے لیکن صلح نامہ پر دستخط نہ کئے
جائیں۔ میرا استدلال یہ تھا کہ جرمنی اور زار روس میں جنگ تھی اب چونکہ
زار کی حکومت فنا ہو گئی اور ایک ایسی حکومت برسر اقتدار آگئی ہے جس نے
جرمنی سے۔ اعلان جنگ نہیں کیا اس لئے بولشیوک حکومت اور جرمنی
کے درمیان صلح کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا جب میں نے لینن کو اپنا زاویہ
نگاہ تحریر کیا۔ جواب آیا۔ تم یہاں آجاؤ تاکہ اس کے متعلق گفتگو ہو جائے
اس جواب ہی سے میں سمجھ گیا کہ لینن کو میری رائے سے اختلاف ہے چنانچہ
پیٹرو گراڈ پہنچنے پر لینن سے حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

لینن :- "اس شکل میں کہ جرمنی حملہ نہ کریں۔ تمہاری بات معقول ہے

لیکن، مجھے اس کی توقع نہیں کہ خیریت رہے۔ جرمن جنرل باویریا کے مضبوط کسانوں کی رجمنٹ ہمارے خلاف ضروری روانہ کر دے گا۔ اس وقت کیا ہوگا تم خود کہتے ہو کہ ہماری خندقیں خالی پڑی ہوئی ہیں۔ فرض کرو کہ جرمنی حملہ آور ہو جائیں

ٹروٹسکی:۔ "حملہ ہونے پر ہم صلح کر لیں گے اور سب کو یہ علم ہو جائیگا کہ مجبوراً ایسا کیا گیا ہے۔ اس طرح اس بہتان کی بھی قلعی کھل جائے گی کہ ہم نے جرمنی سے درپردہ سازباز کر رکھی ہے۔

لینن:۔ ہاں درست ہے۔ تمہاری تائید میں بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ بڑا خطرناک معاملہ ہے۔ فوری مسئلہ یہ ہے کہ خواہ کچھ ہی قربانی کیوں نہ کرنی پڑے اس انقلاب کو تباہی سے بچانا چاہیئے۔"

ٹروٹسکی:۔ بغیر ضرر آزما ہوئے صلح کر لینے سے خود بولشیوک پارٹی میں اختلاف ہو جائے گا۔ ہماری پارٹی کا معتدبہ حصہ امپیریلیسٹ جرمنی سے صلح کرنا اشتراکی اصول کو خیرباد کہنے کے مترادف خیال کرتا ہے۔ جرمن کے حملہ آور ہونے پر جب ہم مدافعت نہ کر سکیں گے اور لاچاری کی حالت میں صلح کریں گے اس وقت ہماری پارٹی کو یقین ہو جائے گا کہ اس وقت صلح کرنا ہی قرین مصلحت ہے ورنہ خود بولشیوک ہماری سیاست سے بدظن ہو کر دائیں پارٹیوں کے آغوش میں چلے جائیں گے۔

لینن:۔ درست ہے لیکن فوری سوال انقلاب کی زندگی و موت کا ہے۔ اگر اس وقت پارٹی کا توازن بگڑ بھی گیا تو کیا؟ از سر نو درست کر لیا جائیگا لیکن انقلاب! انقلاب اسی وقت ہی زندہ رہ سکتا ہے کہ صلح نامہ پر دستخط کر دئے جائیں۔ جرمن کی فتح کی شکل میں نہ ہم رہیں گے اور نہ انقلاب۔

ٹروٹسکی :۔ جب پستول سینہ پر ہوگا اس وقت ہم صلح کرلیں گے اس سے دنیا کے مزدور طبقہ پر یہ انکشاف ہو جائیگا کہ ہم نے اشتراکیت سے غداری نہیں کی بلکہ مجبوراً ایک امپیریلیسٹ حکومت سے صلح کی ہے۔

لینن :۔ کیا اس کے بعد ہم جرمنی کے خلاف انقلابی جنگ نہیں کرو گے؟

ٹروٹسکی :۔ ہرگز نہیں۔

"لینن سے گفتگو ہونے کے بعد یہ مسئلہ مرکزی کمیٹی کے روبرو پیش ہوا جہاں ممبروں کی اکثریت نے میری رائے کی تائید کی کہ جنگ فوراً بند کردی جائے لیکن کسی معاہدہ پر دستخط نہ کئے جائیں۔ جرمن نمائندوں نے ہماری اس تجویز کی خبر پا کر اعلان کیا کہ فوری صلح کی شکل میں جرمنی روس پر حملہ نہ کرے گا۔ جب جرمنی کا فوری صلح کا مطالبہ ہم تک پہنچا اس وقت لینن کی اور میری حسب ذیل گفتگو ہوئی"

لینن :۔ کہیں جرمن دھوکا نہ دے رہے ہوں۔

ٹروٹسکی :۔ بظاہر یہ معلوم نہیں ہوتا۔

لینن :۔ اگر ایسا ہے تب خوب ہے۔ جنگ بھی ختم ہوگئی اور عزت بھی رہ گئی۔

"ابھی عارضی صلح کی میعاد ختم ہونے میں دو روز باقی تھے کہ برسٹ سے ہمارے جنرل کا تار آیا جس میں یہ اطلاع درج تھی کہ جرمن جنرل کے پیغام کے مطابق ۱۸ فروری ۱۲ بجے دن سے جرمن اپنے آپ کو روس سے برسرپیکار خیال کرے گا۔ اس اطلاع کی موصولی پر لینن میرے پاس آیا اور کہنے لگا"

"اس اطلاع کا مطلب سمجھے۔ ہمیں دھوکا دیا گیا اور اس طرح جرمنی کو پانچ روز حملہ کی تیاری کے لئے مل گئے یہ درندہ کسی کو نہیں بخشتا۔ اب کیا باقی رہا ہے۔ دستخط کرو۔ کیا جرمنی پرانی شرائط پر صلح کر لے گا۔؟

ٹروٹسکی :۔ جرمن افواج کو حملہ آور ہونے دینا چاہیے۔

لینن :۔ جرمن حملہ کے یہ معنی ہوں گے کہ ڈونابرگ ہاتھ سے نکل جائیگا اور وہاں جو سامان حرب کے ذخیرے ہیں ان پر بھی جرمن قبضہ ہو جائے گا۔

ٹروٹسکی :۔ ظاہر ہے۔ قربانی کرنی پڑے گی لیکن یہ قربانی کرنی اس لئے ضروری ہے کہ روس و فرانس اور انگلستان کے مزدور اصلی حالت سمجھ جائینگے ہم مجبوراً ایک امپیریلسٹ سے معاہدہ کر رہے ہیں۔

لینن :۔ نہیں نہیں۔ یہ ڈونابرگ کا ہی سوال نہیں ہے۔ لڑنا شکست کھانا ہے۔ جرمن لڑیں گے اور وہ لڑ سکتے ہیں انہیں پانچ روز تیاری کرنے کے لئے بھی مل گئے ہیں یہ درندہ یک سخت زقند لگا دے گا۔

ان حالات میں مرکزی کمیٹی نے فوراً برقی پیغام کے ذریعہ سے صلح پر دستخط کرنے کی رضامندی دے دی اس پر میں نے لینن سے کہا۔

کیا یہ قرین مصلحت نہ ہو گا کہ میں حکومتی اداروں سے استعفیٰ دیدوں؟

لینن :۔ ہم مغربی جمہوریتوں کا طریقہ کار پسند نہیں کرتے۔

ٹروٹسکی :۔ میرے استعفے سے جرمنی کو یہ خیال ہو جائے گا کہ ماسکو میں واقعی سیاسی تبدیلی ہو گئی ہے اور ہم معاہدہ پر عمل پیرا رہیں گے۔

لینن :۔ ہاں بات وزنی معلوم ہوتی ہے۔

"شاید اسی روز جرمنی کی فنلینڈ میں فتح کی خبر آئی۔ لینن میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "ہاں ہمیں فنلینڈ کی حمایت میں علانیہ

لڑنا چاہیئے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اب سوائے جنگ کے کوئی
دوسرا راستہ ہی نہیں رہا"
لیکن لینن کی یہ رائے فوری تھی جب کچھ دیر بعد میں لینن کے کمرے میں
گیا وہ کہنے لگا۔
"نہیں ہم اپنی صلح کی پالیسی تبدیل نہیں کر سکتے اگر ہم جنگ شروع
بھی کر دیں تب بھی فنلینڈ کی اشتراکی جمہوریت کو نہیں بچا سکتے
اور خود تباہ ہو جائیں گے۔ ہم فنلینڈ کی مزدور حکومت کی مدد تو
ضرور کرینگے لیکن اس طرح کہ جنگ کی آگ ہمارے دامن تک
نہ پہنچے۔ معلوم نہیں کہ اس طریقہ کار سے ہم زندہ رہ سکتے ہیں
یا نہیں لیکن فی الحال یہی واحد راستہ ہے جس میں خیریت معلوم
ہوتی ہے"
اجتماعی زندگی کی تشکیل آسان کام نہیں ہوتا۔ اصحاب حل و عقد کو کثیر
سے سنگین امکانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حالات و واقعات
امور کا فوری فیصلہ چاہتے ہیں جن پر اجتماعی آزادی و غلامی کا انحصار
ہے ایسے موقعوں پر اختلاف رائے ہو ہی جاتا ہے۔ لیکن یہ غیر فطری معاملہ
ہوتا ہے کہ اختلاف رائے نہ ہو لیکن جن مدبروں کا مطمح نظر اجتماعی مفاد
ہے ان کے اختلافات کی وہ نوعیت نہیں ہوتی جو انفرادی مفاد کو مدنظر
رکھنے والوں کی ہوتی ہے۔ اول الذکر مدبر اختلاف میں بھی محبت کا دامن
نہیں چھوڑتے ان کے اختلاف میں بھی تعمیری پہلو نمایاں رہتا ہے نہ کہ برق
خرمن سوز۔
۱۸ فروری کو جرمنی نے حملہ کر دیا اور روسی پسپا ہونے شروع ہو گئے

یہ ایک نفسیاتی امر ہے کہ خواہ کسی ملک کے جمہور اپنی حکومت سے ناخوش ہی کیوں نہ ہوں لیکن جب کوئی غیر ملک وطن پر حملہ آور ہوتا ہے باوجود تمام اختلافات کے جمہور اپنی حکومت کے پشت و پناہ بن جاتے ہیں۔ چنانچہ جرمن حملہ کا ردعمل جمہور پر یہ ہوا کہ وہ دشمن کو روس کی سرزمین سے نکالنے کے لئے بولشیوک سے تعاون کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور پشکوا ور ناروا کے مقام پر جرمن کے خلاف اس شدت سے نبرد آزما ہوئے کہ دشمن کا پیٹرو گریڈ کی طرف اقدام روک دیا۔ جرمنی افواج کی ناکامیابی نے اگرچہ ان کو صلح پر راضی کر دیا لیکن شرائط پہلے سے زیادہ سخت کر دیں اور اس پر طرہ یہ کہ بولشیوک کو شرائط پر غور و خوض کرنے کے لئے صرف ایک دن کی مہلت دی شرائط صلح اگرچہ حد درجہ غیر منصفانہ تھیں لیکن لینن ان کے مان لینے پر راضی ہو گیا۔ ٹروٹسکی وغیرہ صلح کے مخالف تھے ان کا خیال تھا کہ چونکہ جرمن اقدام روک لیا گیا ہے۔ نیز جمہور غیر متوقع طور پر بولشیوک کی مدد کر رہے ہیں اس لئے روس لڑ سکتا ہے۔ اور فتح پا سکتا ہے۔ جرمنی سے ان شرمناک شرائط پر صلح کرنا مناسب نہیں لیکن لینن باوجود اس مخالفت کے فوری صلح کے موافق تھا چنانچہ ۲۴ فروری کو بڑی شدومد سے دونوں سمت کے زاویہ نگاہ پیش کئے گئے۔ اختلاف اتنا بڑھا کہ ٹروٹسکی نے کمیار کی کونسل سے استعفیٰ دے دیا اور لینن نے مرکزی کمیٹی سے مستعفی ہونے کی دھمکی دی اس منظر کو دیکھکر بخارن آب دیدہ ہو کر ٹروٹسکی کے بازوؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا۔ ہم پارٹی کو خس و خاشاک بنا رہے ہیں"۔ اسٹالین دونوں زاویہ نگاہ میں مصالحت پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن لینن نہ مانا بڑی ردوقدح کے بعد اس نے مرکزی کمیٹی میں تین رائے کی اکثریت سے صلح

کی تجویز منظور کرالی اور امپیر بلیسٹ جرمنی کو صلح کی شرالطہ روانہ کر دیں۔ اس پر بخارن اور چار بائیں پارٹی کے ممبر جو حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر مامور تھے نیز ٹروسکی اور چھ نپیل کیسار بھی مستعفی ہو گئے۔ ۲۴ر فروری ۱۹۱۸ء روسی تاریخ کا ایک یادگار دن ہے چونکہ اس روز نہ صرف یہ کہ بولشیوک افواج نے جرمن افواج کے اقدام کو روکا بلکہ بولشیوک نے بحیثیت ایک خود مختار حکومت کے جرمنی کو صلح کی شرطیں روانہ کیں۔

۷ر مارچ کو پیٹروگریڈ میں بولشیوک کی پارٹی کا غیر معمولی اجلاس ہوا اور ۱۲ گھنٹے کی بحث ومباحثہ کے بعد لینن کی صلح کی تجویز منظور ہوئی ۱۵ ر مارچ کو پیٹروگریڈ سے زیادہ محفوظ مقام ماسکو کو اشتراکی حکومت کا دارالسلطنت بنا دیا گیا اور کریملن کی عمارت میں اشتراکی حکومت مرکوز ہو گئی۔ ۱۵ مارچ کو برسٹ کے صلح نامہ پر پارٹی نے اپنی مہر ثبت کر دی۔

بولشیوک جس مقام سے چلے تھے اس کی طرف نظر کرنے سے محسوس ہوتا تھا کہ بہت دور نکل آئے لیکن جب اس منزل پر نظر پڑتی تھی جس پر کہ ان کو پہنچنا تھا اس وقت دوری منزل کا احساس قوی تر ہو جاتا تھا۔ اشتراکی حکومت ہنوز دور طفلی سے گذر رہی تھی۔ ہر شے کی ابتدا دھندلی اور غیر مربوط ہوتی ہے۔ یہی حال بولشیوک آمریت کا تھا۔ کسی مورخ کے لئے یہ بتانا مشکل ہے کہ ابتدائی چند سال میں سویٹ روس کا نظام کن اصولوں پر مبنی تھا۔ دراصل یہ کہنا درست ہوگا کہ چند ابتدائی سال تجربے کا زمانہ تھے۔ ترمیم وتنسیخ۔ تلاش وجستجو۔ اجتہاد تجربہ اور یہ آرزو کہ اشتراکی نظام قائم کریں بولشیوک کا سیاسی سرمایہ تھے اور بس۔

فکر وعمل کی طلسم کاری دیکھئے کہ جلاوطن۔ دنیا کی گردش کے شکار۔

سائبیریا کے لق و دق برفیلے میدانوں میں افسردہ روز و شب گزارنے والے آج سریر آرائے سلطنت تھے اور ایک طاقتور حریف سلطنت سے خود مختار حکومت کی حیثیت سے صلح کر رہے تھے۔ فکر و عمل مستقبل کے کون کون سے دریچے وا کر دیتے ہیں اس کو تیز سے تیز مفکر بھی معلوم نہیں کر سکتا البتہ مشاہدہ و تجربہ کی بنا پر سچی قلوب کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ حقیقی قدروں کی روشنی میں جو عمل کیا جاتا ہے وہ خیر و برکت ہی کا باعث ہوتا ہے۔ یہ یقین اُن کو تاریک سے تاریک حالات میں بھی عمل کرائے جاتا ہے۔ ان انقلابیوں کو کیا علم تھا کہ یورپ میں جنگ عظیم ہوگی اور زار کی کم فہمی راسپوٹن کے تباہ کن مشورے اور زارینہ کی رعونت انقلابیوں کے لئے وہ سازگار حالات پیدا کر دینگے جن کا اُن کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ خام فکر ان واقعات کو حادثات کی ایک زنجیر خیال کرتا ہے اور بس لیکن اگر بولشیوک میں انقلابی جوش کردار نہ ہوتا۔ اور ان کے قلوب میں حریت کی تڑپ نہ ہوتی تب کیا جنگ عظیم انقلاب میں تبدیل کی جا سکتی تھی؟ اگر بولشیوک پارٹی نہ ہوتی یا ان میں انقلابی تدبیر و عمل کا فقدان ہوتا کیا ان حالات میں وہ نتائج برآمد ہو سکتے تھے جو ہوئے چونکہ مستقبل کے حالات کا کسی کو علم نہیں ہوتا اسی لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ انسان ہر لمحہ سعی و عمل میں لگا رہے تاکہ پردۂ غیب سے جب حالات رونما ہوں اس کو غیر مستعد نہ پائیں فرد ہو کہ جماعت ان کی تقدیر ان کی معنوی کیفیت و ارتقا کا عکس ہوتی ہے۔

پرولتاری آمریت اور اقتصادی ابتری

تاریخ آزمائش کئے بغیر کسی قوم یا جماعت کی داستان کو اپنے سنہری صفحات پر جگہ نہیں دیتی۔ دنیا میں کبھی ایسا نہیں ہوا اور نہ ہوگا کہ کوئی فرد یا جماعت گردشِ ایام کی کلفت اٹھائے بغیر زمانہ کی مرمریں سطح پر اپنا نقشِ قدم ثبت کر سکے۔ حیاتِ جاوداں اسی کو عنایت ہوتی ہے جو مشکلات کو چیرتا، ارتقائی منازلِ مقصود کی طرف بڑھتا چلا جائے۔ لیکن ایسے سالکِ راہ کسی قوم اور جماعت میں کم ہی ہوتے ہیں۔ اکثریت مشکلات سے گھبرا اٹھتی ہے اس لئے کیا تعجب ہے کہ اقتصادی مشکلات پیدا ہونے پر متعدد اکابر بولشیوک سراسیمہ ہو کر خود اپنی ہی پارٹی کی تعمیری کوششوں پر سخت نکتہ چینی کرنے لگے اس زمانہ میں مشہور بولشیوک کریسن نے نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں پاگل خانہ میں آگیا ہوں اور میری تمنا صرف یہ ہے کہ اس دیوانی دنیا سے فرار ہو جاؤں ۔۔۔۔ یہ انقلاب مدت تک زندہ نہیں رہ سکتا قمار بازوں نے صرف روس ہی کو نہیں بلکہ تمام عالم کو کمیونسٹ بنانے کا داؤ لگایا ہے" لینن کا بہنوئی کہتا تھا "روس اتفاقاً قزاقوں کے جنگل میں آگیا ہے اب ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا کریں" لینن اور کریسن ایک ہی ماحو

میں سانس لے رہے تھے۔ دونوں غیر معمولی دماغی انسان تھے۔ دونوں کے حواس خمسہ یکسانیت سے اپنی اپنی تقدیر پر گامزن تھے لیکن ایک انقلاب کی دیوانی دنیا سے فرار ہونا اور دوسرا اس محشرستان میں رضوان کا حسن وجمال پیدا کرنا چاہتا تھا ایک ہی ماحول سے دو قلوب اسلئے مختلف انداز سے اثر پذیر ہو رہے تھے کہ ان دونوں کی باطنی اہلیتوں میں فرق تھا۔ کرینسکی کا سیمابی قلب سراسیمہ تھا لیکن لینن کا صابر و شاکر قلب صراط مستقیم پر نظام وسکون کے ساتھ منزل کی رفعت سے خندہ و شاداں منزل مقصود کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا باوجود ہر سمت سے انتہا ہراس و پریشانی کے لینن جرأت مردانہ سے کام لے رہا تھا اس کے حکم سے ۲۰۔ دسمبر کو ملک کے تمام بنکوں پر قبضہ اور ان کے ۲۸ ڈائریکٹروں کو سولنسی کی عمارت میں نظر بند کر دیا گیا بنکوں پر قبضہ ہونا تھا کہ تمام ملک کا اقتصادی نظام درہم برہم ہو گیا اور تجارت پابہ زنجیر ہو کر رہ گئی۔ ۲۳۔ اپریل ۱۹۱۸ء کو بیرونی ممالک سے تجارت کرنا صرف حکومت کا حق قرار دے دیا گیا۔ لیکن ان قوانین کے علاوہ لینن کا ایک جملہ عوام میں بڑی برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ دوران تقریر میں اس کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا تھا "جو چرایا گیا ہے اس کو چرا لو" انقلابی جمہور کے دل میں جو جذبہ ہو اس کی تائید قائد کی زبان کر دے اس پر عوام کو اپنی خوش فہمی کا یقین کیوں نہ ہو جائے۔ یقین کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وہ خود اعتمادی اور قوت عمل پیدا کر دیتا ہے چنانچہ انقلابی جمہور نے اپنے خام فہم اور انفرادی خواہشات کو درست مان کر ان کے مطابق عمل کرنا شروع کر دیا اور بورژوازی و امیر طبقوں کی کوئی شے باقی نہ رہی جو غریب کی دست برد سے بچی ہو چنانچہ تمام ملک میں لوٹ مار شروع ہو گئی۔ لینن کو یہ علم نہ تھا کہ اس کا ایک جملہ معاشرتی زندگی کو درہم برہم کر دے گا

اس لئے اپنے الفاظ پر اظہار تاسف کرتے ہوئے کہا "میں لنے یہ جملہ کہا اور اس کو بھول گیا لیکن انقلابی جمہور نے اس کو بنیادی اصول مان کر اس کے مطابق ایک پروگرام بنا لیا ہے۔"

امر واقعہ یہ تھا کہ بولشیوک کے برسر اقتدار آتے ہی مزدور طبقہ اپنے آپ کو ملک کی صنعت و حرفت اور پیداوار کا مالک و حاکم تصور کرنے لگا تھا اس یقین کی بنا پر اس کے دست تصرف سے صنعت و حرفت نہ بچ سکی معمولی مزدور صنعت و حرفت کی پیچیدگیوں سے بے خبر اس کا کب انتظام کر سکتا تھا؟ چنانچہ قلیل ہی عرصے میں ملک کی اقتصادی زندگی پاش پاش ہو گئی۔ اس تباہی سے متاثر ہو کر ۲۹۔ نومبر ۱۹۱۷ء کو بولشیوک حکومت نے مزدوروں کو کارخانوں کے معاملات میں براہ راست دخل دینے سے منع کر دیا لیکن ساتھ ہی ساتھ فیکٹری کمیٹیاں مقرر کر دیں جن میں اگرچہ مزدور طبقہ کی اکثریت تھی لیکن کارخانہ دار شامل تھے۔ ان کمیٹیوں کو فیکٹری کے انتظامات اور حسابات وغیرہ پر بھی نگاہ رکھنے کا حق تھا سرمایہ دار و بورژوازی ماہرین صنعت و حرفت کو کمیٹی کا ممبر بنانے سے لینن کا یہ مقصد تھا کہ مزدوران کی مدد سے صنعت و حرفت کے راز اور تجربہ حاصل کر لیں گے لیکن سرمایہ دار و بورژوازی ماہرین اس لئے ممبر بنے تھے کہ کمیٹی میں شریک ہو کر ان کو ملک کی صنعت و حرفت کو تباہ کرنے اور اس طرح انقلاب کو بدنام کرنے کا اچھا موقع مل جائے گا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز بعد مزدور اور ماہرین ممبروں میں کشمکش شروع ہو گئی۔ رجعتی ماہرین نہ صرف کارخانوں سے کثیر رقمیں لے کر فرار ہو گئے بلکہ انھوں نے خفیہ طور پر مشینیں وغیرہ بیکار کرنی شروع کر دیں ان حالات میں بورژوازی اور سرمایہ دار طبقوں کو کمیٹیوں میں رکھنا خلاف مصلحت خیال کیا جانے لگا اور یہ دونوں

طبقے ملک کی اقتصادی زندگی سے نکال دیئے گئے۔ جب کاریگر مستری انجنیر۔ کلرک سرمایہ دار بر جوازی ماہرین صنعت وحرفت کارخانوں سے نکال دیئے جائیں اس حالت میں کارخانے کس طرح کام کر سکتے ہیں۔ اس برخاستگی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ملک کی اقتصادی زندگی کو حرکت دینے کا بار مزدور کے شانوں پر آ پڑا۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ہر کام کے لئے تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے کسی خاص صنعت کا تجربہ نہ ہونے کی شکل میں اس کو کامیاب بنانا غیر ممکن ہو جاتا ہے۔ خام ناتجربہ کار مزدور نہ سرمایہ دار کا سا تجربہ رکھتے تھے اور نہ ان میں کاروباری ایمانداری تھی۔ انھوں نے فیکٹریوں میں تندہی سے کام کرنے کی بجائے سیاسی معاملات پر بحث ومباحثہ کرنا شروع کر دیا۔ جب دل چاہتا کام پر آ لیتے اور جس وقت طبیعت اکتاتی چلے جاتے۔ کارخانہ سیاسی کلب گھر بن جائے تو پھر ملک کی اقتصادی حالت کا خراب ہو جانا لازمی تھا۔ دراصل تمام مزدوروں کے ذہن میں مزدور آمریت کا یہی تصور تھا کہ ان پر اوقات کی کوئی پابندی نہ ہو۔ مزدور کے اس لاابالی طرز عمل سے صنعتی اشیا کے تیار کرنے میں کمی واقع ہو گئی۔ جو اشیا تیار ہوتیں ان کو مزدوروں نے نجی طور پر فروخت یا آپس میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ اشیا کی کمی نے معاشرہ میں آشوب پیدا کر دیا آشوب کے مستقل شکل اختیار کر لینے پر مزدور طبقہ کے شکوے خود بولشیوک کی زبان پر بھی آنے لگے۔ اس زمانہ کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے تجارتی انجمن کی مرکزی کمیٹی کے اخبار نے لکھا "مزدور کارخانوں کے مالک ضرور ہو گئے ہیں لیکن وہ فیکٹریوں کا انتظام ملکی بہبودی کے نقطہ نظر سے نہیں بلکہ اپنے انفرادی مفاد کو ملحوظ رکھکر کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک کارخانہ ایک خزانہ ہے جس کو وہ ہر وقت اپنے مفاد کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ بسا اوقات مزدور کارخانہ کی تیار کی ہوئی اشیا آپس میں تقسیم کر لیتے

ہیں "اس انجمن کے صدر اور اکابر بولشیوک ٹوسکی نے دوران تقریر میں کہا "کارخانے بند ہونے والے ہیں چونکہ مزدور طبقہ اتنی اختیار پیدا نہیں کر رہا جتنی کہ اسے صرف میں لا رہا ہے۔ مزدور طبقہ حکومت کا پنشن خوار بن گیا ہے وہ معاشرہ کے سرمایہ پر جیتا ہے" اقتصادی کانگریس کے پہلے اجلاس میں گسٹو نے دوران تقریر میں کہا "یہ سن کر کہ خوف زدہ برجوازی طبقہ ملک کی اقتصادی زندگی تباہ کر رہا ہے۔ مجھے ہنسی آجاتی ہے دراصل امر واقعہ یہ ہے کہ خود ہزاروں پرولتاری ملک کی صنعت و حرفت کو تباہ کر رہے ہیں"

کسی ملک کے مزدور ناتجربہ کار اور غیر تعلیم یافتہ ہوں اور تجربہ کار تعلیم یافتہ طبقہ حکومت سے عدم تعاون کر رہا ہو تو وہ حکومت خواہ مزدور آمریت ہی کیوں نہ ہو ملک کی صنعت و حرفت کا انتظام نہیں کر سکتی اس ابتری کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے عاجز آکر فیکٹری کمیٹیوں کو کارخانوں کے انتظامی معاملات میں دخل دینے سے منع کر دیا اور منتظمہ کمیٹیوں کی تشکیل کر دی جن کو کارخانہ کے انتظام اور جنس کی خرید و فروخت کے اختیارات دیدیئے لیکن دقت یہ تھی کہ ان کمیٹیوں کے ممبر بھی اسی طبقہ سے تھے اور ان میں بھی وہی اخلاقی و انتظامی خامیاں تھیں جو پہلے ممبروں میں تھیں اسلئے یہ بھی خاطر خواہ انتظام نہ کر سکے انقلابی دور کا ہمیشہ سے یہ ایک اہم مسئلہ رہا ہے کہ انقلاب ہو جانے کے بعد حکومت کا کس طرح انتظام کیا جائے۔ روز ازل سے غریب مظلوم ہی انقلاب کرتے آئے ہیں اور ان میں تعلیم و تجربہ کی کمی اتنی عمیق ہوتی ہے کہ وہ ملکی انتظام کرنا تو درکنار سیاسی و اقتصادی مسائل کی سمجھ تک نہیں رکھتے جس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ انقلاب کے بعد جب اپنی طاقت کے قیام اور نئے نظام کی تشکیل کا مسئلہ ان کے سامنے آتا ہے تو وہ ان اہم مسائل کے حل

کرنے کے بالکل ناقابل ثابت ہوتے ہیں اور مجبوراً ان کو زمام حکومت اسی ہاتھ میں دیدینا پڑتی ہے جس سے وہ چھین چکے تھے۔ انقلاب روس کا طرہ امتیاز یہ امر تھا کہ اس وقت لینن کی سرکردگی میں غریب کی رہبری کے لئے ایک بیدار پرولتاری جماعت موجود تھی اگرچہ یہ جماعت قلیل تھی اور روس کی سیاسی و اقتصادی ضرورتوں کے لئے قطعی طور پر ناکافی تھی لیکن تعداد میں اتنی ضرور تھی کہ اس نے ہر رجعتی اقدام کو کامیابی سے روکا بولشیوک آمریت نے مزدوروں کی ناتجربہ کاری اور اخلاقی خامیوں کا سدّباب کرنے کا یہ طریقہ نکالا کہ فوجی طاقت پر قبضہ رکھا اور ایک کمیٹی پر اس سے اعلےٰ دوسری محتسب کمیٹی قائم کردی تاکہ بدعنوانیوں اور لاپرواہیوں کے امکانات کم ہوجائیں۔ لیکن دقت یہ تھی کہ جو محتسب کمیٹیاں قائم ہوتی تھیں ان کے ممبر بھی اقتصادی و اخلاقی ارتقا کی پست منزل میں تھے۔ جب انسانوں کی نفسی کیفیت ہی زبون ہو کسی کمیٹی کا محتسب کمیٹی نام رکھدینے سے وہ احتساب لینے کے لائق نہیں بن سکتی چنانچہ بولشیوک ایک کمیٹی پر دوسری محتسب کمیٹی اور دوسری پر تیسری کمیٹی مقرر کرتے جاتے تھے اور اشتراکی نظام بجائے وبا اصلاح ہونے کے خراب ہوتا چلا جارہا تھا اس سلسلہ میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ ایک روز لینن دفتر میں کام کررہا تھا کہ مزدوروں کا ایک وفد مزید فیکٹریوں پر قبضہ کرنے کے حکم پر دستخط کرانے آیا۔ مزدوروں کے مطالبہ سے خام تمناؤں کا اضطراب اور لینن کے جواب سے تجربہ کار انسان کے ضبط و تحمل کا پتہ چلتا ہے لینن نے جواب دیا "تم حکم تو لکھلائے اور میں اس پر دستخط بھی کردوں گا لیکن یہ بتاؤ کہ تم کارخانوں کا انتظام بھی کرسکو گے۔ کیا یہ تخمینہ لگا لیا ہے کہ سماج کو کتنی اشیاء کی ضرورت ہے اور کارخانے کتنی اشیاء تیار کرسکتے ہیں" لینن آگے چل کر تحریر

کرتا ہے "ان سوالات کے جو جوابات مزدوروں نے مجھے دیئے ان سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ تجارتی معاملات کو مطلق نہیں سمجھتے"

ان امید شکن حالات میں بھی لینن ہراساں نہ ہوا۔ عاشق کو اگر وصال کی امید ہو وہ جور و ستم اور رسوائی برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ شیریں کے وصال کی امید موہوم پر فرہاد جوئے شیر نکالنے کے مصائب برداشت کر لیتا ہے چونکہ لینن کو مغربی یورپ میں انقلاب کی امید لگی ہوئی تھی اس لئے روس کی پسماندگی اور مزدور کی اشتراکیت سوز ناتجربہ کاری نے اس کی دنیائے دل کو افسردہ ضرور کیا مگر خاکستر نہ کر سکی۔ ذوق دیدار کو امید دیدار ہونے سے مصائب و آلام بھی راحت و آرام معلوم ہونے لگتے ہیں ایک روز سولومن و لینن کے درمیان روس کی اقتصادی پسماندگی کا ذکر آیا اس پر لینن نے کہا "اشتراکیت روسی مسئلہ نہیں ہے عزیز من۔ اس پر تو میں تھوکتا ہوں۔ یہ انقلاب عالم کا سوال ہے" انقلاب عالم کی امید نے لینن کو وہ عملی طاقت عنایت کر دی تھی جس کی بدولت وہ کل سے آج زیادہ زندہ ہے۔ امید کو اسی لئے جزو ایمان کہا جاتا ہے کہ یہ دل میں حرارت اور اعضا میں قوت عمل پیدا کرتی ہے۔ اس پر لینن کے دوست سولومن نے جواب دیا "فرض کرلو کہ تم نے شدید انقلابی حالات بھی پیدا کر دئے۔ لیکن لینن تم ردعمل کے قانون کو نہیں سمجھتے یہ قانون آفاقی قانون کی طرح ہوتا ہے۔ جب تمہارے عمل کا ردعمل شروع ہو گا نہ معلوم یہ تم کو کس غار میں لے جائے گا" یہ سن کر لینن چلایا "پرواہ نہیں۔ لیجانے دو۔ لیکن اس وقت شدید ترین انقلابی عمل کرنا ضروری ہے ہم ردعمل کے قانون سے بھی لڑیں گے اور اس پر فتح پائیں گے اور دنیا کو ہلا دیں گے" یہ مکالمہ تاریخ

کے ہر دور میں مختلف لوگ مختلف الفاظ میں دہراتے آئے ہیں جب امید و جرأت عمل پر اکساتی ہیں تو ناامیدی نمودار ہو کر ردعمل سے ڈراتی ہے اس پر امید کا یہی جواب ہوتا ہے۔ ہاں میں ردعمل کے قانون کو نہیں سمجھتی اس کا مجھے اعتراف ہے لیکن یہ بتاؤ کہ کیا تم یہ پیشگوئی کر سکتی ہو کہ کسی عمل کا کیا ردِ عمل ہوگا ناامیدی کیا تم پردۂ غیب کی دوسری جانب نظر ڈال سکتی ہو؟ اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو مجھے امکانات کی دنیا میں قسمت آزمائی کرنے دو میں اپنی روح و ضمیر کا عکس ہست و بود کے پردے پر دیکھنا چاہتی ہوں۔ لینن تقدیر آزمائی کر رہا تھا یعنی امکانات کی دنیا میں فکر و عمل کی ہم آہنگی سے وہ حالات پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو اشتراکی نظام کے قیام کے لئے سازگار ہوں کہ پردۂ غیب سے ایک تازیانہ پڑا۔

غیبی تازیانہ کے مختلف قلوب پر مختلف اثرات ہوتے ہیں۔ خام قلوب پر ہراس و ناامیدی طاری ہو جاتی ہے اور وہ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ شاید مشیت کو ان کی کامیابی منظور نہیں اس لئے سعی و جہاد کی دنیا کو خیرباد کہہ کر اضمحلال و خواب کی دنیا میں سر چھپا لیتے ہیں لیکن پختہ قلوب کو غیب کا تازیانہ پہلے سے زیادہ ہوشمند کر دیتا ہے وہ تازیانہ کو اپنی خامی کی سزا اور وجہ پختگی خیال کر کے جہادِ زندگی میں زیادہ تندہی سے عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں یہ وہی جرمنی سے شرمناک شرائط پر صلح کا تازیانہ تھا جس کا ذکر گذر چکا ہے بریسٹ میں جرمنی سے شرمناک شرائط پر صلح کرنی پڑی اور جرمنی میں فوری اشتراکی انقلاب کی امید بر نہ آئی اس لئے لینن کو بھی اپنے تصور اور عمل کو حالات کی روشنی میں ڈھالنا پڑا۔

جرمنی میں اشتراکی انقلاب اور روس میں اشتراکی نظام کا قیام لازم

ملزوم تھے روس جیسے غیر ترقی یافتہ ملک میں جو آلات و مشین کے استعمال سے بے بہرہ تھا وہ اشتراکی نظام وجود میں نہیں آسکتا تھا جس کے قیام کے لئے سرمایہ دار ملکوں سے دو چند آلات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں لینن نے اقتصادی موضوع پر بہت سی تقریریں کیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"ہم بولشیوک اس لئے انقلاب کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ متوسط طبقہ انقلاب کا حامی تھا۔ اس طبقہ کی مدد اور ہمدردی ہمارے ساتھ اس بنا پر تھی کہ وہ خود امیر طبقہ کی ملکیت پر جبریہ تصرف کر کے امیر بننا چاہتا تھا۔ انقلاب میں حصہ لینے سے متوسط درجہ کا مقصد اشتراکی انقلاب کرنا نہ تھا بلکہ انقلابی حالات سے فائدہ اُٹھا کر امیر و کبیر بن جانا تھا"

"تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ برجوازی طبقہ فنا ہو جانے پر بھی کچھ عرصے بعد از سر نو زندہ ہو جاتا ہے ہمیں وہ حالات پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جن میں موجودہ برجوازی اور سرمایہ دار طبقے زندہ نہ رہ سکیں اور نئے پیدا نہ ہوں۔ بظاہر برجوازی طبقہ تباہ شدہ معلوم ہوتا ہے لیکن اصل واقعہ یہ ہے کہ جب تک ہم جرأت و تنظیم سے ایک اشتراکی نظام قائم نہ کر دیں گے وہ فنا نہ ہوگا۔ پرولتاری طبقہ کے تنظیم سے کام نہ لینے پر متوسط طبقہ برسر اقتدار آجائے گا متوسط طبقہ (برجوازی) کا روس میں ہنوز بہت اقتدار ہے"

"اب تک ہم نے بڑی عجلت سے کام لیا ہے اور صنعت و حرفت کی اتنی شاخوں پر قبضہ کر لیا ہے کہ ان کا انتظام کرنا ہمارے لئے

ناممکن ہوگیا ہے اب وہ لمحہ آگیا ہے کہ ہم اپنی تیز رفتاری کو آہستہ کردیں اور ملک کی صنعت و حرفت کی مزید شاخوں پر قبضہ کرنے کی بجائے مقبوضہ فیکٹریوں کی بہتر تنظیم کی طرف رجوع کریں اگر انقلاب برپا کرنے کے لئے تخریبی عمل کی ضرورت تھی تو اب تعمیری عمل درکار ہے۔ ہمیں جمہور کی نفسیاتی کیفیت بدلنی ہوگی۔ اگرچہ آلات و پیداوار کے عناصر پر مزدور کا قبضہ ہے لیکن جب تک صنعت و حرفت کے حساب رکھنے اور نفع و نقصان معلوم کرنے کا مارکسی طریقہ معلوم نہ ہو جائے گا عناصر پیداوار پر ہمارا قبضہ زیادہ مفید ثابت نہیں ہوسکتا۔"

"دوسرے ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک کی بہ نسبت روسی مزدور نااہل ہے اس کو تنظیم سے کام کرنے کا طریقہ سیکھنا ہوگا۔ اب ہمیں مزدور کو اس کی ایک روز کی تیار شدہ اشیاء کی تعداد کے مطابق اجرت دینی چاہیئے اور اس ترکیب سے مزدور کو کام کرنے پر مجبور کرنا چاہیئے بورژوازی طبقہ کے لئے جبریہ محنت و مزدوری کے قانون کا اجرا فوراً کر دینا چاہیئے اور اس طبقہ کے ہر فرد کو دو ڈائریاں دینی چاہئیں جن میں سے وہ ایک میں روزانہ کام کی کیفیت و کمیت درج کرے اور دوسری میں ان اشیاء خوردنی وغیرہ کا اندراج کرے جو کام کرنے والے نے اس روز استعمال کی ہوں۔ ہمیں بورژوازی طبقہ سے بھی کام لینا ہوگا۔ لیکن چونکہ یہ لوگ ایک خاص زندگی کے عادی ہیں اس لئے ان کو زیادہ اجرتیں دینی ہونگی۔ کمیونسٹ اصول

یہ چاہتا ہے کہ تمام کام کرنے والوں کو مساوی اجرتیں دی جائیں لیکن کیا کیا جائے ہمیں روس کی پسماندگی کا خمیازہ اٹھانا پڑے گا۔ اگر روس آلاتی طور پر ترقی یافتہ اور مزدور طبقہ تعلیم یافتہ اور تجربہ کار ہوتا ہمیں بورژوازی کا دست نگر ہونے اور اجرتوں میں فرق کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ مزدور طبقہ کی خامی دیکھتے ہوئے ہمیں روس میں فی الفور "ریاستی سرمایہ داری" (STATE CAPIT LISIM) جس کو ریاستی اشتراکیت (STATE SOCIALISM) بھی کہا جا سکتا ہے قائم کر دینا چاہیئے یعنی وہی اقتصادی نظام جو جنگ کے زمانہ میں جرمنی میں رائج تھا۔ ریاستی سرمایہ داری ہماری موجودہ مشکلات کا واحد حل ہے روس جیسے پسماندہ ملک میں اسٹیٹ کیپٹل ازم وہی حکم رکھتا ہے جو ترقی یافتہ ملک میں اشتراکی نظام رکھتا ہے اسٹیٹ کیپٹل ازم ہم میں مرکزیت، تنظیم اور قوت عمل پیدا کر دیگا" "خیال تھا کہ مغربی یورپ میں اشتراکی انقلاب ہو جائے گا لیکن یہ امید پر نہ آئی۔ موجودہ حالات میں ہمیں مزدور آمریت کا ڈھانچہ قائم رکھنا چاہیئے جبتک مغربی یورپ میں انقلاب نہ ہو جائے اس وقت تک روس میں مکمل اشتراکی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ روس جو اب تک ایک غریب اور جاہل ملک رہا ہے اس کو بلا ترقی یافتہ ممالک کی مدد کے اشتراکی نظام قائم کرنے میں عرصہ درکار ہوگا۔ یہ خیال بھی عبث ہے کہ آنے والی نسل مکمل اشتراکی نظام قائم کر سکے گی اس کے لئے طویل مدت درکار

ہوگی۔ جب تک روس میں آلاتی ترقی نصف النہار پر نہ پہونچ جائے۔ اقتصادی و سیاسی نظام میں تنظیم پیدا نہ ہوجائے۔ مزدور طبقہ کی پیداوار کی اہلیت نہ بڑھ جائے اور سب کارکنوں کی اجرتیں مساوی نہ ہوجائیں اس وقت تک اشتراکیت کا قیام مستقل صورت اختیار نہیں کرسکتا۔ ہم مارکسیوں کا یہی نظریہ ہے۔ جو کوئی اس نظریہ کی تردید کرتا ہے کرے، ہمارے لئے اس کو سمجھانا وقت کو ذبح کرنا ہے۔"

"سرمایہ دار مراعات کا بھکاری ہوتا ہے وہ نفع کے لئے صنعت و حرفت میں حصہ لیتا ہے یہ سرمایہ دار اپنے نفع کی خاطر پرولتاری آمریت سے اشتراک عمل پر تیار ہوجائے گا آج کل سرمایہ دار کو نفع کی اور پرولتاری آمریت کو سرمایہ دار کی صنعتی و حرفتی اہلیت، قابلیت و تجربہ کی ضرورت ہے ہمارے پاس صدہا ایسی بڑی صنعتیں موجود ہیں جن سے اپنی ناتجربہ کاری اور سرمایہ کی کمی کی وجہ سے ہم مستفیض نہیں ہوسکتے۔ ان حالات میں یہی امر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ دار سے اشتراک عمل کرلیا جائے اگر فوراً ایسا نہ کیا گیا اس صورت میں ملک کی صنعت و حرفت بڑے پیمانے پر تباہ ہوجائے گی اور متوسط طبقہ روس کی اقتصادی زندگی پر قابض ہوجائے گا یہ شکل پرولتاری آمریت کے لئے بڑی مہلک ثابت ہوگی۔ پوری احتیاط کے ساتھ سرمایہ داروں کو چند مراعات دینے میں کوئی ہرج واقع نہ ہوگا بلکہ فائدہ یہ ہوگا کہ ملک کی صنعت و حرفت بڑی تیزی

سے ترقی کر جائے گی۔ سرمایہ داری بتقابلہ اشتراکیت کے ضرور پس افتادہ نظام ہے لیکن قرونِ وسطیٰ کے جاگیردارانہ نظام کے مقابلہ میں جو کل تک روس میں جاری تھا سرمایہ داری ایک ترقی یافتہ نظام ہے ہمیں ضروری احتیاط کے ساتھ سرمایہ دار کے سرمایہ اور تجربہ سے فائدہ اٹھانا چاہیئے تاکہ روس قرونِ وسطیٰ کے جاگیردارانہ دور کے خول میں واپس داخل نہ ہو جو سرمایہ داری کی نسبت ابتر نظام ہے۔

ان حالات میں کہ ملکی صنعت وحرفت ترقی کے بہت ابتدائی دور سے گذر رہی ہے ہم سرمایہ دار کو معاشرہ سے جلا وطن نہیں کر سکتے ہمیں سرمایہ داری کو اشتراکی ترقی کے لئے استعمال کرنا چاہیئے چونکہ بحری وبری فوج اور بیرونی تجارت ونیز ملک کی بڑی بڑی صنعتوں کا معتدبہ حصہ پرولتاری آمریت کے قبضہ میں ہے اس لئے سرمایہ دار سے عملی تعاون کرلینے میں یہ خطرہ نہیں ہے کہ وہ ملک کی اقتصادی وسیاسی زندگی پر حاوی ہو جائے گا۔"

زندگی اگر کبھی خرام موج ہے تو کبھی تیشہ وسنگ گراں بھی ثابت ہوتی ہے زندگی کی کوئی حالت مستقل طور پر قائم نہیں رہتی۔ انقلاب ایسی آسانی سے ہو گیا جس آسانی سے سمندر سے موج اٹھتی ہے لیکن انقلاب کے بعد کے حالات کچھ ایسے تھے کہ لینن کو تیشے سے کام لینا پڑ رہا تھا۔ امکانات کا رُخ بدل جانا اور شرابِ آرزو کا لبوں تک آتے آتے چھلک جانا کس قدر صبر آزما ہو جاتا ہے لیکن جرمنی میں انقلابی امکانات کے خواب وخیال ہو جانے

کے باوجود یہ مرد حق پرست اپنے ضمیر کی روشنی میں حالات وواقعات سے برسرپیکار رہا۔ آرزوں کی پامالی۔ امیدوں کی شکست اور تمناؤں کی بربادی نے کسی انسان کو رہبانیت پر آمادہ کیا تو کسی کے سعی و عمل کو دوچند کر دیا کسی عمل کا ردِ عمل قلب پر اس کی اپنی اہلیتوں کے بموجب ہوتا ہے مخلص قلوب پر شکست کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ عمل ورد عمل کی دنیا میں زیادہ مستعدی سے مشغول ہو جاتے ہیں۔ روس کی جہالت، اشتراکیت سوز اقتصادی پستی نیز سیاسی خامی سے تصادم ہوا اور مغربی یورپ سے اشتراکی انقلاب کی کمک نہ آئی ان حالات میں لینن وقتی ضرورت کے سامنے جھک گیا لیکن دل میں یہی تصور تھا کہ کبھی نہ کبھی حالات مساعدت کریں گے۔ فی الحال کسی نہ کسی طرح طاقت ہاتھ میں رکھو مغربی یورپ میں جلد یا دیر انقلاب ہو کر رہے گا اس وقت سرزمین روس میں اشتراکی نظام اپنی نکھری ہوئی شکل میں جاری کر دیں گے۔ کسان، متوسط و امیر طبقات ہنوز طاقتور ہیں اس لئے ان سے وقتی طور پر اشتراک عمل کرنا ضروری ہے لینن ان خیالات کے مطابق ہر طبقہ سے اشتراک عمل کے لئے تیار تھا لیکن بولشیوک پارٹی میں اکابر بولشیوک کا ایک ایسا گروہ بھی تھا جو لینن کے ان تصورات کو مہلک خیال کرتا تھا۔ اس گروہ کا خیال تھا کہ سرمایہ دارانہ رجحانات اور جذبہ ملکیت کو اگر ملکی نظام اور دستور میں ذرا سی بھی جگہ دی گئی یہ اقدام اشتراکیت کو خیرباد کہنے کے مترادف ہوگا۔ وہ کہتے تھے سرمایہ دار کو ملک کی اقتصادی زندگی میں دخیل کرنے کا یہ اثر ہوگا کہ وہ اپنی ذہانت۔ تجربہ کاری تنظیمی قابلیت اور سرمایہ وافر سے فائدہ اٹھا کر معاشرہ کی اقتصادی زندگی پر چھا جائے گا اور انقلاب خواب وخیال ہو جائے گا" لیکن چونکہ بریسٹ، کے موقع پر لینن کی رائے درست ثابت ہو چکی تھی اس لئے اس کے فیصلہ کا وقار اتنا بڑھا ہوا تھا کہ باوجود

اکابر بولشیوک کی مخالفت کے لینن کی تدابیر کو عملی جامہ پہنانے کی سعی ہو رہی تھی۔
اقتصادی تعمیر کی طرف پہلا قدم یہ اٹھا کہ قہوہ۔ مسالے۔ دیا سلائی۔ موم بتی۔ شکر۔ آلات و مشین بنانے کے کارخانے نیز معدنیات۔ تیل کے چشمے۔ ذرائع رسل و رسائل۔ حکومت کی ملکیت قرار دے دئیے گئے۔ ۱۹۱۸ء میں سوویت حکومت نے مجموعی طور پر ۱۱۲۵۔ کارخانوں اور اقتصادی اداروں پر قبضہ کر لیا۔ اجرت پر کام کرنا یا کرانا ممنوع قرار دے دیا گیا۔ روس کا ہر باشندہ حکومت کا ملازم تصور کیا جانے لگا ہر ملازم کو ایک ڈائیری دی جاتی تھی جس میں اس کا روزینہ درج ہوتا تھا۔ حکومت اپنے ملازموں کو سکّہ کی بجائے جنس کی شکل میں اجرت دیتی تھی جس کا شاید ۲۰ فی صدی سکّہ کی شکل میں ملتا تھا چونکہ یہ قلیل رقم معاشرہ کی اقتصادی زندگی میں طبقات پیدا کرنے کے لئے بالکل ناکافی ہوتی تھی اس لئے بظاہر جمہوریہ میں اقتصادی مساوات ہی معلوم ہوتی تھی۔ سماجی ضروری محنت کے معیار سے ہر شے کی قیمت کا تعین ہونے لگا تھا اور سکہ معاشرہ کی زندگی سے خارج کر دیا گیا تھا۔ سکّہ کی جگہ ہنڈی و چیک اور کچھ روز بعد صرف بہی کھاتے میں اندراج کرنا ہی کافی خیال کیا جاتا تھا۔ بازار اور منڈیاں بند کر دی گئی تھیں۔ بولشیوک پارٹی کے ماہر اقتصادیات لیرن کا خیال تھا "اب سکّہ صرف ایک رنگین کاغذ رہ جائے گا اور اجناس کی قدر کی ترجمانی نہ کرے گا" لیرن کے اس خیال کے مطابق بولشیوک آمریت نے روبل اتنی بڑی تعداد میں چھاپ دئیے کہ سکّہ کی کوئی قدر نہ رہی اور روس کی اقتصادی زندگی میں روبل کی ساکھ ختم ہو گئی۔ جبریہ محنت کا قانون بتدریج نافذ ہو گیا اول اول یہ قانون اس طبقہ پر عاید کیا گیا جو اپنی روزی کے لئے مزدوری کرنے پر مجبور نہ تھا یعنی سرمایہ دار

دبر جوازی طبقہ۔ اس قانون کی رو سے اس طبقے کے لوگوں کو علی الصبح پولیس اسٹیشن جانا پڑتا تھا جہاں ان کی حاضری ہوتی تھی بعد ازاں ان کو لکڑی فراہم کرنے۔ برف کھودنے۔ قبریں بنانے پاخانہ وبارکیں صاف کرنے پر لگا دیا جاتا تھا۔ کچھ عرصے بعد مزدور طبقہ کی بدعنوانیوں کی بنا پر ان پر بھی قیود عاید کردی گئیں سست کار مزدوروں کو سزا ملنے لگی۔ ہڑتال کو تشدد سے دبایا جانے لگا اور کارخانوں میں فوجی دستے تعینات کر دیئے گئے ان تمام تدابیر کے باوجود ملک کی اقتصادی زندگی میں انتشار ہی پیدا ہوتا جاتا تھا۔ بدحالی کی چند نمایاں اور اہم وجوہات حسب ذیل ہیں۔

(۱) مزدور طبقہ میں چونکہ تعلیم یافتہ و تجربہ کار لوگوں کی کمی تھی اسلئے نااہل لوگ ذمہ دار عہدوں پر مامور کر دیئے گئے تھے جن کی ناتجربہ کاری صنعت و حرفت کو تباہی کی طرف لیجا رہی تھی چنانچہ کسٹو نے دوران تقریر میں کہا "ہم نے صنعت و حرفت کو تماشا بنا دیا ہے ایک درزی معدنیات کا اور ایک مصور کپڑے کے کارخانہ کا منیجر مقرر کیا جا رہا ہے۔"

(۲) مرکزی اقتصادی کمیٹی جس میں اہل فکر و تجربہ کار بولشیوک تھے اور جو اشتراکی کارخانوں کی تنظیم میں سعی کر رہے تھے ان کے پاس اتنا کام تھا کہ عجلت طلب امور کو بھی طے ہوتے ہوتے عرصہ لگ جاتا تھا۔ یہ واحد امر ہی ملک کی اقتصادی حالت کو زیر و زبر کرنے کے لئے کافی تھا۔

(۳) سرمایہ دارانہ نظام میں اشیاء کی قیمت کی گرانی وارزانی سے یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ معاشرہ کو کس شے کی ضرورت ہے اور معاشرہ کا سرمایہ اور قوت عمل کس شے کے بنانے میں صرف ہونے چاہئیں۔ اگر بازار اور منڈیاں مفقود ہو جائیں تو جب تک بہت بڑے پیمانہ پر صحیح اعداد و شمار [illegible] کئے جائیں یہ

اندازہ ہونا ناممکن ہوجاتا ہے کہ سماج کو کس شے کی کتنی ضرورت ہے چونکہ ابتدائی زمانہ میں مزدور آمریت کو اس قسم کے اعداد و شمار دستیاب نہ تھے اسلئے معاشرہ کی ضرورت کا اندازہ بھی نہ تھا اور ہر شے بلا اندازے کے بنائی جارہی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جس شے کی ضرورت نہیں تھی وہ تیار ہو جاتی اور جس کی ضرورت ہوتی وہ تیار نہ ہوتی تھی۔

(۴) فیکٹریوں میں مکمل تعاون نہ ہونے اور ضروری اداروں کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے یہ معلوم نہ تھا کہ کس فیکٹری کو کتنی خام اشیاء درکار ہیں نیز چونکہ ذرائع رسل و رسائل بڑی خراب حالت میں تھے اس لئے اکثر یہ ہوتا تھا کہ ایک فیکٹری میں خام اشیاء بیکار پڑی ہیں اور دوسری فیکٹری ان کی کمی کی وجہ سے بند ہے۔ اس طرح خام اشیاء خراب ہو جاتی تھیں اور فیکٹری میں کام نہ ہوتا تھا نیز مزدور بیکار رہتے تھے۔

(۵) چونکہ سکہ ختم کر دیا گیا تھا اور کسی شے کی قدر معلوم کرنے کا کوئی عملی یا کسی طریقہ ہنوز ایجاد نہ ہوا تھا اس لئے کسی کو یہ علم نہ تھا کہ کسی شے کی کیا قدر ہے ہر شے کا تبادلہ اندازہ سے ہوتا تھا نیز یہ علم نہ تھا کہ معاشرہ جتنی اشیاء استعمال کر رہا ہے اتنی تیار بھی کر رہا ہے یا نہیں۔

(۶) چونکہ ناتجربہ کار اور ماہر مزدور کے روزینہ میں بہت کم فرق تھا اسلئے ماہر کاریگر کام سے جی چراتا تھا اس وجہ سے بھی کارخانوں کی پیداوار برابر کم ہوتی چلی جارہی تھی۔

(۷) شہروں میں اشیائے خوردنی کی کمی کی وجہ سے قیمتیں بڑھتے بڑھتے حسب ذیل ہو گئی تھیں۔

جنس	قیمت
(۱) مکھن آدھ سیر	۷ پونڈ ۱۰ شلنگ
(۲) شکر آدھ سیر	۸ " "
(۳) بکری کا گوشت آدھ سیر	۳ " "
(۴) گھوڑے کا گوشت آدھ سیر	۱۴ شلنگ
(۵) کتے کا گوشت آدھ سیر	۱ - پونڈ

عام مزدور اور حکومتی عمال کو جو روزینہ ملتا تھا وہ نہ صرف ناکافی بلکہ اس درجہ بوسیدہ و خراب ہوتا تھا کہ مزدور کے لئے شہروں میں رہ کر کارخانوں میں کام کرنا عذاب ہو گیا تھا۔ بہت سے مزدور فوج میں داخل ہو گئے تھے یا پھر شہر کی رہائش ترک کر کے دیہات میں چلے گئے تھے جہاں کم ہی سہی لیکن کھانے کے قابل خوراک مل جاتی تھی اسی باعث پیٹروگریڈ کی آبادی ۲۶۰۰۰۰ سے کم ہو کر ۶۰۰۰۰ رہ گئی تھی۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر پرولتاری طبقہ انقلابی تخیلات و عمل ترک کر کے دیہات کے گوشۂ عافیت میں جا بیٹھا زینوویف اس زمانہ کے حالات پر تنقید کرتا ہوا تحریر کرتا ہے "مزدور طبقہ غائب ہو گیا ہے کچھ دیہات میں آباد ہو گئے ہیں جو باقی ہیں ان کو مشکل سے روزی ملتی ہے۔ حالات کی ناسازی کا یہ عالم ہے کہ مزدور کو ہر ماہ پیشہ بدلنا پڑتا ہے" لینن نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا "جو لوگ کارخانوں میں کام کر رہے ہیں وہ مزدور طبقہ سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ ہر طبقے کے لوگ ہیں جو گردش ایام کی وجہ سے مزدوری کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں"

شہروں کی حالت زبون ہو جانے پر شہر والے کیوں نہ حقیر و بس ماندہ

دیہات کا رُخ کرلتے ۔ دیہات میں شہروں کی سی آسودگی تو نہ تھی لیکن اسی معنی میں وہ بہتر تھے کہ وہاں تازہ اشیائے خوردنی دستیاب ہو جاتی تھیں لیکن اس انقلابی زمانہ کا کسان زار کے زمانہ کا مہمان نواز کسان نہ رہا تھا۔ نفسی نفسی پڑی ہوئی ہو اور اجناس کی کمی ہر متنفس کو ستا رہی ہو ایسے دور میں کسی سے فراغدلی اور مہمان نوازی کی توقع رکھنی بھی عبث تھی۔ کسان اپنے دیہات کی چھوٹی سی جنت میں مسرور تھا۔ اس کو اب اشتراکی انقلاب سے نہ ہمدردی رہی تھی اور نہ تعلق ۔ اشتراکیت ۔ اقتصادی مساوات ۔ عالمگیر انقلاب کے تصورات اس کے ذہن میں کبھی نہ آتے تھے ۔ وہ انفرادی ملکیت کا دلدادہ تھا اور جب سے بڑے جاگیرداروں کی اراضیات غریب کسانوں کے ہاتھ آئی تھیں کسان کی نفسی کیفیت ایک چھوٹے سے جاگیردار کی سی ہو گئی تھی ۔

دیہات میں صرف ۲۴ فی صدی غریب کسان رہ گئے تھے باقی جاگیرداروں کی غصب کی ہوئی اراضی کی بدولت امیر بن گئے تھے۔ شہروں سے بھوک کی ماری مخلوق گاؤں جاتی کسی کسان کے مکان پر دستک دیتی وہ دروازہ بھی نہ کھولتا بلکہ اپنے کچے مکان کی کھڑکی سے شہری پر حقارت آمیز نظر ڈالتا اور اس کو دھتکار دیتا یہ وہی برتاؤ تھا جو شہری کسی زمانہ میں دیہاتی کے ساتھ روا رکھا کرتے تھے۔ قدرت کس وقت کس طرح انتقام لیتی ہے اس کے متعلق کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی ہاں یہ تدبیر کی جا سکتی ہے کہ ہمیشہ اور ہر حال میں بنی نوع انسان سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آیا جائے۔ محلوں کے رہنے والے غریب کسان کے جھونپڑے کے سامنے دریوزہ گری کرتے دکھائی دیتے تھے یہ تبدیلی انقلاب کا ادنی کرشمہ ہوتی ہے لیکن انسان کی غفلت اتنی گہری ہے کہ وہ مستقبل کی طرف پشت کئے اپنی پیدا کردہ تاریکی میں رہتا ہے اور

جب تاریخی رجحانات اس کو فنا کرنے پر مائل ہوتے ہیں تب حالات کی ناسازگاری اور تقدیر کا شکوہ کرنا شروع کر دیتا ہے۔

اس زمانہ میں گاؤں میں عجیب و غریب منظر دکھائی دیتے تھے وہ پیانو جن کے نغمے رات کے سکوت میں امیروں کی بزم سرود میں حوریاں پری پیکر کو رقص میں لاتے تھے ان کو کسانوں نے اپنی مرغیوں کے ڈربوں میں تبدیل کر لیا تھا۔ ٹوپ ہیٹ جو کبھی غرفائے شہر کے مغرور سر کو زیب دیتا تھا وہ اب ایک بڈھے کسان کے سر پر دکھائی دیتا تھا۔ پشم کے نرم و نازک کوٹ جو طلسمی دوشیزاؤں کے لئے وجہ حسن و زیبائش تھے آج ایک دیہاتی لڑکی کی کمر پر نظر آتے تھے۔ بلیرڈ کھیلنے کی میز کی ہری خوشنما بانات کی قمیص کسان کے کمسن بچے پہنے پھرتے تھے غرض یہ کہ دوران انقلاب میں غریب طبقات نے امیر طبقات سے جو خراج مع سود در سود وصول کیا تھا اس کی نوعیت کے مظاہر سے روس کے گوشے گوشے میں دیکھے جا سکتے تھے۔ امیر طبقات کو ان کی صدیوں کی خفتگی اور دوامی قدور سے لاپروائی کی وہ سزا ملی کہ دوزخ بھی پناہ مانگ اٹھی لیکن اہرمن کی طلسم کاری ایسی ہے کہ اگرچہ روسی انقلاب کی خونچکاں داستان تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہے لیکن کوئی نظر نہیں جو اس کو دیکھے اور عبرت حاصل کرے۔

ایک آمریت جو مزدور اور بحری و بری فوج کی مدد پر استوار کی گئی ہو یہ کیسے برداشت کر سکتی تھی کہ شہر جہاں کارخانوں میں لاکھوں کی تعداد میں مزدور طبقہ کام کرتا ہو اور جہاں بحری و بری چھاؤنیاں ہوں وہ اشیائے خوردنی کی کمی کی وجہ سے تباہ ہو جائیں۔ شہروں کو زندہ رکھنے کے لئے غلہ کی فراہمی کا مسئلہ شدید ترین شکل میں حکومت کے سامنے آ رہا تھا۔ حکومت کو اشیائے خوردنی کی احتیاج اس درجہ تھی کہ وہ غلہ کو حکومت کی اجارہ داری

میں لانے کے لئے مجبور ہوگئی تھی۔ لیکن جب تک رعایا تعاون نہ کرے کسی حکومت کے احکامات کالعدم ہی رہتے ہیں۔ حکومت کے اجارہ داری کے لئے قانون نے دیہات میں شدید بے چینی پیدا کردی تھی۔
اگر شہروں کی صنعت و حرفت کسان کو غلّہ کے عوض کچھ سامان دے سکتی یا معاشرہ میں بولشیوک حکومت کے قیام اور ان کے سکہ روبل کی قدر کا اعتبار ہوتا تب شاید کسان غلّہ دینے پر تیار ہو جاتا۔ لیکن کارخانوں میں جو اشیاء بنائی جا رہی تھیں۔ وہ فوج اور مزدور طبقہ ہی کے لئے کافی نہ ہوتی تھیں ان حالات میں شہر غلّہ کے عوض میں دیہات کو کیا دے سکتا تھا اور بولشیوک حکومت ایسی کون سی پائیدار حکومت تھی کہ کاغذ کے روبل سکہ کے عوض کسان اپنی زندگی کا سہارا حکومت کو فروخت کر دیتا۔ مجلس دستور ساز کو فوجی دستے کے ذریعہ سے منسوخ کرنے پر کسان پہلے ہی سے خشمناک تھا اس پر غلہ کی اجارہ داری کے قانون کا تازیانہ پڑنے پر کسان حکومت سے نبرد آزمائی کرنے پر تیار ہو گیا۔ اس زمانہ میں کسان کہتا تھا جرمن اس بولشیوک حکومت کو فنا نہ کر سکے لیکن ہم کسان اس کو تباہ کرکے ہٹیں گے۔ دو حریف مقابل جن کو یہ یقین ہو کہ معرکہ میں شکست موت کی مترادف ہوگی تو وہ کونسا ایسا ظلم و ستم ہوگا جس کو مد مقابل اس شدید اور سنگین حالات میں روا نہ رکھیں سکے۔ جہاں زندگی و موت کا سوال ہو وہاں انسان برہنہ طاقت سے کام لیتا ہی ہے چنانچہ غلہ کی جبریہ فراہمی کے لئے حکومت نے دیہات میں اپنے چیدہ چیدہ عمال اور ان کی کمک کے لئے فوجی دستے روانہ کر دیئے۔ حکومت کے مسلح سنیروں کے غلہ طلب کرنے پر کسان نے اس کو زمین دوز کر دیا۔ حکومت

کے تشدد کرنے پر کسان نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا غرض کہ تمام ملک میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اسی زمانہ میں غلہ کی جبر بہ فراہمی کے سلسلے میں چیکا کا ادارہ جو بعد میں چل کر P.U.V. O کے نام سے منظر عام پر آیا۔ چیکا کے ادارے کو انسان کی زندگی و موت پر اختیار تھا۔ چنانچہ کسانوں اور ان عناصر کا جو کسان کو حکومت کے خلاف تحریری۔ تقریری سازشی مدد دے رہے تھے قتل عام ہونے لگا۔ کسانوں کو سرزنش کے سلسلہ میں حکومت نے دوسری تدبیر یہ کی کہ دیہات میں غریب کسان کی تنظیم کرنی شروع کر دی اور غریب و امیر کی آپس کی طبقاتی کشیدگی سے فائدہ اٹھا کر غریب کسان کو کولک یعنی امیر و متوسط درجے کے کسان کے خلاف برسرپیکار کر دیا۔ غریب کسان نان شبینہ کو محتاج زندگی سے اکتایا ہوا حکومت کا اشارہ پا کر امیر کی ملکیت پر بھوکے درندے کی طرح جا پڑا اور امیر و متوسط درجہ کے کسان ہتھیاروں سے مسلح ملکیت و عمارت کے نشہ میں سرشار غریب کو خس و خاشاک کی طرح خاکستر کرنے لگے اس تصادم کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام روس میں قیامت برپا ہوگئی۔

مزدور آمریت کو مشکلات میں گھرا ہوا دیکھ کر ملک کے سرمایہ دار و برجوازی طبقات علانیہ طور پر حکومت کے خلاف میدان عمل میں اتر آئے۔ ان رجعتی عناصر نے تمام ملک میں "خدام ملک" "انجمن حریت" اور اسی طرح انواع و اقسام کے نام سے حکومت کے خلاف جماعتیں تیار کر لیں اور باقاعدہ مخالفت شروع کر دی۔ ان حالات میں اشتراکی نظام کی تشکیل کا نہیں بلکہ مزدور آمریت کے قیام کا مسئلہ زیادہ اہم ہوگیا۔ رجعتی عناصر کی حریفانہ جد و جہد کا رد عمل بولشیوک پر یہ ہوا کہ وہ ہر جائز و ناجائز طریقہ سے مزدور آمریت کو زندہ رکھنے کی سعی بلیغ کرنے لگے۔

خانہ جنگی اور سرمایہ دار ممالک کی ریشہ دوانیاں

اشتراکی انقلاب چونکہ معاشرے کے ہر گوشہ کو متاثر کر رہا تھا اس لئے اس کے محاذ بھی متعدد اور مختلف تھے اگر ایک جنگی محاذ تھا تو دوسرا سیاسی۔ اگر ایک جانب صنعت و حرفت پر حملہ تھا تو دوسری سمت زراعت پر پیش قدمی۔ تیسری طرف پر جوازی تمدن کے خلاف جہاد تھا تو چوتھی جانب مروجہ مذہب کے خلاف اقدام۔ انقلاب جو انسانی زندگی کی تشکیل نئی بنیادوں پر کرنا چاہتا ہے اس کے لئے بیک وقت معاشرے کے ہر پہلو پر محاذ بنانا ناگزیر ہو جاتا ہے چنانچہ بولشیوک معاشرے کے ہر مورچے پر جارحانہ کارروائی میں مشغول تھے۔ صنعتی و حرفتی اور زراعتی محاذ کا مختصر سا حال گذر چکا ہے۔ یہاں جنگی محاذ کا ذکر ہو گا لیکن ناظرین کو مختلف ابواب سے یہ خیال نہ کرنا چاہئے چونکہ مختلف محاذوں کا ذکر علیحدہ علیحدہ کیا جا رہا ہے اس لئے ان کا زمانہ بھی مختلف ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ بیک وقت ان تمام محاذوں پر جارحانہ کارروائی ہو رہی تھی اور ایک محاذ دوسرے سے متاثر ہو رہا تھا۔

بنی نوع انسان کا تاریخی ارتقا اس طرح ہوتا ہے کہ ہر تاریخی دور اپنی نفی پیدا کرتا ہے۔ اس اثبات و نفی کے امتزاج سے تیسرا دور پیدا ہوتا ہے جو مستقبل

میں انسانی تمدن کی سنگ بنیاد بن جاتا ہے پھر یہ نیا تمدن ترقی کرتا کرتا اپنے کمال تک پہنچتا ہے یہ ترقی یافتہ دور کچھ عرصے بعد خود اپنی نفی پیدا کرتا ہے اور از سرِ نو نئے دور کی تشکیل شروع ہو جاتی ہے۔ تاریخی ارتقا اسی گردش کا نام ہے لیکن یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ تاریخ کے کسی دور کا منفی آسانی سے وجود میں نہیں آتا بلکہ پرانے تمدنی دور کے بطن سے اس کے منفی کو طاقت کی دایا نکالتی ہے۔ یہاں یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مثبت و منفی کے امتزاج سے جو تیسرا دور پیدا ہوتا ہے اس میں ایک نئی شکل میں دونوں دوروں کی خصوصیات ہوتی ہیں۔ خانہ جنگی کسی انقلاب کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے یہی نئے تمدن کی دایا ہوتی ہے۔ انقلاب ابتداءً اسی کی گود میں پرورش پاتا ہے۔ یہ تاریخ عالم کا ازلی قانون ہے۔ اس کے مطابق بولشیوک کو بھی خانہ جنگی کی آگ سے گزرنا پڑا۔

رجعتی عناصر کی فوجی تنظیم شروع کرلنے پر بولشیوک نے بھی ٹروٹسکی کے زیر صدارت ایک انقلابی جنگی کمیٹی بنا لی اور سرخ فوج کی تعمیر میں سرگرم ہو گئے زار کے زمانہ کے جنرلوں کی جارحانہ کارروائی پر سرخ فوج بھی ان کی سرزنش کے لئے تیار ہو گئی اور متعدد محاذوں پر رَن پڑنے لگے۔ جو فوج پسپا ہوتی صنعت و حرفت۔ زراعت و تجارت۔ شہر و دیہات۔ ضروریات زندگی اور سامانِ حرب کو غارت و تاراج کرتی ہوئی ہٹتی ملک میں طوائف الملوکی ہو جائے چپے چپے پر نبرد آزمیاں ہوں اور جو فریق پسپا ہو وہ ہر شے نظر آتش کر دے ان حالات میں کسی ملک میں سوائے آنسوؤں اور چند آہوں کے کیا باقی رہ سکتا ہے۔ اس زمانہ میں روس ایک محل کدہ بنا ہوا تھا۔ سرخ فوج اگرچہ ہر مخالف کو سختی سے دبا رہی تھی لیکن اس کی تعمیری سختی میں تنظیم تھی۔ بولشیوک کا جبر و قہر جمہور پر اتنا شدید اور تباہ کن نہ تھا جتنا کہ رجعتی

سفید فوج کا مزدور آمریت کی سخت گیری میں حکومت کا وقار و سلیقہ موجود تھا اس کے برخلاف زار کے جنرلوں کی سفید فوج میں غیر ملکیوں کی بربری نفسیاتی کیفیت نمایاں تھی ان کے ظلم و ستم میں قزاقیت کا عنصر غالب تھا چنانچہ جمہور کی سفید فوج کی فتح سے زاریت اور دور رفتہ کے جور و ستم عود کر آنے کا خوف پیدا ہو گیا اور عوام کی رجعتی جنرلوں سے بے التفاتی بڑھتی گئی۔

خانہ جنگی شروع ہوتے ہی بولشیوک کے مخالف اخبارات زیادہ دلیر ہو گئے اور علانیہ طور پر بیرونی طاقتوں کو روس میں آکر امن و امان قائم کرنے کی دعوت دینے لگے۔ کوئی حکومت اس درجہ آزادی تحریر برداشت نہیں کر سکتی اس لئے مئی ۱۹۱۸ء کو بولشیوک کے حکم سے تمام مخالف اخبارات بند اور مخالف پارٹیوں کا سوویٹ کے اداروں سے اخراج کر دیا گیا۔ بولشیوک کی مخالف بائیں اشتراکی انقلاب پارٹی نے اس کا یہ جواب دیا کہ اکابر بولشیوک پر قاتلانہ حملے شروع کر دیئے۔ اس سلسلہ میں پہلا قتل مشہور بولشیوک دلوڈارسکی کا ہوا۔ چیکا نے اس قتل کا بدلہ صدہا رجعتی سروں سے لیا۔ چیکا کے قصاص کے جواب میں بائیں اشتراکی پارٹی نے نہ صرف ماسکو میں علم بغاوت بلند کیا بلکہ جرمن سفیر مرباخ مقیم ماسکو کو قتل کر دیا۔ اس اقدام سے ان کا یہ مقصد تھا کہ بولشیوک اور جرمنی میں از سر نو جنگ شروع ہو جائے اور اس طرح بولشیوک جرمن ہاتھ سے فنا ہو جائیں۔ بربری نہ تھی۔ کسی سفیر کا قتل دو حکومتوں کو برسر پیکار کر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے بغاوت دو گھنٹے میں فرو کر دی گئی لیکن جرمنی نے اپنے سفیر کی حفاظت کے لئے ماسکو میں جرمن فوج رکھنے کا مطالبہ کر دیا۔ کوئی خود مختار حکومت کسی دوسری حکومت کے اس مطالبہ کو نہیں مان سکتی لینن نے نہ صرف مطالبہ

مسترد کیا بلکہ یہ اظہار بھی کر دیا کہ جرمنی کی طرف سے کوئی اس قسم کی سعی اعلان جنگ کے مترادف خیال کی جائے گی مزدور امریت کی خوش قسمتی تھی کہ اس زمانہ میں جرمنی اپنے مغربی محاذ پر اس درجہ پھنسا ہوا تھا کہ مشرق میں کوئی جارحانہ عملی کارروائی نہ کر سکتا تھا اس طرح نو عمر مزدور آمریت پر آفت ناگہانی آتے آتے ٹل گئی لینن پر اشتراکی انقلابی جماعت کے اس باغیانہ اقدام کا ردِ عمل شدید ہوا۔ اس سلئے تمام جمہوری روایات اور صلح و آشتی کے رویہ کو ترک کر کے برہنہ آمریت قائم کر دی اب تک مخالف جماعتیں سویٹ کے انتخابات میں حصہ لیتی تھیں اور ان کو حکومت میں غیر اعتمادی کی رائے منظور کرلنے کا بھی حق تھا لیکن ان واقعات کے بعد ان سے تمام مراعاتی حقوق چھین لیئے گئے اور ان کے خلاف آہنی تشدد روا کر دیا گیا۔ ضبط و تحمل کی حد ہوتی ہے حسنِ سلوک کا جواب بغاوت اور سفیر کے قتل سے ملنے پر بولشیوک ہمہ تن قہر و جبر بن گئے۔ جبر و قہر اور اس کے ردِ عمل کی زنجیر اس وقت ٹوٹتی ہے جبکہ دو حریفوں میں سے ایک بالکل تباہ ہو جائے اسی لیئے تشدد کسی مقصد کے حصول کے لیئے آخری حربہ ہونا چاہیئے نہ کہ ابتدائی۔ موتشیوک۔ اشتراکی انقلابی و دیگر جماعتوں پر مزدور آمریت کے برہنہ تشدد کا ردِ عمل یہ ہوا کہ انھوں نے اکابر بولشیوک پر از سر نو قاتلانہ حملے کرلنے شروع کر دیئے۔ لینن اور ٹروٹسکی خوش قسمتی سے بچ گئے لیکن آراٹسکی ان کی گولی کا نشانہ بن گیا۔ اس قتل کا اور دیگر ناکامیاب قاتلانہ اقدامات کا جواب سرخ فوج اور چکا نے بھی بربریت سے دیا ہزار ہا مخالفین نذرِ دار کر دیئے گئے اور بولشیوک اخبارات نے مقتولین کی فہرستیں نشر کر دیں۔ نہ معلوم کتنے لاکھ انسانوں کا خون بہا۔ انسانی تباہ کاری کے سامنے قدرت کی بظاہر تخریبی لیکن درحقیقت تعمیری ہولناکیاں پھیکی پڑ جاتی ہیں۔

ہنوز خانہ جنگی کا آتشیں بازار گرم تھا کہ مغربی یورپ میں انقلاب رونما ہو گیا نومبر ۱۹۱۸ء کو جرمنی، آسٹریا ہنگری اور ان کی دوسری معاون حکومتوں کو شکست اور اتحادیوں کو فتح ہو گئی۔ اس شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ وسطی یورپ میں اشتراکی انقلاب کے آثار نمایاں ہو گئے اور لینن کو اپنے دیرینہ خواب کی تعبیر پوری ہوتی دکھائی دینے لگی۔ جرمنی کی شکست کے بعد برسٹ کا شرمناک معاہدہ خود بخود کالعدم ہو گیا اور بولشیوک نے بلا کسی مزاحمت کے ان علاقوں پر از سر نو قبضہ کر لیا جو جرمنی کو دیئے جا چکے تھے۔ اس معاہدہ کو منسوخ کرتے ہوئے لینن نے اعلان کیا "روسی اور جرمنی پرولتاری کی مشترکہ سعی و کوشش سے برسٹ کا معاہدہ ختم ہو گیا ہے" وسط یورپ میں اشتراکی انقلاب کے امکان سے سب روسی قائد مسرور نظر آتے تھے اور ان امکانات کو حقیقت حال بنانے کی سعی میں روسی انقلاب کو قربان کرنے کے لئے تیار تھے کہ ایک اور مشکل رونما ہو گئی دول متحدہ نے فتح پاتے ہی مزدور آمریت کو جس کے اثر سے وسطی یورپ میں اشتراکی انقلاب کا خطرہ پیدا ہونے لگا تھا ختم کرنے کی ٹھان لی اور اس اصول کے مطابق کہ باد صبا کو عطر بیز نہ ہونے دینا ہو تو کلی کو شگفتہ ہونے سے قبل ہی توڑ ڈالنا چاہیئے مغرب کے سرمایہ دار ملکوں نے اشتراکیت کی کلی کو چٹکنے سے پہلے ہی مسل ڈالنا چاہا۔ دول متحدہ کو خطرہ تھا کہ کہیں اس اشتراکی غنچہ کی خوشبو مغربی یورپ کے مزدور طبقہ کو اپنا متوالا نہ بنا لے اس خوف کی بنا پر سرمایہ دار ممالک نے روس کے رجعتی عناصر کی اسلحہ و زر و مال سے امداد کرنی شروع کر دی۔ اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ مارمنسک۔ باکو۔ ریول پر انگریزی اور ولاڈی واسٹاک پر جاپانی، ٹفلس پر اطالوی اور اوڈیسا پر فرانسیسی افواج لنگر انداز ہو گئیں نیز ۸۵ ہزار چیکو سلاؤ فوج کو جو دوران جنگ میں روسیوں نے پکڑ لی تھی اور سائبیریا میں مقید

تھی ہتھیاروں سے آراستہ کرنے کے بعد زار کے ایک جنرل کوچک کے سپرد کر دیا برطانوی افواج نے شمالی روس پر قدم رکھا تھا کہ لندن سے فوراً اعلان ہوا:۔

"باشندگان روس تمہارے دیرینہ دوست انگلستان نے تم کو فراموش نہیں کیا ہے ہم تمہاری مدد کے لئے دوست کی حیثیت سے آرہے ہیں ہم نے تمہاری آزادی و خودمختاری کا علم بلند کیا ہے۔ تم کو چاہیئے کہ اس کے سائے میں آجاؤ۔ جارحانہ کارروائی سے ہمارا مقصد روس کو ایک آزاد و طاقتور حکومت بنانا ہے اپنے اخلاقی مشن کے پورا ہونے پر ہم اپنے ملک واپس چلے جائیں گے۔

جاپانی افواج نے ولاڈی واسٹک پر لنگر ڈالے ہی تھے کہ ٹوکیو نے اپنے اعلان میں انگلستان سے بھی زیادہ روسیوں کے ساتھ خلوص و گرم جوشی کا اظہار کیا پھر کس سے بھی ایک محبت آمیز اعلان نشر ہوا اس دنیا میں کون اتنا بے خبر ہوگا جو اس قسم کے اعلانات کا اصل مفہوم نہیں سمجھتا۔ ان اعلانات کے نشر ہوتے ہی تمام روس کو یہ گمان گذرا کہ ملک کی کمزوری و بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر سرمایہ دار ممالک اس کے حصے بخرے کرنا اور ان کو اپنے تصرف میں لانا چاہتے ہیں حقیقت بھی یہی تھی کہ خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر سرمایہ دار ممالک روس کے مختلف حصص کو اپنے تصرف میں لانا چاہتے تھے۔ ان ممالک کو کیا خبر تھی کہ ان کے اس جارحانہ اقدام کا ردعمل خود ان کے مفاد ہی کے خلاف ہوگا۔ روس کی سرزمین پر حلانیہ لنگر انداز ہونا اور رجعت پسند روسی جنرلوں کو مدد دینا ملکی و غیر ملکی سرمایہ دار عناصر کے لئے زہر قاتل اور بولشیوک کے لئے آب حیات ثابت ہوا۔ یہ ایک ناقابل تردید نفسی حقیقت ہے کہ جیسے ہی کوئی بیرونی طاقت کسی ملک پر حملہ آور ہوتی ہے فوراً ہی جمہور کی رگ و پے میں حب الوطنی کا جذبہ برق کی طرح دوڑنے

لگتا ہے اور وہ اپنے خانگی منا قشے پس پشت ڈال کر حملہ آور کے مقابلہ پر آ جاتے ہیں۔ جو افراد عملی مدد نہیں کرتے وہ جارحانہ مخالفت بھی نہیں کرتے چنانچہ روسی جمہور خارجی افواج سے برد آزمائی پر آمادہ ہو گئے۔

سوویٹ روس کی تاریخ میں ۱۹۱۹ء یادگار رہے گا چونکہ اس سال کی ابتدا ہی میں ٹروٹسکی کی جانفشانی سے ۳۰ لاکھ منظم فوج وجود میں آ گئی۔ اسی سال جبریہ فوجی خدمت کا قانون نافذ ہوا اور فوج کا اپنے افسران کو خود منتخب کرنے کا حق منسوخ کر دیا گیا نیز زار کے زمانہ کے ماہرین جنگ کو فوج میں اعلیٰ عہدے دیئے جانے لگے۔ اس زمانہ میں ٹروٹسکی کی حسن تدبیر اور جانفشانی کا ذکر کرتے ہوئے لینن نے گورکی سے کہا:

> تم بتاؤ ٹروٹسکی جیسا دوسرا فرد کون ہے۔ اس تنہا شخص نے ایک سال کے قلیل عرصے میں ایک ایسی فوج منظم کر دی ہے جس پر ہم بجا طور پر ناز کر سکتے ہیں اس کی دوسری اہم کامیابی یہ ہے کہ اس نے زار کے زمانہ کے فوجی عہدے داروں اور ماہرین جنگ کا تعاون حاصل کر لیا ہے۔ جب ہمارے ساتھ ایک ایسا انسان ہے تو گویا ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔ اب تم کامیابی و کامرانی کے معجزے دیکھو گے!

تاریخ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جس شخص نے مصائب و فنا کے اندھڑ لئے ہوئے طوفان سے روس کو بچا لیا وہ کل کے شریک کار کے بغض و عناد سے اپنے آپ کو مکان کی چار دیواری میں نہ بچا سکا ٹروٹسکی فوج کی تنظیم میں منہمک تھا اس کی مشغولیت و سعی کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ تین سال تک اپنا آرام و آسائش ترک کر کے ایک ریل کو اپنا مسکن بنائے رہا اور فوجی ضرورت

کے ماتحت ہمیشہ نقل وحرکت ہی میں رہا۔ تین سال تک روز وشب سفر کرنا معجزہ معلوم ہوتا ہے۔ جن دلوں میں بنی نوع انسان کے لئے تڑپ ہوتی ہے ان سے ایسے معجزات سرزد ہوتے رہتے ہیں کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ اسی بلاخیز سال کے دوران میں لینن نے مزدور آمریت کے مزید استحکام کے لئے بین الاقوامی سرمایہ داروں کے اتحاد عمل کے مدمقابل بین الاقوامی مزدور ادارہ یعنی کمیونسٹ انٹرنیشنل کی بنیاد ڈالی اس وقت سرمایہ دار ملکوں کا دو سمت سے مقابلہ کیا جا رہا تھا ایک انقلابی فوج کو منظم اور مسلح دوسرے کمیونسٹ انٹرنیشنل کے ذریعہ سے مدمقابل ملکوں کے مزدور طبقے کی عملی ہمدردی حاصل کرکے قوت مدافعت بڑھائی جا رہی تھی، ۱۹۱۹ء سے سرخ فوج اور کمیونسٹ انٹرنیشنل انقلابی طاقت کے دو زبردست رکن رہے ہیں لیکن خام مدبروں کی غلط کاری دیکھئے کہ آج اشتراکیوں نے خود اپنے ہاتھوں سے کمیونسٹ انٹرنیشنل کو فنا کردیا۔

لینن خانہ جنگی کے زمانہ میں فوج کے لئے نوجوان۔ اشیائے خوردنی۔ لباس واسلحہ اور دیگر سامانِ حرب کے مہیا کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں وہ ہر روز مختلف کارخانوں میں جاکر پیداوار بڑھانے پر تقریریں کرتا تھا کہ ایک حادثہ رونما ہوا۔ حسب دستور ایک کارخانہ میں تقریر کے بعد واپس ہوا۔ موٹر میں بیٹھ رہا تھا کہ ایک کم عمر نحیف یہودی لڑکی نے بڑھکر لینن کو ایک رقعہ دیا۔ وہ اس کے مطالعہ میں مشغول ہوا کہ لڑکی نے پستول نکال اس پیکر انقلاب کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ لینن سخت زخمی ہوکر گرا اور فوراً صدر دفتر لیجایا گیا۔ کئی روز تک نہایت نازک حالت رہی لیکن چونکہ مصائب برداشت کرنے کا شروع سے عادی تھا اور قوت برداشت موجود تھی اس لئے اس حملہ کو بصد خرابی سنبھال ہی لیا اس حادثہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ بولشیوک سراپا غیظ وغضب بن گئے نہ معلوم

کتنے ہزار رجعت پسند طبقوں کے افراد کو اس کم عمر لڑکی کے اقدام کا بدلہ اپنے خون سے دینا پڑا

۱۷/ ستمبر کو لینن صحت یاب ہو کر صدر دفتر آیا اس وقت حالات بڑے نازک تھے تین چوتھائی ملک دشمنوں کے تصرف میں تھا۔ کولک۔ کوسک سفید روسی — وسطی روس پر قابض تھے۔ مشرق میں جنرل کولچک نے بحر الکاہل سے لگا کر دریائے والگا تک اپنا اثر قائم کر لیا تھا۔ جنوب میں جنرل ڈینکن نے تمام زرخیز علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ شمال و مغرب میں جنرل یوڈینچ پیٹرو گریڈ کی سمت بڑھ رہا تھا۔ باکو کے تیل کی ہوس میں چند انگریز افسر فوج فراہم کر کے فارس کے راستہ سے حملہ آور ہو گئے تھے۔ ٹفلس میں اطالوی افواج وارد ہو گئی تھیں فرانس نے یونانی فوج کے چند دستے روس کی مشہور بندرگاہ اوڈیسا پر اتار دئے تھے۔ چونکہ جنرل کولچک نے صلح کے بعد سرمایہ دار ملکوں کو کثیر تاوان اور ملک کی صنعت و حرفت کی اجارہ داری دینے کا وعدہ کر لیا تھا مغربی ممالک نے اس کو حاکم روس تسلیم کر لیا تھا اس لئے بولشیوک سب سے قبل جنرل کولچک ہی سے نبرد آزما ہوئے۔ بولشیوک کی حسن تدبیر اور شجاعت نیز جنرل کولچک سے اتحادیوں کی غداری کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بولشیوک کی اسیری میں آ گیا اور بعد میں قتل کر دیا گیا۔ مشرق سے فارغ ہو کر سرخ فوج نے جنرل یوڈینچ کا رخ کیا اور یہاں بھی ہمت مردانہ نے ان کو سرخ رو کیا۔ اس فتح کے بعد وہ جنرل ڈینکن کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس محاذ پر بولشیوک کو شکست ہوئی اس شکست نے مغلوب عناصر میں نئی روح پھونک دی اور جنرل یوڈینچ از سر نو پیٹرو گریڈ پر حملہ آور ہو گیا۔ اس مرتبہ دونوں محاذوں پر خطرہ پیدا ہو گیا اور بولشیوک افواج پسپا ہوتی چلی گئیں۔ مستقبل میں حالات و واقعات کیا رخ

بدلتے ہیں اس کا کسی کو علم نہیں ہوا کرتا البتہ حکیمانہ نظر رکھنے والوں کو یہ یقین ہوتا ہے کہ صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے والوں کے لئے اگر اپنی سعی نہیں تو دوسروں کی غلطیاں ہی وجہ کامیابی ہو جایا کرتی ہیں۔ جنرل ڈینکن نے یہ غلطی کی کہ قزاقیت سے کام لینا شروع کر دیا اور کسان و جمہور کو اتنا لوٹا کھسوٹا کہ بولشیوک کا جبر و تشدد ان کے دلوں سے محو ہو گیا اور وہ نئی آفات و آلام سے رہائی پانے کے لئے از سر نو کریملن کو تکنے لگے۔ کسان و جمہور کی نفسی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر بالشیوک نے ان کو رجعتی جنرلوں سے نبرد آزمائی پر آمادہ کر دیا۔ سامنے سے سرخ فوج حملہ آور ہوئی پشت سے کسانوں اور عوام کی گوریلا فوج نے دھاوا بول ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دسمبر ۱۹۱۹ء کو ڈینکن کو شکست فاش ہوئی بولشیوک کے خلاف اس آخری مزاحمت کے فرو ہو جانے سے دول متحدہ شرم میں ڈوب گئیں۔ لندن و پیرس میں ماتم برپا ہو گیا اور انگلستان کے وزیر خارجہ لارڈ کرزن کا حسب ذیل تار لینن کے نام موصول ہوا؟

> "کچھ عرصے سے مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ مسلسل فوجی جد وجہد جاری رکھنا نامناسب ہے میں نے جنرل ڈینکن پر اثر ڈالا ہے کہ وہ فوراً صلح کر لیں۔ ہمارا ملک جنرل ڈینکن اور ان کی فوج سے خاص طور پر وابستگی رکھتا ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ آخر دم تک ان کی مدد کرتے رہیں اب جب کہ ان کو شکست ہوئی ہے ہمارے لئے لازم ہے کہ ان کو تباہی و فنا سے بچائیں ہم یہاں صلح کی گفتگو کے لئے سوویٹ نمائندوں کا انتظار کر رہے ہیں"

سلطنت برطانیہ کے وزیر خارجہ کے اس تار سے اکابر بولشیوک کو یہ یقین ہو گیا کہ مخالف عناصر کو شکست ہو گئی اور اشتراکی زندگی کی تشکیل کا وقت آ گیا لیکن یہ امید موہوم ہی ثابت ہوئی چونکہ دول متحدہ کے اشارے سے اپریل

۱۹۲۰ء کو پولینڈ نے مزدور آمریت کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ چونکہ مزدور آمریت خانہ جنگی نیز سرمایہ دار ممالک کی جارحانہ سازشوں سے نحیف ولاغر ہوگئی تھی! اس لئے یوکرین کے زرخیز علاقہ۔ باکو کے تیل کے چشمے اور دریائے ڈان کے آب رواں پر پولینڈ کی حریصانہ نظریں پڑنے لگیں اور جیسے ہی کہ اتحادیوں کے سامان سے لدے ہوئے جہاز پولینڈ پہنچے پولش افواج یوکرین میں داخل ہوگئیں۔ ایک جانب سرمایہ دار ملکوں کی عملی واخلاقی مدد ہو اور دوسری جانب صرف انقلابی جرأت اور اشتراکی یقین ہو ان حالات میں بظاہر پولینڈ کی فتح یقینی تھی لیکن سیاسی ردعمل نے دوبارہ بولشیوک کی مدد کی۔ دوسری قوم کے حملے کا ردعمل یہ ہوا کہ تمام روس اپنے سیاسی اختلافات محو کر صد قالب و یک جان ہو کر پولینڈ کے مقابلہ پر آگیا ۱۹۱۶ء کی جنگ کے ہیرو شہنشاہیت پسند جنرل بروزیلوف نے پولینڈ کے غیر ہمسایانہ رویہ اور اتحادیوں کی مذموم سیاست سے متاثر ہو کر یہ اعلان کیا:۔

> "جبکہ ہمارے دیرینہ جانی دشمن پول ان قوموں کی مدد سے جن کو ہم نے ابتدائے جنگ میں بربادی و تباہی سے بچایا ہمارے وطن پر حملہ آور ہو رہے ہیں میں دل وجان سے سرخ فوج کی فتح کا حامی ہوں۔ خدا میری مدد کرے۔"

بروزیلوف کے یہ چند سادہ جملے تمام رجعتی عناصر کی ترجمانی کر رہے تھے۔ سرمایہ دار۔ کارخانہ دار۔ انجینیر۔ ڈاکٹر۔ شہنشاہیت پسند فوجی ماہرین اور تمام سیاسی جماعتیں جو کل تک بولشیوک کی جانی دشمن تھیں آج ان کے دوش بدوش پولینڈ کے خلاف آکھڑی ہوئیں۔ اس اتحاد عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ پولش افواج کو شکست فاش ہوئی اور سرخ فوج پولینڈ میں داخل ہوگئی۔ دول متحدہ اپنے ایک پیادہ کو فنا ہوتے کب دیکھ سکتے تھے چنانچہ برطانیہ کے وزیر خارجہ لارڈ کرزن کا ایک تار ماسکو کے

نام حسب ذیل تار موصول ہوا:۔

"حکومت برطانیہ کی دلی خواہش ہے کہ پولینڈ اور روس کے درمیان صلح ہو جائے اس غرض کے لئے لندن میں فوراً ایک مجلس کا انعقاد ہونا چاہیئے اگر اس تار کا جواب جلد ملا تو برطانیہ خوش ہوگی اگرچہ برطانیہ اس جنگ میں غیر جانبدار ہے لیکن جمعیت بین الاقوامی کی طرف سے وہ پولینڈ کی حیثیت برقرار رکھنے پر مجبور ہے"

تار کا مضمون عام ہونے پر جری دل لیکن خستہ حال روسی فوج و جمہور صلح کے حامی ہو گئے لیکن پولینڈ کے حملہ کا حقیقی طبقات پر جو خوشگوار سیاسی رد عمل ہوا تھا اس نے لینن کے دل و دماغ میں ایک اور لہر دوڑا دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ پولینڈ کو اشتراکی جامہ پہنا کر وسطی یورپ کے اشتراکی رجحانات کی مدد کرنا آسان ہو جائے گا۔ جرمنی میں اگر اشتراکی انقلاب کر دیا گیا تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ تمام یورپ اشتراکی سیلاب سے سیراب ہو جائے گا۔ یورپ کا ہم مشرب ہو جانا دنیا کے اشتراکی ہو جانے کے مترادف تھا اس منطق سے متاثر ہو کر لینن نے جنگ جاری رکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اس کو امید تھی کہ پولینڈ کا غریب طبقہ سرخ فوج کی مدد کرے گا اس طرح آسانی سے کامیابی ہو جائے گی۔ ریڈک نے لینن کو اس اقدام سے منع کیا اور اس کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ سرخ فوج کے پولینڈ میں داخل ہونے کا وہاں کے جمہور پر وہی اثر ہوگا جو پولش فوج کے حملہ کا روسیوں پر ہوا تھا۔ لیکن لینن نہ مانا اور اس نے فوج کو خود احکامات صادر کرنے شروع کر دئے۔ باوجود انتہائی کوشش کے سرخ فوج پولینڈ کے دار السلطنت وارسا تک نہ پہونچ سکی۔ اس پر بھی متعدد اکابر بولشیوکوں کی رائے تھی کہ جنگ جاری رکھی جائے لیکن جب لینن نے یہ دیکھا کہ پولینڈ کا غریب و مزدور طبقہ بجائے

اپنی حکومت کے خلاف ہڑتال و بغاوت کرنے کے بولشیوک فوج سے برسر پیکار ہو رہا ہے نیز کریمیا میں جنرل رنگل نے بغاوت شروع کر دی ہے اس نے صلح ہی کرنا مناسب خیال کیا چنانچہ معرکہ ختم ہو گیا اور سرخ فوج روس واپس آ گئی۔

پولینڈ کی شکست کے بعد سرمایہ دار ملکوں کو روس کی مزدور آمریت کے استحکام کا یقین ہو گیا لیکن یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سرخ افواج سرمایہ دار ممالک کی آپس کی چپقلش اور ان ممالک کی افواج کے جنگ سے اکتا جانے نیز وہاں کے مزدور طبقہ کی اپنی حکومت کے خلاف اقتصادی جدوجہد کی بنا پر ہوئی لینن نے اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:۔

> "اگر ہم انقلاب کے بعد ایک سال تک زندہ رہ سکے اس کی وجہ یہ تھی کہ سرمایہ دار درندے دو گروہ میں منقسم ہو گئے تھے اور ان دونوں گروہ کے مفاد میں تضاد تھا۔ اس لئے ایک بھی کثیر فوج ہمارے خلاف روانہ نہ کر سکا"

چند بولشیوک نے اپنی فتوحات پر غرور کا اظہار کیا اس وقت بھی لینن نے یہی کہا:۔

> "سرمایہ دار ممالک چند ہفتوں میں ہم کو کچل سکتے تھے۔ ان کی چند لاکھ فوج ہم کو کچل دینے کے لئے کافی تھی"

جب کوئی جماعت بنی نوع انسان کی خدمت کو اپنا مسلک بنا کر انسانی غلامی کے خلاف جہاد کرتی ہے اس کی کمک پر تائید الٰہی آ ہی جاتی ہے۔ بولشیوک نے ایثار و قربانی سے کام لیا اس کا انعام بھی ان کو مل گیا جو جماعت آزمائش سے نہیں گھبراتی اسی کو قدرت حیات جاوداں عنایت کرتی ہے۔

کم و بیش تین سال کی مسلسل سعی و کوشش کے بعد جنگی حالات سے سکون پاکر بولشویک اقتصادی و سیاسی محاذ پر ایک دل اور ایک دماغ ہو کر متوجہ ہو گئے۔

سیاسی و اقتصادی محاذ

کسی نوخیز حکومت کے لئے اقتصادی و سیاسی محاذ پر فتح پانا آسان نہیں ہوتا خاص کر اس حالت میں جب کہ ایک نئی تہذیب و تمدن کی بنیاد ڈالی جا رہی ہو۔ خانہ جنگی کی ہولناکیوں نے ملک کی اقتصادی حالت کو تہہ و بالا کر دیا تھا اس پر تازیانہ یہ لگا کہ تمام سرمایہ دار ممالک روس سے عدم تعاون کرنے لگے۔ مصیبت ایک طرف سے نہیں آیا کرتی بلکہ چاروں طرف سے ایک ساتھ آتی ہے۔ خانہ جنگی اس پر سرمایہ دار ملکوں کی سازشیں پھر ان کا عدم تعاون۔ رجعتی عناصر کے ہاتھ سے ملک کی تباہی و بربادی اور معاشرتی زندگی کی ویرانی کسی ملک کے لئے کم مصائب نہیں ہوتے لیکن مرحبا و آفرین اس جماعت پر جس نے ان بھیانک حالات میں سعی و عمل سے منہ نہ موڑا۔ خانہ جنگی کا سب سے زیادہ ضرر رساں پہلو یہ ہوتا ہے کہ اس میں سعی و عمل جرأت و شجاعت انقلاب امنگ سے دھڑکتے ہوئے دل جو کسی انقلابی تحریک کے روح رواں ہوا کرتے ہیں، فنا ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں کی نفسی کیفیت کچھ ایسی ہوتی ہے کہ وہ جان فروشی کے موقع پر پیش پیش رہتے ہیں اور انسانی وقار و عظمت کے قیام کے لئے سب سے پہلے ان مجاہدوں کا خون ہی صرفِ تعمیر ہوتا ہے۔ دو ہے لیکن

بالائی نکل جانے پر اس میں انسانی جسم کو فربہ و توانا کرنے کی اہمیت نصف سے
بھی کم رہ جاتی ہے۔ اسی طرح کسی جماعت کے قلیل لیکن سراپا فہم و عمل معتدبہ حصے
کے تباہ ہونے پر جماعت کی تعمیری سعی میں بہت سی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ
تاکہ ہند اکابر رہبروں کے سوا سب جیسے حیات تھے لیکن جب تک جان فروش
جمہور اور فوج نہ ہو جنرل کچھ نہیں کر سکتے یا اگر اپنی ذہانت و شجاعت سے مدافعت کرتے
بھی ہیں ان کو غیر معمولی مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جن انقلابی جمہور کو ذوق سفر
ہو وہ فنا ہو چکے ہوں اور میر قافلہ بے ذوق راہیوں کو دشوار گزار راستہ سے لے کر
چلے ان حالات میں سردار قافلہ کو منزل طے کرنے میں زیادہ وقت لگنا اور تکلیف
ہونی لازمی ہے چنانچہ لینن کو انواع و اقسام کے مصائب و آلام سے مقابلہ کرنا پڑ رہا
تھا

روس سا شاداب و خوش حال ملک جہاں کی زرخیز زمین ابلتی ہوئی معدنیات
لہلہاتے ہوئے جنگل۔ امنڈتے ہوئے شیریں چشمے تمام یورپ کی حرص و ہوس
کے لئے دعوت عام بنے ہوئے تھے۔ خانہ جنگی کے بعد بلا روح کا قالب رہ گیا
تھا۔ کوئلہ کی اس درجہ کمی محسوس کی جا رہی تھی کہ مزدور آمریت نے ۱۸ سے لگا کر
۴۰ برس تک کے افراد کو اس کام پر متعین کر دیا تھا کہ وہ لکڑی کاٹیں اور اس
کے ذخیرہ فراہم کر کے ان کو ضرورت کی جگہ لے جائیں۔ کوئلہ کی قلت کی وجہ سے
معدودے چند ریل گاڑیوں کے علاوہ سب مجبوراً بند کر دی گئیں تھیں۔ انجن
کے خراب ہو جانے پر اس کو وہیں ایک طرف پٹڑی پر کھڑا کر دیا جاتا جہاں اس
پر گرد پڑتے پڑتے گھاس اُگ آتی تھی۔ فی صدی صرف چالیس انجن قابل
استعمال رہ گئے تھے اور ہر ماہ قریب ۱-۲ انجن خراب ہو جاتے اس پہ بدقسمتی
یہ تھی کہ اس مدت میں نصف انجن بھی مرمت نہ ہو پاتے تھے۔ انجن چلانے والے

ناتجربہ کار ہوں اور تجربہ کار ہونے کی شکل میں بھی ضروری اوزاروں اور آلات سے محروم ہوں تو ایسی حالت میں انجن۔ ریل گاڑی۔ موٹریں۔ ٹرک۔ موٹر سائکلیں کس طرح مدت تک کام دے سکتی تھیں اگر سرمایہ دار ملک روس سے عدم تعاون نہ کرتے بلکہ آلات و مشین سے روس کی مدد کرتے رہتے تو اس وقت یہ مشکل پیش نہ آتی اور ملک کی اقتصادی زندگی کی جلد ہی تعمیر ہو جاتی لیکن تاریخی حالات کون بدل سکتا تھا۔ مزدور آمریت سرمایہ دار سامریوں کو موسوی اژدہا معلوم ہو رہی تھی بس تو اگرچہ وہ اپنی باہم رنجشوں کی وجہ سے بالکل نہ مار سکے تھے لیکن اس کو مردہ دیکھنا چاہتے تھے روس کے ذرائع رسل و رسائل چونکہ خراب حالت میں تھے اس لئے غلہ و دیگر اجناس شہروں و کارخانوں میں نہیں پہونچ سکتے تھے۔ ذرائع رسل و رسائل خراب ہونے سے وہی مہیب صورت حالات رونما ہو جاتی ہے جو باران رحمت کے نہ ہونے سے پیش آتی ہے اگر ملک کے کسی گوشہ میں بے شمار غلہ اور خام اجناس موجود بھی ہوں لیکن وہ ضرورتمند بھوکی مخلوق کے پاس نہ لے جائی جا سکیں اس کے اثرات مثل سخت قحط سالی کے مرتب ہو جاتے ہیں روس میں ۳۰۰۔ انجن بنانے کے کارخانے اور ۳۹۰۰ ریل کے پل تباہ ہو گئے تھے۔ لوموتوسور ریلوے کے اعلیٰ انجینیر نے ملک کے رسل و رسائل کی خراب حالت کا انکشاف کرتے ہوئے کہا "اس سال کے اختتام پر موت ہے" ایک اکابر بولشویک ریکوت نے کہا "ترکستان میں ۸۰ لاکھ پوڈ (۱۔ پوڈ = ۳۶ ۱۱ پونڈ) روئی پڑی ہوئی ہے لیکن چونکہ ایک ہفتہ میں وہاں صرف دو مرتبہ ریل آتی جاتی ہے اس لئے اس روئی کو کارخانوں تک لے جانے میں صدیاں درکار ہونگی" یورال کی کانوں سے ایک ماہ

میں صرف ایک ریل گاڑی دھات لاتی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ یورال کے ذخیرے کا عشر عشیر بھی کارخانوں تک نہ پہونچ سکتا تھا۔ اس زمانہ میں شہری مزدور کو چار پانچ روز بعد آدھ سیر روٹی۔ اتنے ہی آلو۔ اس کے مساوی ہی سرسوں وغیرہ کا تیل اور ذراسی شکر ملتی تھی البتہ جو مزدور سامان حرب بنانے کے کارخانوں میں کام کرتے تھے ان کا روزینہ قدرے زیادہ تھا۔ مزدوروں کو حکومت کے اس روزینہ کے علاوہ کارخانے سے بھی خوراک ملتی تھی اس خوراک کی یہ نوعیت تھی کہ پتلے شوربے میں دو چار ڈبل روٹی کے ٹکڑے تیرتے ہوئے نظر آتے تھے اور بس کسی خاص روزینہ کا مزاید لینے کے لئے مچھلی بھی مل جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ مختصر سا روزینہ مزدور کی شکم سیری کے لئے کافی نہ ہوتا تھا اور وہ مختلف چالاکیوں۔ عیاریوں۔ غیر قانونی تدبیروں سے اپنے لئے خوراک بہم پہنچاتا تھا۔

زندگی میں بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ جرم گناہ نہیں رہتا اور بداخلاقی وقانون شکنی اخلاقی ضرورت ہوجاتی ہے تاکہ وہ معاشرتی خامی جو انفرادی طلبداتی بداخلاقی۔ قانون شکنی اور جرم وگناہ کی محرک ہے منظر عام پر آجائے اور عوام و خواص کی نظر اس کو دیکھ لے۔ چنانچہ کیسار ریکوف نے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"غلہ کی اتنی افراط ہے کہ اس کو ریلوے اسٹیشن پر حفاظت سے رکھنے کا انتظام نہیں ہو سکتا لیکن ذرائع رسل کی خرابی کی وجہ سے اس کو بھوکے عوام تک پہونچایا جا سکتا۔ مزدوروں کے جلسوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ ملک کی اقتصادی خوشحالی غلہ کی افراط پر منحصر ہے ان کا صرف یہ جواب ہے کہ ملک کی اقتصادی خوشحالی مزدوروں کے کام کرنے کی اہلیت پر منحصر ہے۔ اقتصادی معاملات کے کسی گوشہ پر نظر ڈالی جائے وہاں اشیاء کی کمی کے

مسئلہ کا صرف یہی حل ذہن میں آتا ہے کہ مزدور کے کام کرنے کی
اہلیت بڑھائی جائے غلّہ اور ایندھن کی کمی نہیں ہے۔"

محکمہ خوراک کا کمیسار اس زمانہ کی رپورٹ میں استفساری انداز میں لکھتا ہے

"اس صورت میں کہ شہر کی تمام آبادی اپنی ۹۰ فیصدی ضروریات
زندگی غیر قانونی طریقے پر بلیک مارکٹ سے پورا کرتی ہے اجناس
پر حکومت کی اجارہ داری کہاں رہی؟ اجناس کی قیمت مقرر
(کنٹرول) کرنے کا کیا مقصد ہوا؟ مزدور کی آمریت کہاں رہی؟
ہمارا مقصد حل نہیں ہو رہا بلکہ ہمارے طریقہ کار نے عوام میں
قانون شکنی کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔"

اس زمانے میں روٹی کے کارڈوں (راشن کارڈوں) کی چوری عام
تھی۔ جمہور ایک دوسرے کے کارڈ اڑا لیتے تھے حکومت کو رپورٹ کرتے اور
نیا کارڈ وصول کر لیتے یا مصنوعی نام سے کئی کئی کارڈ لے لیتے۔ شہروں کی آبادی
کم ہو رہی تھی لیکن روز بروز خوراک کے کارڈوں کی مانگ بڑھ رہی تھی صرف
پیٹرو گریڈ میں شہر کی آبادی سے ۵ لاکھ زیادہ کارڈ گردش کر رہے تھے۔ محکمہ
مزدوران کے کمیسار نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا۔

"اس حالت کے زیادہ مدت تک قائم رہنے سے مزدور آمریت
فنا ہو جائے گی مزدوروں کے انجن درست کر لینے پر ضروری
اجناس ہر جگہ پہنچائی جا سکتی ہیں۔"

۱۹۲۰ء میں اگرچہ سرمایہ دار ملکوں نے روس سے اقتصادی تعاون
کرنا شروع کر دیا تھا لیکن نہ روس کے پاس سونا چاندی کے ذخیرے تھے اور
نہ خام اجناس تھیں جن کے بدلے وہ مغربی ترقی یافتہ ممالک سے آلات اور

کلیں خرید کر ملک کی صنعت و حرفت کو از سر نو زندہ کرتا۔ روس کا متاع زمین۔ نسل انسان۔ معدنیات۔ جنگلات تھے اور بس۔ قدرت کے ان عنایت کردہ ذخیرہ کو کام میں لاکر خوشحالی پیدا کرنا بارگاہ الٰہی سے ان کے مقسوم میں لکھ دیا گیا تھا یہ متاع اسی وقت قابل استعمال ہو سکتی تھی جبکہ مزدور اپنی قوت بازو سے اس کو مفید کار بناتا چنانچہ مزدور آمریت نے حسب ذیل اعلان نشر کر دیا۔

"چونکہ ملک میں سکہ کی قدر بہت گر گئی ہے۔ اور اجناس کی کمی ہے اسلئے کوئی شخص مزدوری کرنے پر رضامند نہیں یہ ما حالت کو اسی طرح چھوڑ دینے سے شہر تباہ ہو جائیں گے۔ اور روس ایک بہت وسیع گاؤں بن کر رہ جائے گا چونکہ ملک کی بہبودی کے لئے صنعت و حرفت کو تباہی سے محفوظ رکھنا ناگزیر ہے اسلئے حکومت تمام آبادی سے جبریہ کام کرا لینے پر مجبور ہے۔"

ٹراٹسکی کے افکار اس موضوع پر نہایت دلچسپ تھے اور عام طور بیان کی تائید ہو رہی تھی وہ کہتا تھا۔

"گذشتہ زمانے میں بر جوازی و سرمایہ دار طبقات نے جس کسان کو اس کی اراضی سے جبریہ بے دخل اور مزدوری کرنے پر مجبور کیا تھا نہ صرف یہی بلکہ اخراج شدہ کسانوں کے فیکٹری میں کام کرنے سے انکار، وہ سرخ لوہے سے داغے اور سولی پر لٹکائے جاتے تھے تاکہ خوف زدہ ہو کر کارخانوں میں کام کرنے پر رضامند ہو جائیں۔ سرمایہ داری میں بھی اقتصادی جبر کے ماتحت مزدور سے کام کرایا جاتا ہے۔ اور اس اقتصادی جبر کی پشت پر حکومت کا تشدد ہوتا ہے۔ اقتصادی اور سیاسی جبر میں کوئی فرق نہیں

سرمایہ دارانہ نظام میں اقتصادی جبر وہ کام کرتا ہے جو ہم سیاسی جبر
کے ذریعہ سے کرانا چاہتے ہیں۔ اشتراکی نظام میں جبریہ خدمت سے
جو فوائد مرتب ہوتے ہیں ان سے معاشرے کی بہت بڑی آبادی
کو فائدہ پہنچتا ہے برخلاف اس کے سرمایہ دارانہ نظام میں
اقتصادی جبر سے جو فوائد پیدا ہوتے ہیں ان سے صرف سرمایہ
داروں کے قلیل طبقہ ہی کو نفع ہوتا ہے اس لئے کسی کو ہمارے
اس قانون سے برانگیختہ نہ ہونا چاہیئے۔"

چونکہ خانہ جنگی ختم ہو گئی تھی اس لئے لال فوج کو بھی ریل کی پٹریوں پر سے
برف ہٹانے۔ درخت کاٹنے۔ ایندھن فراہم کرنے اور ان کو ضرورت کی جگہ
پہنچانے۔ کھیت جوتنے اور غلہ مہیا کرنے پر تعینات کر دیا گیا تھا۔

جبریہ محنت کا قانون نافذ ہونے پر مزدور انجمنوں Labour Union،
کے فرائض اور دائرہ عمل کا مسئلہ سامنے آ گیا۔ ٹروٹسکی چونکہ فوجی طریقہ تنظیم سے
ملک کے ذرائع رسل و رسائل کو روبہ اصلاح لے آیا تھا اس لئے اس کا
خیال تھا کہ تمام مزدور طبقہ میں بجائے جمہوری طریقہ کار کے فوجی تنظیم اور
طریقہ کار جاری کر دینا چاہیئے اس کو اپنے تجربے کی بنا پر یقین تھا کہ ایسا کرنے
سے ملک کی اقتصادی حالت درست ہو جائے گی لیکن لینن اور دیگر اکابر
بالشیوک اس قسم کی جبریہ تنظیم کے خلاف تھے چنانچہ اس مسئلہ پر بحث و تمحیص
شروع ہو گئی اور اس بحث و مباحثہ نے اس درجہ تلخی اختیار کر لی کہ بالشیوک
پارٹی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی اور یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ اب پارٹی میں
شکست و ریخت ہو جائے گی بلکہ چند مؤرخین کا خیال ہے کہ غیر اہم اختلاف
کی پشت پر لینن اور ٹروٹسکی کے درمیان قیادت کا مسئلہ تھا جس کی وجہ سے

ٹریڈ یونین کا مسئلہ اس درجہ اہم بنا دیا گیا تھا۔ ٹراٹسکی کا خیال تھا کہ اشتراکی نظام میں مزدور یونین کا مقصد یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ مزدور کے مفاد کی حفاظت کرے چونکہ مزدور آمریت کا وجود ہی مزدور کی حفاظت کا حامل ہے اشتراکی حکومت میں مزدور یونین کا یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ مزدور طبقہ میں ذوق عمل اور تنظیم پیدا کرے اور اشتراکی نظام تعمیر کرنے میں مزدور آمریت کا ممد و مددگار بنے ٹراٹسکی کے خیال کے بموجب مزدور یونین ہونرزم کا ایک اسکول تھا جس کا منصب لائحہ عمل مقرر کرنا نہ تھا بلکہ مجوزہ لائحہ عمل پر چلنا تھا اس کے برخلاف لینن کا خیال تھا کہ مزدور آمریت میں ہنوز سرمایہ دارانہ عنصر غالب ہے اس لئے اس امر کی ضرورت باقی ہے کہ کوئی ادارہ مزدور کے حقوق کی حفاظت کرے۔ اگرچہ بہت تلخی اور بحث مباحثہ کے بعد لینن کے خیال پر عمل درآمد ہوا لیکن چونکہ مزدور یونین کی زندگی کا دارومدار حکومت کی مالی امداد پر تھا اور اس ادارہ کے اکابر ممبر بالشیوک ہی ہوتے تھے اس لئے مزدور یونین کم و بیش حکومت کے ہی اشاروں پر چلتی اور آخر کار اس کی صرف یہ حیثیت رہ گئی تھی کہ اگر حکومت کے کسی قانون پر مزدور طبقہ کو مزید معلومات یا وضاحت درکار ہو مزدور یونین حکومت سے اس کے متعلق استفسار کر کے مزدور طبقہ تک پہنچا دے۔

اس زمانے میں صنعت و حرفت کے طریقہ کار میں بہت سی تبدیلیاں ہو گئی تھیں مثلاً یہ کہ فیکٹریوں کی منتظمہ کمیٹی کا قیام بجائے انتخابات کے نامزدگی سے ہونے لگا تھا یہ تبدیلی اسلئے کی گئی تھی کہ تجربہ نے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ ایک مقرر کردہ ماہر کارکن ایک نااہل منتخب شدہ مجمع سے بہتر کام کرتا ہے اس لئے اب کمیٹیوں میں صرف وہ ماہرین نامزد کئے جانے لگے تھے جو اہلیت و قابلیت نیز صنعتی تجربہ رکھتے تھے۔ اس زمانے میں بھی کوشش کی گئی کہ مزدوروں میں مقابلہ

پیدا کیا جائے تاکہ زیادہ تیزی سے کام ہو زیادہ اور کم کام کرنے والے مزدور کے لئے انعام و سزا کے قانون بھی مرتب کئے گئے لیکن مزدوروں کو نہ لالچ اور نہ خوف مزید کام کرنے پر آمادہ کر سکا اور مزدور آمریت مزدور پر تشدد کرنے پر مجبور ہو گئی۔ کمیونسٹ پارٹی کے نویں اجلاس میں یہ قرارداد منظور کی گئی۔

"بہتر اور زیادہ خوراک کی تلاش میں مزدوروں کی زیادہ تعداد نے کارخانوں کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ مزدوروں کے اس طرز عمل سے صنعت و حرفت کو بہت نقصان پہنچا ہے اس کی اصلاح کے لئے حکومت کو یہ کرنا چاہیئے کہ جو مزدور کارخانہ چھوڑ کر جائیں اُن پر جرمانہ کرے اور اس پر بھی رویہ نہ تبدیل کرنے کی حالت میں ان کو (Consternation Camp) کونسٹرنیشن کیمپ میں رکھا جائے"

کسی مکمل نظام زندگی کو یکبارگی تباہ کرنے کے بعد دوسرا نظام قائم کرنا آسان کام نہیں اس میں وقت درکار ہوتا ہے اور مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے جب تک نیا نظام تعمیر نہ پائے اس وقت تک کسی معاشرے کو عبوری زمانے سے گذرنا پڑتا ہے اس عبوری زمانے کی مشکلات کی نوعیت اور مدت کا تعلق اس امر سے ہوتا ہے کہ کسی ملک کے باشندے دماغی و تمدنی ارتقا کی کس منزل میں ہیں ابتدائی منازل میں ہونے سے زیادہ اور آخری منازل میں ہونے سے کم دشواریاں پیش آتی ہیں بولشیوک نے سرمایہ دارانہ نظام دفعتاً تہہ وبالا کر دیا لیکن وہ اس کی جگہ کامیاب اشتراکی نظام نہ جاری کر سکے۔ ایک ایسا نظام جو روز ازل سے آج تک کسی معاشرے میں جاری نہ ہوا ہو اس کا اجرا آسان کام نہیں ہوتا بالشیوک ہنوز معاشرے کے سیاسی و اقتصادی۔ اخلاقی و مذہبی محاذ پر تجربے کر رہے تھے جس سے معاشرتی زندگی کبھی بنتی تھی تو کبھی بگڑتی بھی تھی۔

اس زمانہ میں روس کی وہی حالت تھی جو کسی ملک کی ایک طویل جنگ کے بعد ہوتی ہے۔ شہروں کے مکانات گرے ہوئے۔ دکانیں بند۔ جمہور کے چہرے مدتوں کی بھوک سے پژمردہ۔ کپڑے خستہ و بوسیدہ۔ کسی کے پیر میں شکستہ جوتا تھا تو کوئی برف کی سڑکوں پر برہنہ پا ہی چلا جا رہا تھا۔ اگرچہ برفانی ہواؤں کے جھونکے جسم کو یخ کر رہے تھے لیکن جمہور کے پاس نہ آگ تھی اور نہ لبادہ کہ جسم کو گرمی پہنچا سکیں۔ جمہور کا ذکر ہی کیا جو لوگ حکومتی دفاتر میں کام کرتے ان کو روشنائی جمی ہوئی ملتی تھی جب سردی کا یہ عالم ہو اور غلہ و ایندھن عنقا ہو ان حالات میں زندگی کی دشواریوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے چنانچہ بھوک اور سردی کے سبب اموات عام تھیں۔

روح و مادہ کسی وجود کے دو مختلف عناصر نہیں ہوتے بلکہ ایک ہی عنصر کے دو مختلف پہلو ہوتے ہیں جن کا آپس میں اتنا گہرا تعلق ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی قلت و کثرت دوسرے پہلو کو عمیق طور پر متاثر کرتی ہے۔ اشیائے خوردنی کی کمی نے عوام کی اخلاقی حالت اس درجہ زبون کر دی تھی کہ ایک گھر میں اگر باپ کو اچھا روزینہ ملتا وہ بیٹے کو اس میں شریک نہیں کرتا اور یہی حال بیٹے کا تھا جہاں اجناس کی اس درجہ قلت ہو کہ وہ عزیزوں میں محبت و شفقت ختم کر دے وہاں کی حکومت کا دیوالیہ ہو جانا ضروری ہے۔ بالشیوک حکومت کے مالیہ میں کمی واقع ہونے پر بالشیوک کی نظر پھر زراعت کی طرف گئی۔ زراعت ہی پر روس کی خوشحالی کا دار و مدار تھا اس لئے اقتصادی ترقی کا مسئلہ سامنے آنے پر زراعت کی ہی تنظیم کی طرف خیال گیا اس زمانہ میں ایک اکابر بالشیوک روسنکی نے ایک تجویز پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ پہلے سال کسان کے پاس جتنا بیج ہے وہ جمع کیا جائے اور اس کو بقدر ضرورت گاؤں در گاؤں تقسیم کر دیا جائے دوسرے سال کسانوں کو اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ حکومت کے حکم کے مطابق جنس کاشت

کریں تیسرے سال کسانوں کے تمام مویشیوں پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ کاشت کے لئے جہاں ان کی ضرورت ہو روانہ کر دئے جائیں پانچویں سال حکومت کو تمام اراضیات پر قبضہ کر لینا چاہئے اور زراعت کا کام اشتراکی مزدوروں سے لینا چاہئے اس تجویز کے مطابق سوویٹ کی آٹھویں کانگرس میں ایک قرار داد پیش کی گئی جس پر لینن نے تقریر کرتے ہوئے کہا کسان اشتراکی نہیں ہوا ہے۔ ہمیں کسان سے کہدینا چاہئے کہ ہم مدت تک سردی اور بھوک کی شدت برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم اس امر پر مجبور ہوتے جا رہے ہیں کہ کسان پر جبر اور پیداوار کی فراوانی کے لئے سعی کریں۔ لیکن صرف جبر ہی سے کامیابی نہیں ہو گی بلکہ کسان کو سمجھا کر ہمیں اس کا تعاون حاصل کرنا چاہئے جب تک روس میں چھوٹے چھوٹے کسان موجود ہیں اس وقت تک روس میں اشتمالیت (کمیونزم) نہیں بلکہ سرمایہ داری و سوشلزم کے درمیان ایک مخلوط قسم کا اقتصادی نظام قائم ہے۔ جن حضرات نے دیہات کا اقتصادی نقطۂ نظر سے گہرا مطالعہ کیا ہے ان کو محسوس ہوا ہو گا کہ ہم ہنوز سرمایہ داری کو تباہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ تمام عام سرمایہ کی مضبوط زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ روس میں باوجود انقلاب ہو جانے کے سرمایہ داری اشتراکیت سے زیادہ طاقتور ہے۔ اشتراکیت اس وقت وجود میں آئے گی جبکہ تمام ملک میں بجلی عام ہو جائے گی۔ مورکوف کی پارٹی نے جس کو حکومت نے جمہوری روایات کے مطابق "مخالف پارٹی" کا لقب اور حقوق دے رکھے تھے لینن کی اس تقریر پر سخت نکتہ چینی کی مخالف پارٹی کہتی تھی۔

"جبریہ قوانین اور کمیٹیوں نے کسانوں کو تباہ کر دیا ہے حکومت کسان سے ہر شے جبریہ وصول کر لیتی ہے لیکن اس کے عوض

کچھ نہیں دیتی"

چونکہ اس کانگرس میں بالشیوک کی اکثریت تھی اس لئے اس کی تجویز تو منظور ہو گئی لیکن جب حکومت کے عمال جبریہ طور پر غلہ اور مویشی فراہم کرنے دیہات پہونچے کسان نے نہ صرف غلہ تلف کر دیا بلکہ اپنے مویشی ذبح کر ڈالے غم و غصہ انسان کو خودکشی پر آمادہ کر ہی دیتا ہے۔ کسان کہتا تھا کہ ہم تباہ ہو جائیں گے لیکن اپنے مویشی اور غلہ حکومت کو نہ دیں گے۔ حکومت کے عمال کی آنکھوں کے سامنے انھوں نے اپنی لہلہاتی کھیتیوں کو نظر آتش کر دیا اور اپنے عزیز جانوروں کو جو ان کی زندگی کا سہارا تھے اپنے ہاتھوں سے ذبح کر ڈالا جہاں یہ نفسی کیفیت ہو جائے وہاں سے کیا مل سکتا تھا چنانچہ حکومت کے عمال دیہات سے بے نیل و مرام واپس آئے ان کی واپسی حکومت کی شکست کے مترادف تھی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے لینن نے کہا

"ملک تباہی کے غار پر کھڑا ہے"

نیا اقتصادی لائحہ عمل یا نیپ

عام انسان کی فطرت اتنی کمزور ہوتی ہے کہ اگر کسی شے کے حصول میں متواتر مشکلات رونما ہوتی رہیں وہ اس مقصد سے صرف کنارہ کش ہی نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے حصول کی خواہش کو اپنے فہم کی غلطی تصور کرنا شروع کر دیتا ہے۔ زندگی کو آرام و آسائش سے گزار لنے کی تمنا انسان کو صراط مستقیم سے جہاں سعی و جہاد کے سوا کچھ نہیں ہوتا ہٹا دیتی ہے۔ مزدور و کسان پر جن میں نہ تعلیم یافتہ بالشیوک کا سا اشتراکی جوش اور نہ بنی نوع انسان کی خدمت کا ولولہ تھا متواتر تین سال سختی و تشدد کے گزرے اور ان کو نزدیک مستقبل میں حالات میں کشادگی کی کوئی امید نظر نہ آئی اس پر وہ ہمہ تن اضطراب و پریشانی بن لئے اور ان کی یہ تمنا ہو گئی کہ کسی نہ کسی طرح موجودہ اقتصادی و سیاسی نظام بدل جائے۔ مزدور و کسان میں یہ آرزو پیدا ہو جانے کے بعد کیونکر ممکن تھا کہ فوج اس خام تمنا سے متاثر نہ ہوتی۔ آخر فوج بھی کسان و مزدور طبقہ کے افراد پر مشتمل تھی۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء میں کرونسٹاڈ کے مقام پر وہ حادثہ رونما ہوا جس نے لینن کو اقتصادی لائحہ عمل بدلنے پر مجبور کر دیا۔

کرونسٹاڈ کے ملاح انقلاب کے ابتدائی زمانے میں بالشیوک کے

دست و بازو رہے تھے یہ وہ جماعت تھی جس نے ارورا جہاز کی نقل و حرکت کے لئے بالشیوک کی جنگی انقلابی کمیٹی سے احکامات دریافت کئے تھے دوسرے الفاظ میں انھوں نے سب سے قبل کرنسکی کی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کے بعد بالشیوک سے عملی تعاون شروع اور روسی بیڑے میں بالشیوک کا وقار قائم کیا۔ اشتراکیت کے کھیت میں ان ملاحوں ہی نے پہلے بیج ڈالا اور اس کو اپنے خون سے سینچا اسی بنا پر تین سال تک ان ملاحوں کا خلوص و عمل انقلاب کی زرین روایت بنا رہا۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ سرمایہ دارانہ نظام فنا ہو جانے کے بعد روس کی پسماندگی اور جہالت نے اشتراکی نظام قائم نہیں ہونے دیا۔ ملک میں بدنظمی اور بھوک و پیاس کی شدت اس پر برف میں متواتر کام کرنا عوام کو خون کے آنسو رلوا رہا تھا ان حالات میں کیونکر ممکن تھا کہ ملک کا ہر طبقہ سیاسی و اقتصادی تبدیلی کا خواہش مند نہ ہوتا۔ کرونسٹاڈ کے حادثہ کی ابتدا مزدوروں کی ہڑتال سے شروع ہوئی۔ حکومت کے اقتصادی رویہ کے خلاف مزدوروں کے ہڑتال کرنے پر حکومت نے اس کا جواب تشدد سے دیا یہ امر کرونسٹاڈ کے ملاحوں کو ناگوار گذرا اور ان مزدوروں کی ہمدردی میں ۱۶۰۰۰ ملاحوں نے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں حکومت کے سامنے حسب ذیل مطالبات پیش کئے۔

(۱) انتخابات خفیہ رائے سے ہونے چاہئیں تاکہ جمہور اپنے ضمیر کے مطابق رائے دے سکیں۔

(۲) مزدوروں۔ کسانوں۔ بائیں سوشلسٹ انقلابی مزاجی و دیگر پارٹیوں کو تحریر و تقریر کی آزادی ہونی چاہیئے۔

(۳) کسان و مزدور انجمنوں کو جلسے کرنے کی عام اجازت ہونی چاہیئے۔

(۴) مزدور، کسان۔ سپاہی۔ ملاح اور دیگر سیاسی قیدی جو سپرد زندان

ہیں ان کے الزامات کی از سر نو تحقیقات ہونی چاہیئے۔

(۵) جو فوجی دستے جبریہ طور پر فراہمی اجناس کے لئے مختلف مقامات پر تعینات لئے گئے ہیں ان کو ہٹا لینا چاہیئے۔

(۶) کارخانوں سے فوجی دستوں کا اخراج ہو جانا چاہیئے۔ البتہ اگر مزدور خود چند فوجی نوجوان کارخانوں میں رکھنا چاہیں ان کو ایسا کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔

(۷) روزینہ میں مساوات ہونی چاہیئے۔

(۸) کسان کو اس کی اراضی میں مختلف قسم کی اجناس کاشت کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی آزادی ہونی چاہیئے۔

بولشیوک نے ان مظاہروں اور مطالبات میں انقلابی جراثیم دیکھے واقعہ بھی یہ تھا کہ اگر مزدور طبقہ اور ملاحوں کا اشتراک عمل کرنسکی کی حکومت کو تباہ کر سکتا تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بولشیوک آمریت کو فنا نہ کر سکتا۔

اس جلسے میں مطالبات پیش کرنے کے بعد یہ قرار پایا کہ منظور شدہ تجاویز کو ایک وفد لے کر ماسکو جائے اور بذات خود حکومت کے سامنے پیش کرے چنانچہ ملاحوں کا ایک وفد ماسکو روانہ ہو گیا یہ وہی طریقہ کار تھا جس سے بولشیوک بخوبی آشنا تھے اور اس کے خطرناک امکانات کا ان کو پورا پورا احساس تھا چنانچہ وفد کا ماسکو پہنچنا تھا کہ زینو ویف کے حکم سے وفد مقید کر دیا گیا۔ اس اشتعال انگیز تشدد سے برہم ہو کر ملاحوں نے ایک انقلابی جنگی کمیٹی بنالی یعنی وہی قدم اٹھایا جو تین سال قبل بولشیوک نے کرنسکی کی حکومت کے خلاف اٹھایا تھا اس انقلابی کمیٹی نے اکابر بولشیوک کو ان کی اپنی انقلابی تدابیر اور بالشیوک انقلابی جنگی کمیٹی کی یاد تازہ کرادی۔ بحری فوج کے بغاوت

پہ آمادہ ہونے سے مزدور آمریت کو زبردست خطرہ محسوس ہونے لگا بحری فوج کے رویہ نے بری فوج کو بھی متاثر کیا۔ بحری و بری فوج میں بالشیوک کے خلاف برگشتگی بڑھنے پر روس کے رجعتی عناصر نے سرمایہ دار ممالک کی مدد سے از سر نو خانہ جنگی کی تیاری شروع کر دی۔ ان حالات میں بالشیوک کو خطرہ محسوس کرنا لازمی تھا۔ اسی زمانہ میں روس کی اندرونی بےچینی سے متاثر ہو کر بالٹک میں برطانیہ کے بیڑے نے نقل و حرکت کرنی شروع کر دی بولشیوک کو لامحالہ یہ گمان گزرا کہ برطانیہ کرانسٹاڈ کی بحری فوج کی بےچینی سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے چنانچہ بالشیوک حکومت نے فوراً کرونسٹاڈ پر حملہ کر دیا شدید جنگ کے بعد جس میں بالشیوک حکومت کی بہترین رجمنٹ کام آئی کرونسٹاڈ کے ملاحوں کو شکست ہوئی لیکن روس میں اس جنگ اور اس کے نتیجہ سے کوئی خوش نہ ہوا بلکہ ملک کے طول و عرض میں بولشیوک کے جبر و قہر کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ٹراٹسکی اس زمانہ کے حالات قلمبند کرتا ہوا تحریر کرتا ہے

> "تین سال کی متواتر خانہ جنگی نے جمہور کو اس درجہ مضطرب اور تلخ کر دیا ہے کہ اب ان میں ردعمل شروع ہو گیا ہے کسان بغاوتیں اور مزدور ہڑتالیں کرنے لگے ہیں بحری و بری فوج کی وفاداری بھی قابل اطمینان نہیں رہی"

یہ وہی جملے ہیں جو خفیہ پولیس کا چیف انقلاب سے چند روز قبل زار سے بحری و بری فوج کی وفاداری کی بابت کہتا تھا۔

انفرادی و قومی زندگی کا عمیق مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ دوسرے کی ہمت و قوت بازو پہ بھروسا کرنا یا اپنے حالات و واقعات کا دوسرے کی امداد و معاونت کا محتاج بنا دینا امید و آرزو کی دنیا کے لئے سم قاتل ہوتا ہے لیکن

کو ہنوز جرمنی میں اشتراکی انقلاب کی امید تھی اور وہ اسی امید میں عام اشتراکی نظام قائم کئے بیٹھا تھا کہ جرمنی میں انقلاب ہونے کے بعد وہاں کا دل و دماغ اور روس کے دست و بازو متحد کر کے دنیا میں اشتمالیت کو عام کر دے گا لیکن ایک طرف رفتارِ زمانہ نے لینن کی امید بر نہ آنے دی اور دوسری طرف ردعمل نے کرونسٹاڈ کا مظاہرہ پیش کر دیا ان حالات میں لینن کو یقین ہو گیا کہ جرمن انقلاب کا مزید انتظار نہ صرف عبث ہوگا بلکہ مزدور آمریت کو خطرے میں ڈال دے گا چنانچہ اب اس نے وہ کیا جو سیاسی دنیا کا مستند اصول ہے یعنی یہ کہ جب مخالف عناصر طاقتور ہو جائیں اور ملک میں مطالبات سیاسی و اقتصادی مظاہروں کی شکل میں رونما ہونے لگیں اس وقت مخالف عناصر کو تباہ کرنے کے بعد ان کے تصورات و تخیلات ان کے مطالبات و تدابیر کے مطابق معاشرے کو تشکیل دیدینی چاہیئے لیکن اس اقدام میں یہ پہلو لحوظ رکھنا چاہیئے کہ مراعات کو نئے نام سے رواج دیا جائے تاکہ تدابیر مخالف کی سعی کا نہیں بلکہ اپنے دماغ کی تخلیقی قابلیت اور سیاسی تدبیر کا نتیجہ معلوم ہوں۔ چنانچہ کرونسٹاڈ کے ملاحوں کو تباہ کرنے کے بعد لینن نے تحریر و تقریر کے ذریعہ سے انہیں خیالات کا اظہار کرنا شروع کر دیا جو مخالف پارٹیوں کا سیاسی سرمایہ تھے لینن کے ان جدید تصورات کا خلاصہ جو حسب ذیل ہے دلچسپی سے خالی نہیں:۔

"کسان ہمارے سلوک سے خوش نہیں۔ وہ زیادہ جبر کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ کسان اور مزدور کے مفاد میں تضاد واقع ہو گیا ہے مزدور اجناس کی کمی کی وجہ سے کسان کو کوئی شئے نہیں دے سکتا اس لئے جبر یہ غلہ وصول کرنے پر مجبور ہے جب تک مغربی ممالک میں انقلاب نہ ہو ہم کسان سے صلح رکھ کر ہی زندہ رہ سکتے ہیں ہمیں کم مایہ کسان

کو کوئی ایسا لالچ دینا چاہیئے کہ وہ اپنی پیداوار میں اضافہ کرے۔ اگر کسان کو اجناس خوردنی کی خرید و فروخت کی اجازت نہیں دی گئی اس صورت میں مزدور آمریت کا قیام محال ہو جائیگا۔ یہ مسئلہ کہ ۱۹۱۷ء کا انقلاب پرولتاری انقلاب تھا کہ برجوازی، صرف مستقبل ہی حل کر سکتا ہے فی الحال روس میں متوسط طبقہ اور متوسط درجہ کے کسان طاقتور ہیں۔ ان حالات میں ہماری جدوجہد کا مقصد صرف یہ ہونا چاہیئے کہ کسی نہ کسی طرح مزدور آمریت قائم و باقی رہے۔ حالات و واقعات کی پکار یہ ہے کہ معاشرے کو اس طرح بدلا جائے کہ مزدور کسان کے تعلقات میں تلخی پیدا نہ ہو اس وقت اس بحث کی ضرورت نہیں کہ ہم اشتمالیت کی طرف جارہے ہیں یا پسپا ہو رہے ہیں۔ خرید و فروخت کی عام اجازت اگرچہ متوسط طبقہ اور سرمایہ دارانہ رجحانات کو طاقتور بنا دے گی لیکن یہ اجازت صنعت و حرفت کو جو مزدور کا تنہا سہارا ہے بہت ترقی دے گی۔ بلا متوسط طبقہ کو اقتصادی و سیاسی آزادی دیئے صنعت و حرفت کو زندہ رکھنا ناممکن ہو گیا ہے ہمیں کو ونسٹاڈ کے حادثہ کو فراموش نہ کرنا چاہیئے اور کسان کو خرید و فروخت کی اجازت دیدینی چاہیئے تین برس کی جدوجہد کے بعد بھی ہم کسان کو اشتراکی نہ بنا سکے شاید اگر ہم دس سال بھی پیہم کوشش کریں تب بھی ایسا نہ کر سکیں گے اس لئے یہ ضروری ہے کہ فی الحال ہم ملک کی اقتصادی زندگی کو کسان کی اقتصادی ضرورت کے مطابق بدلیں۔ غریب کسان جاگیرداروں اور امیر زمینداروں کی آراضیات پر قبضہ کرنے کے بعد متوسط درجہ کے خوشحال کسان بن گئے ہیں

اب یہ کسان ۱۹۱۷ء کے غریب کسان نہیں رہے جو ہمارے ساتھ انقلابی سعی میں دوش بدوش تھے۔ کسان کی نفسی کیفیت بدل چکی ہے اب اس کو مزدور آمریت کے قیام میں نقصان معلوم ہوتا ہے ان تین سال میں ملک میں متوسط طبقہ کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے اور اس کی مدد اسی وقت مل سکتی ہے کہ ہم غلہ کی خرید و فروخت کی عام اجازت دے دیں۔"

لینن کے مندرجہ بالا تصورات کے بموجب کیمونسٹ پارٹی کی دسویں کانفرنس میں ایک نئی اقتصادی تجویز منظور کر لی گئی جو 'نپ' کے نام سے مشہور ہے اس تجویز کے مطابق اقتصادی نظام میں حسب ذیل اصلاحات کر دی گئیں۔

(۱) کسان سے بجائے جبریہ غلہ وصول کرنے کے اس پر مقررہ ٹیکس لگا دیا گیا

(۲) کسان کو غلہ فروخت کرنے کی اجازت دیدی گئی۔

(۳) حکومت کی غلہ کی اجارہ داری ختم کر دی گئی۔

(۴) تجارت کرنے کی آزادی ہو گئی لیکن تجارت کرنے کے لئے حکومت سے اجازت نامہ (پرمٹ) حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

(۵) جن کارخانوں میں مزدوروں کی تعداد ۳۰ یا کم تھی وہ کارخانے ان کے مالکوں کو واپس کر دیئے گئے۔

(۶) جن کارخانوں میں مزدوروں کی تعداد ۳۰ سے زیادہ لیکن ۷۰ سے کم تھی ان کو حکومت نے ٹھیکے پر دیدیا۔

(۷) بڑے بڑے کارخانوں اور ملک کی بنیادی صنعت و حرفت پر حکومت ہی قابض رہی۔

(۸) اب تک جو اشیا استعمال مثلاً اخبار۔ تار۔ لفافہ۔ کارڈ۔ ریل۔ ٹرام

بجلی، گیس، پانی وغیرہ عوام کے لئے مفت تھیں ان کی قیمت لی جانے لگی۔

(۹) جن مکانات کی مالیت ... اسکے قریب تھی ان کے مالکوں کو یہ حق دے دیا گیا کہ وہ مکانوں کو بارہ سال کے لئے کرایہ پر دے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ ان کی مرمت کرائیں اور ان کو قابل رہائش بنا لیں۔

(۱۰) ملک کی تمام صنعت وحرفت تین دائروں میں تقسیم کردی گئی۔

(الف) سوویٹ روس کی بنیادی صنعت وحرفت مرکزی اقتصادی کمیٹی کے زیر نگرانی کردی گئی۔

(ب) مختلف روسی جمہوریتوں کی صنعتیں وغیرہ جمہوریتوں کے مختلف اداروں کے زیر نگرانی دیدی گئیں۔

(پ) شہری صنعتیں شہر کی مقامی کونسلوں کے زیر نگرانی کردی گئیں۔

(۱۱) ۸۶۴ ٹرسٹ قائم کئے گئے جن کو ملکی صنعت وحرفت کا انتظام سپرد کیا گیا۔

یہ انتظام ماہرین صنعت وتجارت اور کمیونسٹ کے مشورہ سے ہوتا تھا ان کارکنوں کو اوسطاً ۵ پونڈ ماہانہ ملتا تھا یعنی کمیونسٹ کو ۵ پونڈ کا نصف اور ماہرین فن کو اسکا دگنا۔ ٹرسٹ کا مقصد نفع حاصل کرنا قرار دے دیا گیا۔

(۱۲) ٹرسٹ کا مالیہ اس کے پروگرام اور سالانہ حسابات بھی مرکزی اقتصادی کونسل کے روبرو پیش کئے جانے لگے۔ نفع کی تقسیم کا یہ طریقہ مقرر ہوا کہ ۵۰ فیصدی حکومت کا حصہ۔ ۲۵ فیصدی شکست اور یخت کا فنڈ اور ۲۵ فیصدی مزدوروں کے امدادی فنڈ میں جمع ہونے لگا۔

(۱۳) خارجی ممالک سے تجارت کرنا حکومت کا حق قرار پایا اگر کسی ادارے یا فرد کو غیر ملک سے تجارت کی اجازت دیدی جاتی تھی اس کی سخت نگرانی کیجاتی تھی

(۱۴) سنڈیکیٹ مقرر کر دیئے تھے جن کے حسب ذیل فرائض تھے۔

(الف) معاشرے کی ضرورت کا اندازہ لگانا۔

(ب) مختلف کارخانوں کو ان کی استطاعت کے مطابق کام دینا۔

(پ) خام اجناس کو تھوک قیمت پر خریدنا اور مختلف کارخانوں کو ان کی ضرورت کے مطابق تقسیم کرنا۔

(ت) اجناس کو معیاری بنانے کے لئے تدابیر اختیار کرنا۔

(ث) خردہ کی دکانیں قائم کرنا۔

اسی زمانے میں ایک اور ادارہ گوس پلین، وجود میں آیا جس کا فرض یہ قرار پایا کہ ہر سال ملک کی صنعت و حرفت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک نقشہ تیار کرے تاکہ آئندہ سال اسی پروگرام کے مطابق اشیاء بنائی جائیں چنانچہ اس ادارے سے لئے اعداد و شمار مہیا کرنے کے لئے اپنے نمائندے ملک کے گوشہ گوشہ میں روانہ کر دیئے تاکہ اس حصہ کی اقتصادی ضرورت کا اندازہ ہو جائے اور اس ضرورت کو پورا کرنے کا کافی وشافی انتظام قبل از وقت کر لیا جائے لیکن چونکہ یہ نمائندے کم علم و کم فہم ہوتے تھے اس لئے وہ کسی مقام کی اقتصادی ضرورت کا درست اندازہ نہیں لگا سکتے تھے اور جو اعداد و شمار گوس پلین کے ادارہ میں آتے تھے وہ زیادہ تر غلط ہوتے تھے جس کی وجہ سے گوس پلین کا اجناس بنانے کا تخمینہ غلط ہو جاتا تھا اور اجناس کی پیداوار اور مانگ میں نسبت قائم نہ رہنے کی وجہ سے سماج میں اقتصادی آشوب آتے رہتے تھے۔ نئے اقتصادی لائحہ عمل کے مندرجہ بالا خد و خال دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ جس نظام کی نوعیت اس قسم کی ہو اسے اسٹیٹ کیپٹل ازم کی ہی ایک شکل خیال کرنا چاہیئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جب بالشویک کو انقلاب کے بعد چار سال تک معاشرے کی اقتصادی زندگی کو اشتراکی بنانے میں کامیابی نہ ہوئی

تب لاچار ہوکر اور مغربی یورپ کے انقلاب سے مایوس ہوجانے کے بعد نیز مزدور و کسان کی نفسی کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے ایک عبوری اقتصادی نظام بنایا جس کا اہم پہلو یہ تھا کہ معاشرے کے اہم اقتصادی اداروں، بنیادی صنعت و حرفت پر اور بڑے بڑے کارخانوں پر مزدور آمریت نے قبضہ رکھا اور غیر اہم اور معمولی صنعت و حرفت اور چھوٹے کارخانوں پر سرمایہ دارانہ رجحانات کو قبضہ کر لینے دیا لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ بالشیوک اہم اقتصادی اداروں کے ذریعہ سے معاشرہ کی اقتصادی زندگی کو اس طرح تشکیل کرتے رہے جس سے اشتراکی رجحانات طاقتور اور سرمایہ دارانہ عمل اور رجحان ضعیف ہوتے جائیں۔

بدقسمتی دیکھئے کہ جس سال نیپ پر عمل درآمد ہوا اور اقتصادی خوشحالی کی امید پیدا ہوئی اسی سال باران رحمت نہ ہوا۔ ایک زراعتی ملک جو خانہ جنگی اور دشمنوں کے حملوں سے تباہ ہو چکا ہو جہاں نہ غلہ کے ذخیرے ہوں اور نہ مویشیوں کی کثرت۔ جس کے پاس نہ آلات ہوں اور نہ سونا تاکہ بیرونی ممالک سے غلہ خریدا جا سکے اس ملک میں ایک سال قطعی خشک گذر جائے پھر وہاں قیامت نہ آجائے تو اور کیا ہو

۱۹۲۰ء میں کم بارش ہوئی اور ۱۹۲۱ء بالکل خشک اور بے پانی کے گزرا ان حالات میں تمام روس میں شدید قحط پھیل گیا۔ اس قحط کی شدت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ماؤں نے اپنے بچوں کے گوشت کو اپنے لئے حلال کر لیا اور جب عدالت میں ایک ماں سے اس واقعہ کے متعلق استفسار کیا گیا ماں نے بلا افسوس و شرمندگی جواب دیا "وہ لڑکی مر رہی تھی آج نہ مرتی دو چار روز بعد مر جاتی اس لئے میں نے سوچا میں اپنی بھوک کیوں نہ رفع کر لوں" دوران جرح میں دریافت کیا گیا "کیا تم کو اس حرکت پر ندامت نہیں ہوئی"؟ جواب ملا "اگر لڑکی کی زندگی کی امید ہوتی تب تو افسوس و ندامت ہوتی اب تو اس کے مرنے کا وقت آہی گیا تھا" جب عدالت نے کہا "تمہیں

احساس ہے کہ تم نے کتنا سنگین جرم کیا ہے" تو عورت چلائی "جرم جب ہزاروں کو قدرت مار رہی ہے اور جب ہم خود ایک دوسرے کو مار رہے ہیں تو میرا مارنا کہاں سے جرم ہو گیا" جب عدالت نے استفسار کیا "تمہیں سزا کا خوف نہیں" تو جواب دیا "میرے گولی مار دو موت تو آئی ہے ہی" جب سوال کیا گیا "کیا تم بچوں سے محبت نہیں کرتی تھیں" جواب دیا "مجھے معلوم نہیں اس وقت میں کچھ کہہ نہیں سکتی"

ایک ایسی مخلوق جس کو خدا نے روحانی نور بخشا ہو جس کو اشرف المخلوقات کے لقب سے یاد کیا ہو اور جس میں تمام کائنات کو تسخیر کرنے کی اہلیت ودیعت کی ہو اس کا یہ حال کہ ایک ماں اپنی بیٹی کے گوشت کو اپنے اوپر حلال کر لے نفس انسانی ہنوز خام ہے وہ اس چند روزہ زندگی ہی کو زندگی تصور کئے ہوئے ہے انسان کو ہنوز یہ یقین نہیں کہ اس زندگی سے ماورا اور بہت سی زندگیاں ہیں جہاں اس زندگی کے اعمال سرمایہ حیات ہونگے نہ کہ عمر رفتہ کا طول و عرض۔ ایک اور ماں نے اپنے بچے کے گوشت سے اپنی بھوک بجھائی اس سے اس حرکت کے متعلق استفسار کیا گیا جواب دیا "میرا بچہ تھا مجھے حق تھا کہ اپنی زندگی بچانے کے لئے اس کو مار کر کھا لوں" عقل کی فتنہ کاریاں عجیب ہیں۔ انسان اپنے لئے کیا کیا جواز پیدا کر لیتا ہے روزمرہ کی زندگی میں انسان ذرا سی تکلیف دور کرنے یا منفعت حاصل کرنے کے لئے غیر اخلاقی کردار کو جائز کر لیتا ہے۔ کیا تعجب ہے کہ کوئی صحیح موت کے خوف سے اس درجہ تاریک ہو جائے کہ اپنی اولاد کو ذبح کر کے کھا لے

جس قحط کی تباہ کاریاں روحانی لطافت کو فنا کر دیں اور ماں باپ کو اپنے بچوں کو ذبح کر کے کھا لینے پر آمادہ کر دیں اس کا نقشہ قلم نہیں کھینچ سکتا بلکہ اس کا اندازہ بیدار فہم خود ہی کر سکتے ہیں۔ اس قحط کے زمانے میں نہ "نب" کی اصلاحات کا اثر محسوس ہو سکتا تھا اور نہ ان کے حسن و قبح کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا چنانچہ

'نیپ' ۱۹۲۱ء میں صفحۂ قرطاس پر ایک دلکش تحریر ہی رہی اور بس۔ ہاں ۱۹۲۲ء میں جب بارانِ رحمت نے روس کو شاداب کیا اور زمین اپنے خزانے اگلنے لگی۔ کوہ بیابان وادی و میدان شاداب سبزہ زار بن گئے اور کسان کی لہلہاتی ہوئی کھیتوں نے اس کے چہرے پر دو سال کے بعد از سر نو تبسم پیدا کر دیا اس وقت 'نیپ' کی اصلاحات کا ملک میں اثر محسوس ہوا۔

روسی عوام اشتراکیت کے ارتقائی اصولوں سے ناآشنا۔ علم و فضل سے عاری، سرمایہ دارانہ نظام کے طرز فکر سے متاثر تھے ان کی نگاہ ذاتی اور فوری ضرورتوں سے آگے نہ جاتی تھی وہ اسی طرح زندگی بسر کرنا چاہتے تھے جس طرح ان کے آباؤ اجداد کرتے آئے تھے البتہ یہ آرزو ان کو ضرور ستاتی تھی کہ امیر ہو جائیں تاکہ زندگی میں قدرے دلکشی پیدا ہو جائے ان کی یہ آرزو پوری ہو ہی گئی تھی چونکہ جاگیرداروں کی اراضی پر قبضہ کرنے کے بعد وہ متوسط درجے کے کسان بن گئے تھے۔ نئی اقتصادی تجویز کے ماتحت بازار میں خرید و فروخت کا جاری ہونا متوسط طبقے کے جمہور کے لئے عید ہو گئی اور انھوں نے ہر تدبیر سے اپنی حالت کو بہتر بنانے کی سعی شروع کر دی۔ خرید و فروخت میں نفع اور زندگی میں استحکام کی جھلک دکھائی دی تو متوسط طبقے نے از سر نو ملک کی سیاسی زندگی پر قبضہ کرنا چاہا لیکن اس زمانہ میں بھی شہری مزدور کی حالت اچھی نہ تھی اس کی مزدوری ہنوز اتنی کم تھی کہ وہ ضروریاتِ زندگی بھی خرید نہ سکتا تھا۔ چنانچہ مرکزی اقتصادی کونسل کے صدر نے دوران تقریر میں کہا "روسی مزدور کی اجرت بہت گری ہوئی ہے وہ اس قلیل اجرت سے اپنی ضروریاتِ زندگی بھی پوری طرح نہیں خرید سکتا"

زینوویف نے اس کا یہ جواب دیا "مزدور کی قلیل اجرت کا مسئلہ تو طاعون بن گیا ہے۔ مزدور کی اجرت اسی وقت زیادہ ہو سکتی ہے جبکہ ملک کی تمام صنعت

حرفت ترقی کرے" اس زمانے میں روس میں بیس لاکھ مزدور کام کر رہے تھے اور ان پر ۲/۱ ۱۰ لاکھ نگراں تھے یعنی ہر دو مزدوروں پر ایک افسر تھا۔ در اصل یہ افسروں کا طبقہ اشتراکی نظام کے لئے دیمک بنا ہوا تھا۔ ان کی معقول تنخواہوں اور اس پر بدعنوانیوں سے ان میں اضافہ کرنے کی کامیاب سعی نے ملک کی صنعت و حرفت کی کمر توڑ ڈالی تھی مختلف اشیاء جو شہروں کے کارخانوں میں بنتی تھیں وہ مختلف راستوں سے ان افسروں کے چنگل میں جاتی تھیں اور غریب مزدور خالی ہاتھ رہ جاتا تھا۔

روس میں جب ایک ایسا معتد بہ طبقہ پیدا ہو گیا جس کی خوشحالی و فارغ البالی "نیپ" کے سرمایہ دارانہ رجحانات سے وابستہ ہو گئی تب کیونکر ممکن تھا کہ بر جوازی رجحانات ملک میں ترقی نہ کرلے چنانچہ تیرہویں کمیونسٹ کانگریس کے اجلاس میں زینو لیف نے تقریر کرتے ہوئے کہا "روس میں بر جوازی طبقہ از سر نو پیدا ہو گیا ہے ہم نے اس کو پانچویں منزل سے دے پٹکا تھا لیکن یہ پھر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا نئی اقتصادی اصلاحات کے ماحول میں اس طبقہ کا ترقی کرنا ناگزیر ہے۔ اب صرف یہ سوال قابلِ غور ہے کہ کہیں نئی اقتصادی اصلاحات حد سے تجاوز تو نہیں کر گئی ہیں۔"

۱۹۲۴ء میں ملک کی صنعتی اشیاء کا ۳ر۷۵ فیصدی حکومت کے کارخانے تیار کرتے تھے باقی ۷ر۲۴ نجی کارخانوں میں تیار ہوتا تھا۔ صنعت و حرفت کا جہاں تک تعلق تھا حکومت کا پلہ بھاری تھا۔ ملک کی تمام اہم اور وسیع صنعتیں چونکہ حکومت کے قبضہ میں تھیں اس لئے حکومت اقتصادی و سیاسی اثر سے نجی کے کارخانوں کی زندگی و موت پر قابو رکھتی تھی۔ لیکن زراعت میں حال بالکل برعکس تھا۔ حکومت کی اشتراکی نہج کی زراعت صرف چار فیصدی تھی باقی تمام ملک کی زراعت پر انفرادیت پسند کسان کا قبضہ تھا اس کے علاوہ ملک

کی کل خوردہ خرید و فروخت کا ۶ر۵ ۸ فیصدی بھی نپ پسند لوگوں کے ہاتھوں میں تھا۔ ایک زراعت پیشہ ملک میں جہاں صنعت و حرفت ابتدائی منازل میں ہو زمین کا کل ۴ فیصدی حصہ اشتراکی طور پر کاشت ہوتا ہو باقی اراضی کو انفرادیت پسند کسان خود اپنے ذاتی مفاد کے لئے کاشت کرتا ہو اس ملک میں سرمایہ دارانہ رجحانات کا عود کرآنا ناگزیر تھا چنانچہ اس زمانہ میں روس کی اقتصادی زندگی دو رنگی ہو گئی تھی۔ صنعت و حرفت کا زیادہ لیکن زراعت کا بہت قلیل حصہ اشتراکی طریقہ پیداوار کے زیر اثر تھا اگر معاشرہ کے ایک شعبہ میں اشتراکی طریقہ کار جاری تھا تو دوسرے شعبہ میں سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار اپنی پوری طاقت سے کام کر رہا تھا اب بالشویک آمریت کا صرف یہ کام رہ گیا تھا کہ اشتراکی رجحانات کو دبنے نہ دے نیز سیاسی و اقتصادی دباؤ ڈال کر ملک کی اقتصادی زندگی کو اشتراکیت کی طرف لائے اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے سختی اور تشدد ظلم اور ستم۔ سیاسی اور اقتصادی تدبیروں۔ طبقاتی رنجشوں اور دوسرے مناسب طریقوں سے کام لیا جا رہا تھا اور ایک پس افتادہ ملک میں کمیونسٹ نظام قائم کرنے کی سعی جاری تھی کہ تاریخ نے ورق پلٹا اور وہ حالات رونما ہو گئے جن کا اہل نظر کو گمان تھا لیکن یقین نہ تھا۔

بولشیوک اور وسط ایشیا کی اسلامی ریاستیں

کم فہم اور بے عمل احباب کی صحبت انسان کو بے عمل و غلط خرام بنا دیتی ہے فرد کی عادات و خصلات اور اس کے عام اسلوب زندگی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاتا ہے۔ کہ اس کی نشست و برخاست کس قسم کے افراد میں ہے۔ خاص قسم کے احباب کی صحبت ہی کسی فرد کو متاثر نہیں کرتی بلکہ علم و ادب کی کسی خاص صنف کے مستقل مطالعہ سے اس ادب کا رنگ اور طرز خیال انسان پر حاوی ہو جاتا ہے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ خواہ وہ کسی خاص فرد کی صحبت ہو یا کسی خاص نوع ادب سے اختلاط انسان متاثر ضرور ہو جاتا ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ جو ہر وقت قال اللہ و قال الرسول کہتے رہتے ہیں۔ جن کی راتیں عبادتوں صبح تلاوت قرآن اور دن وظائف و مراقبہ میں صرف ہوتے ہیں۔ ان میں ایسے مضمحل تصورات کس طرح پیدا ہوئے جن کی وجہ سے اسلام کا بحر بیکراں گھٹتے گھٹتے ایک جوئے تنگ ہو کر رہ گیا۔ یہ مسئلہ سامنے آتے ہی دل کی دنیا درد و کرب سے کانپنے لگتی ہے اور یہ شبہ گزرنے لگتا ہے۔ کہ شاید آسمانی صحیفوں اور دیگر مذہبی کتب میں حقیقی زندگی کی وہ موج تیز خرام موجود ہی نہیں جس کا ذکر ہر مسلمان کی زبان پر ہے۔ گمان گذرتا ہے۔ کہ اگر مسلمانوں کی کتب مقدسہ میں تعمیر و ترقی کی ضو ہوتی اُن کی صحبت مسلمانوں

کی انفرادی و اجتماعی زندگی کو ضرور جگمگا دیتی۔ جس خود ساختہ ظلمت کدہ میں اسلامی دنیا آج سانس لے رہی ہے اس کو دیکھ کر یہ گمان گزرتا ہے کہ مسلمان جن کتب مقدسہ کو اپنا مایہ ناز خیال کرتے ہیں شاید وہ خود محروم ضیا ہیں اور اس لئے ان سے افادہ سوائے تاریکی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن تاریخ جھٹلائی نہیں جا سکتی اس تاریخی حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ دور رفتہ میں ایک مدت تک ضیائے قرآن سے معمور سینوں سے انوار و تجلیات کی وہ خنک و روشن شعاعیں نکلتی رہیں جن سے غیر متمدن و تاریک دنیا جگمگا اٹھی۔ مقہور اور غلام دنیا کو خودداری، اخوت انسانی، مساوات اور آزادی کا پیغام دینا اسلام کا ایک ایسا معجزہ ہے کہ تا حشر اسلام کا یہ احسان بنی نوع انسان کے شانوں پر رہے گا۔

اسلامی دنیا کی گذشتہ تنویر سے ہٹ کر جب نظر موجودہ تاریکی پر پڑتی ہے تو طبیعت کو اس راز کی جستجو پیدا ہو جاتی ہے کہ ایک ہی قرآن کی تعلیم سے ضیا و ظلمت کس طرح پیدا ہوئے اس مسئلہ پر نظر ڈالنے سے یہ علم ہوتا ہے کہ مذہبی صحیفے صرف متفکر طبیعتوں کی رہبری کرتے ہیں تدبر و تفکر سے محروم فرد مذہبی صحیفوں سے رہبری حاصل نہیں کر سکتا جب مسلمانوں نے قرآن کی تعلیم اور قدرت پر غور کرنا ترک کر دیا تو گویا وہ قرآن کی حقیقت کو بھول گئے۔ قرآن مادہ و روح حیات و موت۔ حق و باطل۔ راحت و کلفت۔ سکوت و صوت۔ بحر و بر۔ کوہ و دشت۔ گل و خار۔ بہار و خزاں۔ برق و باراں۔ ماضی و حال۔ گرد و پیش۔ وحدت و کثرت۔ وقت و فضا پر انسان کو غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے لیکن وہ کسی فرد کو تدبر و تفکر کی دعوت قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ یہاں انسان کو خود مختاری عنایت ہوئی ہے۔ مندرجہ بالا حقائق پر سائنسدان کی طرح تدبر و تفکر کرنا انسان میں قرآن کے مطالب و معانی سمجھنے کی استعداد پیدا کرتا ہے۔

استعداد حاصل کرنے کے بعد جب انسان کسی مذہبی صحیفہ کا مطالعہ کرتا ہے تب اس کو بصیرت حاصل ہوتی ہے اور وہ نئی دنیا تعمیر کرنے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ رسمی طور پر قرآن کی تلاوت اور تدبر و تفکر سے انحراف کرنے کا یہ اثر ہوا کہ مسلمان قرآن کی فکر و عمل کی دعوت کو تقدیر پر صابر و شاکر رہنے کی تلقین سمجھے اور یہ غلط تخیل ان کو غیر محسوس طور پر بلندی سے پستی کی طرف لے گیا۔ مکتبِ غارِ حرا سے اغماض یعنی سکون و اطمینان قلب کے ساتھ کائنات کی ہر شے مثلاً فضا۔ وقت۔ سکوت تنہائی، دل۔ دماغ۔ روح۔ مادہ وغیرہ پر ایک سائنسدان اور متجسس اور حقیقت شناس فلسفی کی طرح عمیق نظر ڈالنے سے انحراف کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں نے قرآن کے سمجھنے کی اہلیت کھو دی۔ جب کسی کتاب کے مطالب و معانی کے فہم کی اہلیت فنا ہو جائے تو اس کو بار بار دہرانے سے کچھ فیض نہیں پہنچتا۔ مسلمانوں کا تدبر و تفکر سے اغماز و انحراف صدیوں سے آجتک قائم ہے اور اس کا قیام زوال کے مترادف ہے۔

اسلامی دنیا میں بخارا غیر معروف نام نہیں یہ مقام دورِ رفتہ میں اسلامی عظمت کا نشان رہ چکا ہے ان چند اوراق میں ماضی کی یاد تازہ کرنا مقصود نہیں اس سلسلہ میں صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا۔ کہ آج بھی بخارا کی ۲۵۰ عالیشان مساجد اس شہر کی گذشتہ عظمت پر نوحہ خواں ہیں۔ اور آج بھی مؤرخ کی بیدار نگاہ ۱۵۰ سر بفلک درسگاہوں کی خستہ عمارات سے اس شہر کے ذوقِ علمی اور شوقِ فنون کا اندازہ کر سکتی ہے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کا یہ عجمی گہوارہ چنگیز خاں کے ہاتھ سے جس طرح تاخت و تاراج ہوا۔ اس کی خونی داستان تاریخ کے بے تعصب صفحات پر درج ہے۔ لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ عبرت انگیز داستان ان صفحات پر نقش ہے اور عمیق مطالعہ چاہتی ہے۔

۱۷۱۷ء میں پہلی بار پیٹر اول شہنشاہ روس نے وسطی ایشیا کو اپنے زیر نگین لانا چاہا۔ لیکن مسلمانوں کے اتحاد عمل اور حربی توانائی نے اس کی سعی کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ اس ناکامی کے بعد بھی شہنشاہان روس کی حرص آگیں نگاہیں اس شاداب سرزمین پر پڑتی ہی رہیں۔ کچھ مدت بعد مسلمان حاکموں کے آپس کے نفاق اور تواریخ دانی آلاتی سامان حرب کی طرف سے لاپروائی نے روس کی آرزوں کی تکمیل کے لئے راہ صاف کردی۔ سن ۱۸۶۰ء میں وسط ایشیا کے دو مشہور شہر ترکستان اور تاشقند روسی تسلط میں آگئے۔ مسلمان اب بھی خواب غفلت سے نہ چونکے اور سائنس کی طرف سے بے اعتنائی برتتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۷۷ء میں کوقند کے کل علاقہ کا روسی سلطنت سے الحاق ہوگیا۔ اس زرخیز علاقہ کی پیداوار نے زار روس کی حرص و ہوس کو اور بھی تیز کردیا۔ اسلامی سلطنتوں کے آپس کے اختلافات اغیار کے لئے دعوتِ عام تھے کہ اُن کے ملک پر حملہ کریں۔ چنانچہ روس نے بخارا پر فوج کشی کردی۔ تصورات، اعمال و کردار اسلامی نہ ہوں تو قرآن کے کسی خاص لفظ کے بار بار دہرانے سے خفتگی اور تدبر و تفکر سے اغماز کے اثرات سے مسلمان بچ نہیں سکتے۔ امیر بخارا نے اعلان جہاد بھی کیا دعائیں بھی کرائیں۔ اُس کی فوج بہادری سے بھی لڑی۔ لیکن بے سود مسلمان حکومتوں کی آپس کی رنجشیں اُن کے مشترکہ اقدام میں حارج رہیں۔ زار روس کسی تنہا اسلامی حکومت سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ اگر بخارا کی فوج ہی جدید جنگی آلات سے مسلح اور حربی سائنس سے آشنا ہوتی تب بھی شاید اپنے ملک کو بچا لیتی۔ لیکن امیر بخارا کا لفظ جہاد پر اصرار تھا۔ لفظ جہاد جادو نہیں ہوتا کہ شیخ الاسلام کی زبان سے اس لفظ کے نکلتے ہی آسمان سے فرشتوں کی فوج اتر آئے۔ جنگ احد میں تدابیر سے لاپروائی اور حرص و طمع سے ہم آغوشی باوجود پیغمبر کی موجودگی کے

مسلمانوں کی شکست میں رونما ہوئی جذبِ دروں کی مدد پر جب تک مادی حالات نہ ہوں اس وقت تک زندگی کے کسی معرکہ میں فتح ہونی غیر ممکن ہوتی ہے۔ چنانچہ ۱۸۶۸ء میں بخارا بھی روس کا باجگذار بن گیا۔ برائے نام امیر بخارا کی حکومت قائم رہی لیکن دراصل وہاں اس روسی ایجنٹ کی حکومت تھی جو حکومت روس کی طرف سے امیر کا مشیر خاص مقرر کردیا جاتا تھا۔ ۱۸۷۲ء میں جنیوا پر بھی روسی حکومت کا اثر ہوگیا اور اسی طرح بتدریج ڈیڑھ صدی کے عرصے میں تمام وسط ایشیا تنگ و حقیر ریاستوں کا ایک مجموعہ بن گیا جہاں روسی حکومت کے ایجنٹ مقرر ہوگئے۔ ایجنٹوں نے یہ دانشمندی کی کہ دیگر مغربی اقوام کی طرح اسلامی ممالک کے باشندوں کے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیا۔ مسلمان چونکہ اسلامی کردار و تصورات فراموش کرچکے تھے اس لئے طویل سجدوں اور دو رکعت نماز باجماعت کی اجازت اُن کو نصرانی حکومت سے تعاون کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے کافی تھی۔ امن قائم ہو جانے پر حکومت روس نے ان زرخیز علاقوں سے اقتصادی فوائد اٹھانے شروع کردیئے۔ ان ممالک کی کامیاب و نفع بخش صنعت و حرفت کو جس سفاکی سے تباہ و برباد کیا گیا اور جس جبر و قہر کے ذریعے سے ان ممالک کو روس کی صنعت و حرفت کے لئے صرف خام اجناس پیدا کرنے پر مجبور کیا گیا اس کی خونچکاں داستان بھی اسی نوعیت کی ہے جس کا تجربہ ہر محکوم ملک کو ہوتا ہے اس کے بیان کی یہاں ضرورت نہیں۔ اس جگہ صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ چند سال ہی میں وسط ایشیا سرمایہ داری کا شکار ہو کر روس کی چاکری میں سرگرم ہوگیا لیکن سرمایہ دارانہ نظام کا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ یہ نظام جہاں بہت بڑے پیمانے پر اقتصادی نفع پیدا کرتا ہے وہاں ایک ایسا بیدار طبقہ بھی پیدا کر دیتا ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف برسرِ پیکار ہو جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ طریقہ

پیداوار کے اجرا کے کچھ عرصہ بعد نہ صرف روس بلکہ دور افتادہ بخارا میں بھی ایک ایسا بیدار طبقہ پیدا ہو گیا جو امیر بخارا سے اقتصادی و سیاسی مراعات حاصل کرنے کے لئے برسر پیکار ہو گیا۔ یہ جماعت جدید کے نام سے موسوم تھی جس کا منتہائے نظر بخارا میں ترکی کا ایک سیاسی دستور قائم کرنا تھا اور بس جدید کے علاوہ تین جماعتیں اور تھیں ایک روسی ایجنیٹ کی جماعت جو بخارا کو اقتصادی طور پر بالکل خشک کر دینا چاہتی تھی۔ دوسری امیر بخارا کی جماعت جو امیر جاگیردار طبقہ کا برسر اقتدار آنا اور خود ایجنٹ کے چنگل سے نکلنا چاہتی تھی۔ تیسری افلاس زدہ غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں کی جماعت جو اپنی حالت سے ضرور غیر مطمئن تھی لیکن جس کو یہ خبر نہ تھی کہ اُس فرسودہ حالت سے نکلنے کے کیا ذرائع ہو سکتے ہیں۔

جس طرح انسان کا جسم ایک وحدت ہے اگر پیر پر سرخ دانہ نمودار ہوتا ہے تو وہ رات کی نیند حرام کر دیتا ہے اور تمام جسم کو متاثر کرتا ہے۔ اسی طرح دنیا بھی ایک وحدت ہے۔ اس کے کسی گوشہ میں انقلاب تمام کرہ عرض کو متاثر کرتا ہے۔ لیکن انسانی فہم کی یہ کوتاہی ہے کہ وہ اپنے انفرادی ملکی و قومی مفاد کو دنیا کے عام مفاد سے جدا ہی خیال کرتا ہے موجودہ جنگ نے عام نظر پر کرہ عرضی کی وحدت کا راز منکشف کر دیا ہے۔ لیکن دنیا والوں کو ہنوز یہ سمجھنا باقی ہے کہ تمام کائنات جس میں ہمارے کرہ سے صد گنے وسیع سیارے لاکھوں کی تعداد میں گردش کر رہے ہیں وہ تمام ایک ہی وحدت ہے۔ وحدت کل ہے اور کثرت وحدت کے نمایاں ہونے کا ایک طریقہ ہے وحدت اپنے اظہار کے لئے چونکہ کثرت کا جامہ پہنتی ہے۔ اور یہ کثرت اکائیوں سے مرکب ہوتی ہے اس لئے انسان ان اکائیوں کی انفرادیت و کثرت میں اُلجھ جاتا ہے اس کی نگاہ ان اکائیوں کے مشترکہ وحدت سے ہٹ جاتی ہے انسان نے ہنوز کرہ عرضی اور بنی نوع انسان کو وحدت مان کر

سوچنا شروع نہیں کیا۔ فرد جماعت کو۔ جماعت پوری قوم کو ایک قوم دوسری اقوام کو متاثر کرتی ہے۔ فرانس میں انقلاب ہوا تو ساری دنیا متاثر ہوئی۔ اسی طرح ۱۹۰۵ء میں روسی انقلابی جد و جہد نے جہاں زار روس کے عیش و نشاط کو منغص کیا وہاں امیر علیم خان والیٔ بخارا کو بھی متعدد سیاسی جھٹکے دیئے۔ رفتار زمانہ کے یہ امر خلاف ہوتا اگر اس انقلابی دور میں کوہ قاف۔ والگا۔ کریمیا کے علاقوں کے بیدار مسلمانوں اور وسط ایشیا کے بیدار مغز و ذی ہوش مسلمانوں میں رشتۂ ارتباط قائم نہ ہو جاتا۔ ان تعلقات کا یہ نتیجہ ہوا کہ موسکو سے لے کر بخارا تک انقلابی جرائد و کتب کی آمد کا سلسلہ قائم ہو گیا اور ان کے ذریعے سے موسکو اور پیٹر برگ کی انقلاب پسند جماعت کی آتش بیانی، اُن کے دلائل و براہین، اُن کی جرأت و ہمت کے مظاہروں کے تذکرے بخارا و سمرقند کی شاہراہوں اور ایوانوں میں بیک وقت ہونے لگے۔

ایک خاص نوع کے میدان فکر سے نکل کر دوسرے افکار کی دنیا میں داخل ہونا عام فکر کے لئے اس مادی جسم کو چھوڑ کر فضائی دنیا میں داخل ہونے سے کہیں زیادہ دشوار ہے۔ جدید تصورات کو اپنانے میں دشواریاں ہوتی ہیں اور وقت لگتا ہے۔ جدید پارٹی ہنوز فرسودہ فکر کی روشنی میں آئینی جد و جہد کر رہی تھی کہ ۱۹۱۷ء میں روس میں انقلاب ہو گیا۔ اور زار روس کی حکومت ایک دفتر پارینہ بن گئی قلب پر صدمہ پہنچنے سے تمام جسم متاثر ہو جاتا ہے۔ زار روس کی برطرفی نے والیٔ بخارا کے قصر شاہی کے کنگرے ہلا دیئے۔ موسکو کے انقلابی عناصر کے پیغام اخوت کا وسط ایشیا پہنچنا تھا کہ مردہ دلوں میں جان پڑ گئی۔ بعض مرتبہ قوموں کی موت کے بعد ان کی از سر نو زندگی عجیب طرح سے واقع ہوتی ہے۔ قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ کی طرح موسکو سے نعرے بلند ہوئے "اخوت انسانی" زندہ باد اور وسط ایشیا کی آبادی میں جان پڑ گئی۔ آج بھی معجزات عام ہیں۔ لیکن چشم بینا اور دل بیدار نہیں

جو اُن کو دیکھے اور سمجھے۔ دل کشا مناظر موجود ہیں لیکن ہم زاویہ نگاہ کھو چکے ہیں جس زاویہ سے دیکھنے سے منظر کی حسن و خوبی کا ہماری آنکھ پر پورا پورا عکس پڑتا۔ اس زمانے میں امیر علیم خاں نے جمہور کی عام بیداری اور جرأت سے متاثر ہو کر مراعات دینے کا وعدہ کر لیا اور اعلان کے ذریعہ سے جدید پارٹی کو ایک کانفرنس میں شامل ہونے کی دعوت دی لیکن جب اس پارٹی کے لیڈر فیض اللہ اس کانفرنس میں پہنچے تو امیر بخارا اور اس کے وزراء کے علاوہ ایجنٹ روس مسٹر ملر، حکومت کے عمال اور مذہبی رہبروں کو بھی موجود پایا۔ گفتگو ہوئی لیکن نتیجہ خیز نہیں۔ اس کانفرنس میں اگر کوئی سیاسی معاہدہ ہو بھی جاتا تب بھی شاید مفید ثابت نہ ہوتا۔ کیونکہ اب وسط ایشیا روس کی حالت کا آئینہ بن گیا تھا۔ موسکو و پیٹروگریڈ کی ہر سیاسی تبدیلی اب بخارا۔ سمرقند۔ ترکستان پر اپنا سایہ ڈالنے لگی تھی۔ اگر موسکو میں جمہوریت پسند سوشل انقلابی پارٹی کو عروج ہوتا تو بخارا میں بھی جدید پارٹی توانائی محسوس کرنے لگتی۔ پیٹرو گریڈ میں کورنیلوف اور کرنسکی کو زک پہنچتی تو یہاں بھی رجعتی عناصر دبنے شروع ہو جاتے۔ موسکو میں بولشیوک کے مظاہرے ہوتے تو یہاں بھی انقلاب انگیز عناصر کی رگ پے میں گرم گرم خون جوش مارنے لگتا۔ موسکو کی سیاسی حالت کے ساتھ ساتھ بخارا کی بھی سیاسی حالت بدلتی رہتی تھی۔ پیٹروگریڈ میں جیسے بتدریج کرنسکی کی حکومت مشکلات میں گھرتی گئی۔ بخارا کی جدید پارٹی کا بھی وقار ملک میں کم ہوتا گیا اور ایک نئی نوجوان بخارا پارٹی وجود میں آگئی۔ اس پارٹی نے منظم ہوتے ہی ایک کمیٹی بنائی اور اپنے مبلغین کو نہ صرف دیہات بلکہ فوج میں تبلیغ کے لئے روانہ کر دیا۔ اس تدبیر سے نوجوان بخارا پارٹی نے فوج میں بھی اپنے ہمدرد پیدا کر لئے۔ نوجوان پارٹی کو انقلابی جدوجہد کرتے کچھ عرصہ ہی ہوا ہوگا کہ روس میں بولشیوک پارٹی مکمل طور پر برسراقتدار آگئی۔

بولشیوک نے برسرِ اقتدار آتے ہی ایک اعلان "جمہور کے حقوق" نشر کر دیا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ جو اقوام آج تک زار روس کے پنجۂ خونی کا شکار رہی ہیں ان کو مکمل آزادی دیجاتی ہے۔ اور یہ حق بھی دیا جاتا ہے کہ اگر وہ پسند کریں تو موسکو کی مرکزی حکومت سے علیحدہ ایک خود مختار حکومت قائم کر سکتی ہیں۔ موسکو کی بولشیوک حکومت کا یہ اعلان امیر بخارا کے فہم سے باہر تھا۔ وہ یہی خیال کرتا رہا کہ یہ اعلان بولشیوک کی ایک سیاسی چال ہے جس کی مدد سے بولشیوک کی نئی غاصب حکومت اپنی انقلابی جدوجہد میں مقہور و مجبور قوموں کی امداد و تعاون حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ابھی اس اعلان پر عوام و خواص میں تنقید و تبصرے ہو ہی رہے تھے۔ کہ موسکو سے ایک اور اعلان موصول ہوا جس پر لینن اور اسٹالن کے دستخط ثبت تھے۔ یہ اعلان مشرق اور روس کے مسلمانوں کے نام تھا۔ جس میں یہ وعدہ کیا گیا تھا۔ کہ اشتراکی فیڈریشن میں مسلمانوں کو اپنے معتقدات و تصورات اور خاص تہذیب و تمدن کے مطابق اپنے ممالک کے دستور حکومت کی تشکیل کا پورا پورا حق حاصل ہوگا۔ مسلمان اپنی قومی زندگی کو اپنے خاص تخیلات کے بموجب وضع کرنے میں پورے آزاد ہونگے۔ اور ان کے ان حقوق کی بولشیوک حکومت پورے طور پر حفاظت کرے گی۔ والیِ بخارا یہ اعلانات بار بار پڑھتا تھا لیکن اس کا قرونِ وسطیٰ کا فہم و ادراک ان اہم اعلانات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا۔ امیر کو ہنوز یہ یقین نہ تھا کہ نکولائی دوم جس کی فوج کا امیر بخارا اعزازی جنرل تھا۔ اور جس کے سایۂ عاطفت میں امیر نے ہیرے جواہرات و طلاء و نقرہ کی شکل میں اتنی دولت جمع کر لی تھی کہ وہ افسانہ معلوم ہوتی تھی جس زار اور اس کے دربار حکومت میں امیر نے ...... اور بل روسی کی صنعت و حرفت میں لگا رکھے تھے وہ اس آسانی سے برطرف کیا جا سکتا ہے اور لینن اور اس کے شرکار کار جن کی کل تک غدار مجرموں کی حیثیت تھی وہ آج سریر آرائے سلطنت ہو سکتے ہیں۔ امیر بخارا نے

نزدیک قدرت مکافاتِ عمل کا قانون محو کرچکی تھی۔ تغیر و تبدل کائنات کا قانون نہیں رہا تھا۔ بلکہ اس کی جگہ یکسانیت و تکرار نے لے لی تھی۔ والیِ بخارا کو یقین تھا دولت و غربت آقا و خادم کا فرق قانون ایزدی ہے جو ہمیشہ جاری و ساری رہیگا کچھ لوگ ہمیشہ خوشحال اور حاکم رہیں گے۔ اور دوسرے ہمیشہ تباہ حال اور محکوم۔ امیر بخارا کو یہ خبر نہ تھی کہ دنیا بہت تیزی سے اسلامی مساوات کی طرف جارہی ہے اور وہ زمانہ آگیا ہے کہ مساوات کے منافی چند رسومات جن کو اسلام نے تمدنی و تاریخی ماحول سے مجبور ہوکر جائز قرار دے دیا تھا وہ بھی عصر حاضر کی وحی اور دنیا کے ارتقا نے مسترد کردی ہیں۔

تباہ کن زلزلہ صرف چند صد میل کو تہہ و بالا کرتا ہے۔ کوہ آتش فشاں صرف چند آبادیوں کو خاکستر کرتا ہے۔ سمندری خشمناکی چند جہازوں اور چند ساحلی آبادیوں کو فنا کرتی ہے اور بس۔ لیکن انسانی عمل کا طوفان محشر خیز ہوتا ہے۔ وہ چند میل اور چند آبادیوں تک محدود نہیں رہتا۔ وہ حدود کی پابندی سے بے نیاز ہوتا ہے اور کرۂ ارض کے ہر گوشہ کو صدیوں تک متاثر کرتا رہتا ہے۔ انقلاب روس بنی نوع انسان کی ایک ایسی کروٹ تھی جو صدیوں کے بعد اسی خاکدان میں بسنے والے ایک خاص فطری قانون کے مطابق بدلتے اور خفتگی سے بیداری کی سمت مراجعت کرلیتے ہیں۔ انقلابی بیداری معاشرے کے ہر طبقہ میں زندگی کے آثار نمایاں کردیتی ہے بخارا میں جب ماسکو کے نعرہ ہائے انقلاب کی گونج پہنچی تو اس نے سب کو خوابِ غفلت سے جگا دیا۔ امیر بخارا نے رجعتی و شہنشاہیت پسند اور مذہبی عناصر کو یکجا کیا۔ جدید پارٹی نے سرمایہ دار و برجوازی جماعت کی اور نوجوان بخارا پارٹی نے انقلابی جمہوری تنظیم شروع کردی۔ والیِ بخارا اپنے شخصی اقتدار کو بعینہٖ برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ جدید پارٹی آئینی جمہوریت کے قیام کی حامی تھی تاکہ سرمایہ دار و برجوازی طبقات

ملک کی تمام صنعت وحرفت وزراعت کو کامل طور پر اپنے تصرف میں لا سکے۔ نوجوان بخارا پارٹی سوویٹ نظام قائم کرنے کی خواہاں تھی۔ اگرچہ بخارا کے ان تینوں گروہوں کے مفاد میں تضاد تھا لیکن جب جدید پارٹی کو یہ علم ہوا کہ بولشیوک کی قومی حکومت کے قیام سے مراد قوم کی اکثریت کی حکومت ہے اور اکثریت انقلابی جمہور کی تھی۔ تو ان حالات کے ماتحت جدید پارٹی نے امیر بخارا کی پارٹی سے متحد ہو کر نوجوان بخارا پارٹی کے خلاف ایک مشترکہ محاذ قائم کر دیا اور دیگر معاونین کی جستجو شروع کر دی اس تلاشی میں ان کی نظر سلطنت برطانیہ پر پڑی۔ ان کا یہ انتخاب درست تھا۔ چونکہ برطانیہ اپنے مفاد کی خاطر وسط ایشیا میں اشتراکی نظام اور بولشیوک اثر قائم ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ افغانستان و ہندوستان کے قریب سوویٹ طریقہ حکومت کا اجرار برطانیہ کے لئے نمایاں خطرہ تھا۔ بولشیوک کا حسب ذیل اعلان ہوا کا رخ تیار ہا تھا۔ اور برطانیہ کو برہم وہراساں کرنے کے لئے کافی تھا۔

مشرق کے مسلمانوں۔ فارس کے باشندوں۔ ترکوں و عربوں۔ ہندوؤں۔ جن کی جان ومال اور آزادی صدیوں سے مغربی ممالک کی بہیمیت کا شکار بنی ہوئی ہے اور جن کے ممالک کی تقسیم کے لئے موجودہ خونخوار جنگ لڑی جا رہی ہے بولشیوک تمہاری اطلاع کے لئے اعلان کرتے ہیں کہ زار روس کے خفیہ معاہدے جو اس نے قسطنطنیہ کو زیر نگین کرنے کے لئے دوسرے سرمایہ دار ممالک سے کر رکھے تھے اور جن کی پابندی کرنسکی نے تسلیم کر لی تھی ہم ان کو کلعدم قرار دیتے ہیں۔ ہماری حکومت دوسرے ممالک کو غصب کرنے کے خلاف ہے۔ قسطنطنیہ مسلمانوں کے ہی قبضے میں رہنا چاہیئے۔ زار روس نے فارس کے حصے بخرے کرنے کے متعلق جو معاہدے کئے تھے۔ ہم ان کو بھی منسوخ کرتے ہیں۔ فارس کے باشندوں کو اپنی حکومت کی تشکیل کرنے کا کامل اختیار ہے۔ ہم یہ بھی اعلان کرتے ہیں کہ ترکی کی تقسیم اور ایشیا

کے الحاق کی بابت زار روس کے دوسرے مغربی ممالک سے جو معاہدے تھے ان کو چاک کر دیا گیا ہے۔"

بولشیوک کا یہ اعلان دراصل امیر بخارا اور برطانیہ کو ہم آغوش ہو جانے کی دعوت تھی۔ اپنے مفاد کو دیکھتے ہوئے والیِ بخارا نے بولشیوک سے رشتۂ اتحاد منقطع اور سوویٹ ترکستان سے تعلقات پیدا کرنے کی سعی کو جرم قرار دے دیا۔ ان ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد اتحادی (امیرِ بخارا۔ جدید۔ برطانیہ) نوجوان بخارا پارٹی کی انقلابی جد وجہد کے دبانے کے لئے فوج فراہم کرنے میں مصروف ہو گئے۔ غیر متمدن ملک میں جہاں جمہور نان شبینہ کے محتاج ہوں چند درم میں انسان کی زندگی خریدی جا سکتی ہے چنانچہ قلیل عرصے میں رجعتی عناصر فوج جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

زراعتی ملک میں اشتراکی انقلاب کرنا جوئے شیر لانے سے بھی کہیں زیادہ دشوار ہوتا ہے۔ غیر تعلیم یافتہ و پس افتادہ جمہور میں اشتراکی نظام کا تصور پیدا کرنا اور اس کے محاسن سے ان کو آشنا کرنا ناممکن ہوتا ہے وسط ایشیا چونکہ کم وبیش زراعتی ملک تھا۔ اس لئے وہاں مفلوک الحال عوام کی تعداد تو کثیر تھی لیکن بیدار مزدور طبقہ اس نسبت سے بہت قلیل تھا۔ اگر کسی ملک میں بیدار مزدور طبقہ کا فقدان ہو تو انقلابی سعی بے روح قالب رہ جاتی ہے۔ انقلاب کی روحِ رواں بیدار مزدور طبقہ ہوتا ہے جو فوج کو متاثر کر کے انقلاب کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ بخارا میں مزدور طبقہ کی قلت اور کم فہمی کی وجہ سے نوجوان بخارا پارٹی کو انقلابی تنظیم میں بہت دشواریاں پیش آتی تھیں۔ اور غیر ملکی روسیوں کو شریک کار کرنا پڑتا تھا۔ غیر قومیت کے لوگوں کا کسی ملک کی سیاسی تحریک میں حصہ لینا وہاں کے جمہور میں شبہ پیدا کر دیتا ہے چنانچہ رجعتی عناصر کا یہ پروپیگنڈا کہ نوجوان بخارا پارٹی بولشیوک کی آلہ کار بنی ہوئی ہے اور اغیار کے ہاتھ بکی ہوئی ہے جمہور کو متاثر کرنے لگا۔ مصیبت قطار در قطار آتی ہے۔ آفات کا ترشح ہوتا ہے

وہ کھل کر نہیں برستیں۔ بخارا کی نوجوان پارٹی اغیار کے پروپیگنڈے کا ہدف بنی ہوئی تھی کہ خود روس میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اور دشمنانِ اشتراکیت نے موسکو اور وسط ایشیا کا سلسلۂ آمد و رفت منقطع کر دیا جہاں سے آبِ حیات قطرہ قطرہ آرہا ہو دشمن اس منبع ہی کو بند کر دیں تو تشنگانِ زندگی کو موت کیوں نہ دکھائی دینے لگے۔ موت سامنے آئی تو نوجوان بخارا پارٹی کے قائدِ اعظم فیض اللہ نے بھی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا اور انقلابی فوج کے منظم کرنے میں سرگرم ہو گیا انسان سرگرمِ عمل رہے تو مفید حالات و واقعات پیدا ہو ہی جاتے ہیں جس کو مذہبی زبان میں تائیدِ الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حالات کی مساعدت دیکھئے کہ اس اثناء میں سوویٹ ترکستان نے جنرل ڈوٹو کی فوج کو شکست دیدی۔ اور وہاں کے اشتراکی نوجوان بخارا پارٹی کی امداد کے لئے آزاد ہو گئے۔ دونوں طرف سے تیاری ہو جانے کے بعد مناظرِ قدرت نے اشرف المخلوقات کی بہیمیت کا نظارہ دیکھا۔ شہنشاہیت پسند، سرمایہ دار، بُرجوازی، مذہبی رہبران کے زیرِ اثر مفلوک الحال طبقہ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے۔ ہاتھوں میں چمکتی ہوئی تلواریں لئے۔ دانتوں میں خنجر دبائے۔ رجز پڑھتے ہوئے میدانِ کارزار میں آگئے۔ دوسری جانب سے خونخوار انقلابی "انقلاب زندہ باد" کے پرچم اڑاتے۔ محنت کش آزاد کے نعرے لگاتے، آلاتی سامانِ حرب سے آراستہ مدمقابل ہوئے۔ رن پڑا۔ اور بولشیوک کے مشین گن کے سر فتح کا سہرا رہا مشین کیا ہے؟ وہ فولاد کی شکل میں انسان کا صدیوں کا تدبر و تفکر مشاہدہ بصیرت وجدانی ہے وہ انسانی ترقی کا حاصل ہے۔ اور اس سے انحراف انسانی ترقی سے انحراف ہے۔ جو جماعت ترقی کے حاصل سے انحراف کر رہی ہو۔ اُس کا شکست پا جانا لازمی تھا۔ چنانچہ امیر بخارا کو زک اٹھانی پڑی اور صلح پر نظر رکھتے ہوئے امیر نے حسبِ ذیل اعلان نشر کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ کسی قوم کی اس سے زیادہ خوش نصیبی نہیں ہو سکتی کہ اس میں آزادی و مساوات کار فرما ہوں ہمیں اس امر کا پورا پورا احساس ہے کہ اگر ہماری قوم کو آزادی اور دیگر حقوق نہ ملے اور ملکی دستور عصر حاضر کے تقاضوں کے بموجب نہ بدلا گیا تو ہمارے ملک میں امن و امان قائم نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اس امر کا کامل احساس ہے۔ کہ ہماری ملک و قوم کی پستی کی یہ وجہ ہے۔ کہ ہمارے عوام غلام ہیں۔ اور ہماری حکومت میں ضروری اداروں کی کمی ہے۔ . . . . .

اس تمہید کے بعد اعلان میں اصلاحات کی ایک طویل فہرست درج تھی۔ جس میں جمہوری حکومت کے قیام، سزائے قتل کی منسوخی اور طریقہ ٹیکس میں تبدیلی کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اعلان کے آخیر میں یہ جملہ تھا!

"دنیا کی کوئی طاقت نہیں۔ جو ہمیں اپنے اس عزم سے ہٹا سکے"

انقلابی کی نگاہ اعلانات پر نہیں ہوتی بلکہ حالات و حقائق پر ہوتی ہے۔ وہ بلند آہنگ اعلانات سے مرعوب نہیں ہوتا بلکہ سیاسی و جی۔ اقتصادی حالات میں وہ تبدیلیاں پیدا کرنا چاہتا ہے جس کا اجرا رجعتی عناصر کو دوبارہ توانا نہ ہونے دے۔ چنانچہ نوجوان بخارا پارٹی نے امیر سے رجعتی فوج کو غیر مسلح کرنے کا مطالبہ کیا۔ اور اس کا اجرا اپنے نمائندوں کے روبرو چاہا تاکہ اس اہم معاملہ میں دھوکا نہ ہو سکے امیر کے مطالبہ قبول کرنے پر انقلابی پارٹی کا ایک وفد شاداں و خیزاں بخارا پہنچ گیا جہاں امیر کے حکم سے ان نمائندوں کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا اور ۳۵۰۰۰ رجعتی افواج نے کوگان کے مقام کا جہاں نوجوان بخارا پارٹی اور ترکستان کی سرخ فوج جمع تھی اچانک محاصرہ کر لیا۔ ۳۶ گھنٹے تک رن پڑا۔ انقلابی توپ خانے نے خوب سرگرمی دکھائی لیکن بخارا پر کوئی گولہ نہ لگ سکا امیر بخارا اور مذہبی رہبروں نے

اس واقعہ کو قدرت کا معجزہ قرار دیا۔ اور بخارا پر کسی گولہ کا نہ پڑنا اس امر کی دلیل ٹھہرائی گئی۔ ملائکہ اس مقدس مقام اور اس کے متکی مومنین کی حفاظت کر رہے ہیں اور جس فریق کی طرف سے ملائکہ برسرپیکار ہوئے اس کی فتح یقینی ہے۔ اس معرکہ میں بولشیوک کو شکست ہوئی۔ اور امیر بخارا کا وقار از سر نو قائم ہو گیا۔

کھوئی ہوئی سلطنت مل جانے پر والی بخارا کا مسرور ہونا قدرتی تھا۔ لیکن جب اس کو یہ علم ہوا کہ برطانیہ کی افواج فارس و ٹرانس کاسپیا کی سمت بڑھ رہی ہیں اور برطانیہ ہندوستان سے لے کر وسط ایشیا تک بڑی سرعت سے ریل کی پٹڑی ڈال رہا ہے تاکہ اس علاقہ میں فوجی نقل و حرکت میں آسانی ہو سکے اس پر امیر کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جولائی ۱۹۱۸ء میں جب برطانوی افواج کی مدد سے بخارا کے رجعتی عناصر عشق آباد کی سوویٹ حکومت تباہ کرنے اور وہاں اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو گویا امیر بخارا کی دل کی کلی کھل کر شاداب پھول بن گئی۔ انقلاب خط مستقیم پر نہیں بڑھتا۔ بلکہ پیچ و خم کھاتا ہوا چلتا ہے۔ اگر انقلاب چار قدم آگے بڑھتا ہے تو دو قدم پیچھے بھی ہٹتا ہے۔ یہ زمانہ انقلاب کی پسپائی کا تھا۔ برطانیہ کا افواج و سامان حرب سے رجعتی عناصر کی مدد کرنا اور بولشیوک روس کا خانہ جنگی کی وجہ سے وسط ایشیا کے انقلابی عناصر کی مدد کرنے سے مجبور و عاجز ہونا یہ دو واقعات وسط ایشیا میں انقلاب کے لئے کوئی نیک فال نہ تھے۔ انقلاب کی شکست ہوتے دیکھ کر رجعتی عناصر اگروہ در گروہ انقلابیوں پر ٹوٹ پڑے اور ملک کے ہر گوشے میں ان کے خون کی ندیاں رواں ہو گئیں کبھی مصائب و آلام معصیت کا نتیجہ ہوتے ہیں اور کبھی معصیت سے بچنے کے لئے مصائب و آلام سے گزرنا پڑتا ہے۔ غلامی کی معصیت سے بچنے کے لئے انقلابی مصیبت کی موت سے ہم آغوش ہو رہے تھے۔

اس زمانہ میں برجوازی عناصر کی سرکردگی میں ایک رجعتی تحریک "سلسماجی" کے نام سے شروع ہو گئی تھی جس کا مقصد انقلابی عناصر کو فنا کرنا تھا۔ امیر و برجوازی طبقات نے زر و مال کا لالچ دے کر اور مذہبی رہبروں نے عوام کی مذہبی نفسی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر متعدد فوجی دستے مہیا کر لئے تھے جن کو انھوں نے نہ صرف تو ایجاد ہتھیاروں سے آراستہ کرایا تھا بلکہ جن کو برطانوی فوجی افسروں نے قواعد سکھائی اور جنگی تربیت دی تھی۔ یہ دستے پنڈاریوں کی طرح ہر طرف کشت و خون کرتے پھرتے تھے۔ جہاں جاتے۔ وہاں مقامی طور پر اپنی خورد و نوش کا سامان بلا معاوضہ دستیاب کر لیتے۔ اس طرز عمل سے دیہات میں عام طور پر غم و غصہ کی لہر دوڑ جاتی۔ لیکن غیر مسلح دیہات آلات سے مسلح فوج کے خلاف کیا کر سکتے تھے۔ ان حالات میں رجعتی عناصر اپنی پروردہ تحریک کی فتح و نصرت کے نغمہ گاتے پھرتے تھے۔ ان کو یہ علم نہ تھا کہ (برطانیہ) کے کندھوں پر رکھ کر بندوق طویل عرصے تک نہیں چل سکتی اور ترقی پسند رجحانات مدت تک نہیں روکے جا سکتے۔ ان رجعتی عناصر کے فہم میں ہنوز یہ حقیقت بھی نہ آئی تھی کہ اس قسم کی تحریکات دو دھاری تلوار کے مثل ہوتی ہیں جو دونوں سمت سے کاٹتی ہے۔ ملک میں خانہ جنگی اور طوائف الملوکی شروع ہو جانے سے زراعت و صنعت و حرفت غرضیکہ ملک کی تمام اقتصادی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ ملک کی اقتصادی زندگی کا درہم و برہم ہو جانا عوام کو بے روزگار کر دیتا ہے۔ بے روزگاری بھوک بڑھاتی ہے۔ بھوک کی شدت طبقاتی احساس کو توانائی بخشتی ہے۔ طبقاتی احساس کی نشو و نما طبقاتی کشمکش پیدا کرتی ہے۔ طبقاتی کشمکش انقلاب کے لئے ممد ہوتی ہے۔ خانہ جنگی کے زمانہ میں صرف یہی نہیں ہوتا۔ کہ ملک کی اقتصادی زندگی میں آشوب آجاتی ہے بلکہ فوجی ضرورت کے لئے حکومت کی مالی احتیاج ہزار گنا زیادہ ہو جاتی ہے جس کی فراہمی کے لئے حکومت رعایا پر

انواع واقسام کے ٹیکس لگانے پر مجبور ہو جاتی ہے ایک طرف بے روزگاری دوسری طرف متعدد ٹیکس جمہور کو انقلاب پر آمادہ کر دیتے ہیں۔

۱۹۱۸ء میں وسط ایشیا کی زندگی کا انحصار روئی کی فروخت پر تھا جس کو وہاں کے باشندے سفید چاند کہکر پکارتے ہیں یہ روئی ہی ان کا سرمایۂ حیات تھی جس کا تمام تر حصہ وہ روس کو فروخت کر لیتے تھے۔ جب روس کے رجعتی عناصر نے مغربی یورپ کی مدد سے روس میں خانہ جنگی شروع کی اور یورال پر محاذ قائم کر کے روس و وسط ایشیا کے راستے مسدود کر دیئے تو روئی روس نہ جا سکی۔ روئی کا فروخت نہ ہونا وسط ایشیا کے کروڑوں انسانوں کے لئے مصائب و آلام بن گیا جب بھوک کے ستائے ہوئے بدحال کسان و عوام سرمایہ دار، جاگیردار، امیر زمیندار اور خوشحال بر جوازی کا کروفر اور شاداب چہرے دیکھتے اس وقت ان کا یہ احساس کہ باوجود مذہبی و تمدنی یگانگت کے وہ دو مختلف طبقے ہیں قوی تر ہو جاتا اور ان کی طبقاتی تضاد پر نظر جانے لگتی آہستہ آہستہ اپنے مشاہدوں کی بنا پر جمہور کو یہ یقین ہو تا جاتا تھا کہ طلائی و نقرئی اور مذہبی زنجیروں میں جکڑ کر خوشحال طبقات غریب جمہور کو ملکیت کے بت پر سے نثار کر رہے ہیں۔ مزدور و غریب عوام میں طبقاتی زاویۂ نظر پیدا ہونے کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہوئی کہ روس و جرمنی کی جنگ ختم ہونے پر بخاری سمرقندی، ترکستانی، جنیوی سپاہی یورپ کے مشرقی محاذ سے اپنے وطن واپس آئے وہ نہ صرف اپنی بندوقیں ساتھ لائے۔ بلکہ دلوں میں مستور وہ ازلی قدور اور اشتراکی نعرے بھی لائے جو بولشیوک نے زار کی فوج میں پھیلا دیئے تھے۔ اور جن کے اثر سے روسی فوج نے جرمنی کے خلاف برسرپیکار رہنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس سے انقلابی عناصر کو غیبی مدد یہ ملی۔ کہ محاذ جنگ سے لوٹے ہوئے لاکھوں سپاہی شہر و دیہات میں انقلاب کے علم بردار بن گئے۔

جو سپاہی کئی سال تک موت کے آغوش میں پلا ہو جس کے لئے موت ایک تماشا بن گئی ہو۔ وہ اپنے معتقدات کے اظہار میں ہمیشہ دلیری سے کام لیتا ہے ۔
جب ان سپاہیوں نے وطن آ کر ملک کے غریب طبقے کی بدحالی دیکھی تو انھوں نے وہی نعرے لگانے شروع کر دئے جو بولشیوک روس میں لگا رہے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ انھوں نے تاشقند میں "شورائے اسلامیہ" کے مدمقابل مسلمان مزدوروں کا شوریٰ کے نام سے ایک ادارہ قائم کر دیا۔ دیگر مقامات پر مزدور انجمنیں (یونین) قائم کر دی گئیں۔ فرغانا میں جہاں بابر یہ مصرعہ گنگناتا پھرتا تھا۔ "بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" ان سپاہیوں نے "مفلوک الحال مسلمانوں کی انجمن" کے نام سے ایک طبقاتی ادارہ قائم کر دیا۔ انجمنوں کے ان ناموں سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وسط ایشیا میں "ملت اسلامیہ" کے تخیل کی جگہ اب طبقاتی تخیل نے لینی شروع کر دی تھی۔ اب مسلمان ایک برادری نہیں رہے تھے۔ بلکہ ان کی متعدد برادریاں قائم ہو گئیں تھیں جن کے مفاد میں تضاد تھا۔ اب امیر مسلمان اور غریب مسلمان مدمقابل تھے۔ ایک طرف امیر و متوسط درجہ کے مسلمانوں کی پروردہ و نمک خوار سماجی فوج تھی۔ اور دوسری طرف مفلوک الحال مسلمانوں کی نیم مسلح سرخ فوج جس میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہوئے تھے۔ مذاہب کے مباغثوں میں اخوت اسلامی اور مساوات کے راگ گانے والوں نے اپنے انفرادی مفاد کی خاطر اس اخوت و مساوات کا جس بے رحمی سے قلع قمع کیا وہ تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہے۔ غریب مسلمان اس کے مونس و دمساز اور لخت جگر لاکھوں کی تعداد میں اپنے دینی بھائیوں کے غیظ و غضب کا شکار ہو گئے۔ لیکن حقیقی قدور کا جادو دیکھئے کہ باوجود بے سروسامانی کے غریب صرف ایمان کے زور پر لڑتے ہی رہے۔ ان کو موت کا یقین تھا لیکن جان کا خوف نہ تھا۔ یہ بے خوفی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان ظلم و ستم سے مجبور ہو کر صرف خدا کے بھروسے پر

ناانصافی اور تشدد کے خلاف جہاد کرنے اٹھتا ہے۔

امیر بخارا استماجی دستوں کی فتوحات سے مطمئن و شادان، از سر نو اپنے وسیع حرم کے ساتھ عیش و نشاط میں منہمک ہو گیا۔ نہ اس کو یہ خبر رہی۔ کہ ٹیکسوں میں غیر معمولی اضافے۔ ضروری اجناس زندگی کی کمی۔ صنعت و حرفت و زراعت کا انحطاط عام بے روزگاری یہ سب چیزیں از سر نو انقلاب کے لئے نئی بنیادیں قائم کر رہی ہیں اور جمہور میں وہ نفسی اتحاد اور عملی تعاون پیدا کر رہی ہیں جو انقلاب کے لئے بہت سازگار ہوتا ہے۔ اور نہ اس کو یہ وہم و گمان گزرا کہ اس کی ممد و مددگار سلطنت برطانیہ اپنی سیاسی و فوجی ضرورت کی بنا پر وسط ایشیا سے فوجیں ہٹا لینے پر مجبور ہو جائے گی۔ نغمہ و سرور کی محویت نے اس کو اتنا بے خبر کر دیا۔ کہ امیر امان اللہ خان کی سعی آزادی اور برطانیہ سے جنگ کی تیاری کی اطلاع بھی امیر بخارا کو نہ ہوئی۔ ۱۹۱۹ء میں افغانستان کی جنگ آزادی اور ہندوستان کی سیاسی بے چینی سے مجبور ہو کر جب برطانیہ نے وسط ایشیا سے فوجیں ہٹائیں اس وقت امیر بخارا کو اپنی حکومت کے استحکام میں دوبارہ شگاف نظر آنے لگا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ بولشیوک مخالف جرنلوں اور سرمایہ دار ممالک کی افواج کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ روس میں رجعتی عناصر کی شکست کی ہر اطلاع امیر بخارا کے لئے پیام مرگ تھی بظاہر تھا کہ روس کے رجعتی عناصر کو ختم کرنے کے بعد بولشیوک وسط ایشیا کے رجعتی عناصر کو تباہ کرنے میں سرگرم ہو جائیں گے۔ برطانوی افواج کے ہندوستان کی سرحد پر چلے جانے اور کولچک و ڈینکن وغیرہ کے روس میں شکست کھا جانے سے وسط ایشیا کی سیاسی بساط پلٹ گئی۔ کچھ عرصے بعد جب نوجوان جنیوا پارٹی کے ہاتھ سے جنیوا کے امیر جنید خان کی شکست اور فارس کو فرار ہونے کی خبر امیر بخارا کو ملی اس کو اپنا بھیانک مستقبل زیادہ صاف طور پر دکھائی دینے لگا۔ اب

امیر بخارا نے انقلابی عناصر کے خلاف زیادہ مستعدی سے جنگ کرنے کی ٹھان لی ٹیکسوں میں اضافہ اور سامان حرب کی خریداری شروع ہو گی نیز جہاد کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ باطل کے قیام کے لئے جہاد کا اعلان کتنا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن باطل کی یہ کمزوری ہے کہ جب وہ دنیا میں نکلنا چاہتا ہے تو حق کا آنچل اپنے اوپر ڈال کر نکلتا ہے۔ برطانیہ کی امداد ختم ہو جانے پر امیر بخارا نے امیر افغانستان سے ربط و ضبط بڑھانا چاہا۔ دونوں حکومتوں میں ایک دوسرے کے سفیر مقرر و متعین ہو گئے امیر بخارا نے بہت سی بیش قیمت تحائف بطور ہدیہ خلوص و الفت کے ساتھ افغانستان روانہ کئے۔ امیر امان اللہ خان نے چند توپیں اور پانچ ہاتھی ہدیہ محبت کے طور پر امیر بخارا کے نظر کئے۔ اس اظہار الفت کی تہہ میں راز یہ تھا کہ امیر افغانستان مشرقی بخارا کو اپنے زیر نگین لانا چاہتا تھا اور امیر بخارا بولشیوک کے خلاف افغانستان کی امداد کا خواہشمند تھا۔ لیکن امان اللہ خان کی یہ سیاست نہ تھی کہ بولشیوک سے تعلقات خراب کئے جائیں۔ افغانستان ان حکومتوں میں سے ہے جس نے سب سے پہلے بولشیوک حکومت کو تسلیم کیا۔ امیر امان اللہ خان کے اس رویہ سے امیر بخارا پر اس امر کا اظہار ہو گیا کہ بولشیوک کے خلاف افغانستان سے مدد کی امید رکھنا بے سود ہے۔

مشاہدہ و تجربہ یہ بتاتا ہے کہ خواہ فرد ہو یا قوم، اگر درست تصورات کی روشنی میں سعی و عمل کرے تو اس کو ایک روز اپنے مقصد میں کامیابی ضرور حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ کس طرح ہوتا ہے، اس کے بابت کوئی کلیتہ بیان نہیں کیا جا سکتا صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ صراط مستقیم پر گامزن رہنے سے انسان منزل مقصود کو پا ہی لیتا ہے۔ روس میں حالات رو بہ اصلاح ہو نے پر بولشیوک وسط ایشیا کی طرف متوجہ ہوئے اور سوویٹ کی مجلس عاملہ نے تین اکابر بولشیوک فرنزی

بولشویک ایلیچ کو ترکستان روانہ کر دیا جہاں پہونچکر انھوں لنے فوراً ترکستانیوں کی قومی وملکی سوویٹ حکومت قائم کر دی اور اقتصادی زندگی کی تنظیم میں سرگرم ہوگئے قومی حکومت قائم ہوتے ہی اغیار کا یہ غلط پروپیگنڈا کہ روسی وسط ایشیا میں غیر قومی حکومت قائم کرنا اور اس کو اپنے زیر نگین رکھنا چاہتے ہیں غلط ثابت ہو گیا اور عوام کا بولشیوک کی نیک نیتی پر زیادہ یقین ہو گیا۔ جب اقتصادی تنظیم سے لنے ترکستان میں خوشحالی پیدا کر دی تو جمہور کے لئے سوویٹ حکومت سے غیر مطمئن رہنے کی کوئی وجہ نہ رہی۔ گرد ونواح کی ہمسایہ ریاستیں اب ترکستان کی خوشحالی پر رشک کرنے لگیں۔ اگرچہ رجعتی عناصر تحریر وتقریر کے ذریعہ سے اب بھی جمہور کو سوویٹ حکومت سے بدگمان کرنے کی سعی کرتے رہے لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ عملی مظاہرہ کے مقابلہ میں زبان کی فصاحت وبلاغت اور مذہب کے نام میں ذاتی وطبقاتی مفاد کی تبلیغ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ترکستان کی سیاسی امن اور اقتصادی ترقی نے جمہور کے دلوں کو ایسا تسخیر کیا کہ امیروں کے مالی اقرات مذہبی رہبروں کی تلقین۔ بورژوازی طبقہ کی ذہانت کوئی بھی اشتراکی اثر کے دائرے کو وسیع ہونے سے نہ روک سکی۔ جنیوا کے بعد بخارا میں بھی ترکستان کے قدم بقدم چلنے کی خواہش پیدا ہوگئی۔ ۱۹۲۰ء میں تاشقند و ترکستان میں پناہ گزین نوجوان بخارا پارٹی اپنے وطن کے کسانوں اور امیر بخارا کی فوج میں انقلابی تبلیغ کرنے نکل کھڑی ہوئی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے انھوں نے حسب ذیل اعلان شائع کیا۔

"محبان وطن خوف نہ کریں۔ انصاف اور طاقت ہمارے ساتھ ہیں۔ ستم شعار نیکولاز دوم زار روس کو جو امیر بخارا کا دوست تھا فنا کر دیا گیا ہے۔ امیر کے روسی شہنشاہیت پسند دوست جو اس کو مدد پہنچا سکتے تھے ان کا سرزمین روس سے اخراج کر دیا گیا ہے۔ اب روس میں مزدوروں وکسانوں کی مشترکہ فوج منظم

کرلی گئی ہے۔ جو قطعی طور پر ہماری طرف ہے اور ہر لحمہ ہماری امداد کے لئے تیار ہے جمہوریت پسند اشتراکی سرخ فوج اور بخارا کی انقلابی فوج زندہ باد۔"

نوجوان بخارا پارٹی کی انقلابی جدوجہد روز افزوں ترقی پذیر تھی اور قلیل عرصہ میں امیر بخارا کو یہ احساس ہو گیا کہ اس کی شخصی حکومت کی میعاد پوری ہو چکی۔ چرخ نیلی فام جب رنگ بدلتا ہے اور زندگی کے کسی موڑ سے گذرنے کا وقت آتا ہے تو اس وقت نیک و صالح اعمال کے سوا کوئی شے کام نہیں آتی۔ زر و مال۔ عزیز و اقارب اس صعوبت میں مدد نہیں کر سکتے اس وقت انسان کو صرف اپنی باطنی اہلیتوں اور عملی قابلیتوں پر بھروسہ کرنا ہوتا ہے۔ انقلاب انگیز حالات کی طوفانی رو بڑھتے دیکھ کر امیر کو اپنی جان عزیز اور اس سے بھی کہیں زیادہ اپنی دولت کی حفاظت کی فکر پڑ گئی۔ تاریخی حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ غریب سے لوٹا ہوا زر و مال جس پر امیر بخارا تمام عمر سانپ کی طرح بیٹھا رہا وہ آج حوادث زمانہ کے سپرد کرنا پڑ رہا تھا۔ تمام عمر امیر بخارا اللہ سے مکر کرتا رہا۔ لیکن اللہ کے ایک مکر کی بھی تاب نہ لا سکا اللہ کے مکر سے انصاف پیدا ہوتا ہے۔ مکر و فن۔ جبر و تشدد سے جمع کی ہوئی بے اندازہ دولت اب انہی افلاس زدہ لوگوں کے تصرف میں جاتی دکھائی دیتی تھی جن سے چھینی گئی تھی۔ لفٹننٹ کرنل اتھرٹن جن کی بخارا میں برطانیہ کے ایجنٹ کی حیثیت تھی اور جو امیر بخارا کے عزیز دوست بھی تھے اپنے حالات زندگی میں لکھتے ہیں۔

اپنی دولت کو امیر نے برطانیہ کی تحویل میں دینا چاہا۔ تاکہ وہ محفوظ ہو جائے۔ اور یہ درخواست کی کہ جب تک حالات روبہ اصلاح نہ ہوں یہ دولت برطانیہ ہی کے پاس رہے۔

جب کرنل صاحب نے دولت کو کسی دوسری جگہ منتقل کرنے میں خطرات بیان کئے۔ امیر اس پر بھی راضی ہو گیا کہ اگر نقلِ دولت میں کوئی واقعہ حائل ہو جائے تو

اس شکل میں برطانیہ اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا امیر بخارا اس دولت کے بدلے میں برطانیہ کے ایجنٹ کی ایک رسید چاہتا تھا۔ اور بس۔ امیر بخارا ایک کاغذ کے پرچے کے بدلے میں اپنی زندگی کا سرمایہ کرنل صاحب کی تحویل میں دینے کے لئے تیار تھا۔ کرنل صاحب امیر کی اس التجا سے مسرور ہوکر تحریر فرماتے ہیں۔

" امیر کی اس التجا سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ دور و دراز بخارا میں بھی ہمارا اعتبار کس قدر بڑھا ہوا تھا۔ لیکن چونکہ خاص بخارا اور اس کے گرد و پیش جنگ جاری تھی اس لئے میں امیر کی اس التجا کو قبول نہ کرسکا رہا یہ امر کہ میں اس دولت کو کاشغر کے برطانوی خزانے میں محفوظ کرتا۔ یہ اس لئے نہ ہوسکا کہ اتنی کثیر دولت کے رکھنے کی اس خزانہ میں گنجائش نہ تھی۔ اور نہ وہ بخارا سے کاشغر مکمل حفاظت سے پہنچائی جاسکتی تھی" عمل کا ردعمل اس خاموشی سے ہوتا ہے اور کم فہم انسان کو اس کا اس وقت علم ہوتا ہے جبکہ اس ردعمل کے نتائج مرتب ہونے شروع ہوجاتے ہیں۔ جو دولت مکر و فن ظلم و ستم سے جمع کی اس کو اپنے پاس رکھنا تو درکنار اب امیر کسی دوسرے کو دینا چاہتا ہے لیکن کوئی اس کی ذمہ داری لینے پر تیار نہیں ہوتا۔ یہ ہے اللہ کے مکر کا نمونہ۔

کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ انسان غلط الفاظ تخلیق کرلیتے ہیں اور خود ہی ان کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ان الفاظ میں سے ایک لفظ بے عمل بھی ہے۔ اکثر یہ جملہ سنا جاتا ہے۔ فلاں صاحب بے عمل ہیں حالانکہ قدرت نے انسان کو اس انداز پر تخلیق کیا ہے کہ اس کا بے عمل ہونا فطری طور پر ناممکن ہے۔ ایک شخص ایک صاف کمرے میں خاک لاکر اڑاتا ہے اور کمرے کی تمام اشیاء کو گرد آلود کردیتا ہے دوسرا شخص کمرے کی اشیاء کی کبھی صفائی نہیں کرتا اور گرد و غبار جمنے دیتا ہے۔ یہ دونوں دو مختلف طریقہ پر صاحب عمل ہیں اور ایک ہی نتیجہ پیدا کررہے ہیں۔

جہاں عمل ہے وہاں نتیجہ کا ہونا ضروری ہے اور یہ بھی مسلمہ امر ہے کہ جہاں نتیجہ ہے اس سے قبل عمل ضرور ہے خواہ اس کو بے عملی کے نام سے پکارا جائے۔ نتیجہ کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو بے عملی بھی ایک خاص نوعیت کا عمل ہے۔ ایک انسان جو کچھ نہیں کرتا اور کھاتا پیتا ہے۔ وہ بظاہرہ بے عمل ہو۔ لیکن در اصل وہ کسی دوسرے کے منہ کا لقمہ چھین رہا ہوتا ہے اس کی بے عملی کے یہ معنی ہیں کہ وہ معاشرے کو نہ صرف اپنی محنت سے محروم کر رہا ہے بلکہ دوسرے انسان کی محنت خود غصب کر رہا ہے۔ جب کوئی فرد حق کی تائید یا مخالفت نہیں کرتا۔ بلکہ خاموش ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ حق کو اپنی انفرادی سعی سے محروم کر رہا ہوتا ہے اور اس کا یہ عمل باطل کو توانائی بخشتا ہے۔ در اصل وہ عمل یا بے عملی جو نتیجہ پیدا کرے فعل ہے اور چونکہ ہر بے عملی نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ اس لئے ہر بے عملی فعل ہوتی ہے اور اس کے رد عمل سے انسان نہیں بچ سکتا۔ لیکن کم فہم انسان اس صریح چیز کو نہیں سمجھتا اور جب قدرت اس کو بے عملی کے فعل کی سزا دیتی ہے۔ تو وہ قدرت کی بے انصافی کے گلے و شکوے کرنے میں اپنی ساری چرب زبانی خرچ کر دیتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اس کے فعال جو بے عملی پر مشتمل ہیں ان کی پاداش میں اس کو یہ سزا مل رہی ہے۔ امیر بخارا۔ مذہبی راہبر، تعلیم یافتہ و سربراہ اور وہ طبقہ یہ سب اپنے محلوں۔ درسگاہوں۔ مسجدوں و تسبیح خانوں میں بے عملی کرتے رہے اور اسی گمان میں رہے کہ صرف عمل کا رد عمل ہوتا ہے بے عملی کا رد عمل تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے گردش زمانہ سے ہم غیر متاثر ہی رہینگے ان کی اس خام خیالی سے مکافات کا قانون نہ بدلنا تھا اور نہ بدلا۔ ۱۹۱۹ء میں کیا ختم ہو رہا تھا کہ رجعتی عناصر ختم ہو رہے تھے۔ ان کے محلوں۔ ایوان خانوں۔ خانقاہوں پر اداسی و ہراس چھایا ہوا تھا۔ ۱۹۲۰ء کا آغاز امیر بخارا کی شخصی حکومت کے لئے سکرات موت کا آغاز تھا۔

۱۸ اگست کو بخارا کی کمیونسٹ پارٹی نے کانگریس کا اجلاس منعقد کیا جس میں حسب ذیل اعلان پڑھا گیا ۔

"مقامات کرمین اور شکرسبات پر کمیونسٹ نے قبضہ کر لیا ہے۔ ہمارے انقلاب کا یہ مقصد ہے کہ بخارا کی تمام ارضیات کوئیں۔ نہریں۔ جمہور کی ملکیت قرار دیدیں جائیں۔ امیر بخارا اور دیگر عمال حکومت نیز مذہبی پیشواؤں کی ملکیت چھین لی جائے۔ جمہوری ایک کانگریس کی تشکیل کی جائے۔ جوان مقاصد کا اجرا کرے یہ کانگریس نوجوان بخاریوں سے ملتجی ہے کہ وہ انقلاب کے کامیاب بنانے کی سعی بلیغ کریں۔ یہ کانگریس سوویٹ روس سے درخواست کرتی ہے۔ کہ روسی فوج سے ہماری مدد کریں۔ تاکہ ہم امیر بخارا کی مسلح فوجوں کا مقابلہ کرسکیں"

کانگریس کی اس اپیل کے نشر ہونے پر سرخ فوج کے جنرل فرنزو نے ترکستان کے محاذ کی سرخ فوج کو مندرجہ ذیل پیغام دیا:۔

"بخارا میں متعدد مقامات پر انقلابی جنگ شروع ہوگئی ہے۔ محنت کش اور افلاس زدہ جمہور نے بخارا کے امیر اور اس کے جابر و قاہر عمال پر یورش کرنی شروع کر دی ہے۔ بخارا کے نوجوانوں کی کمیونسٹ فوج وہاں کے جمہور کی امداد کے واسطے روانہ ہو رہی ہے۔ اس اہم موقع پر روس کی سرخ فوج کو ان جان نثار انقلابیوں کے دوش بدوش ہونا چاہیئے۔ میں سوویٹ روس کی تمام مسلح فوج کو حکم دیتا ہوں کہ اس نازک وقت میں بخارا کے جمہور کی مدد کریں۔ سرخ فوج کے نوجوانو! اس وقت تمام روس کی نظریں تم پر لگی ہوئی ہیں۔ اور روس کو یقین ہے کہ اس جنگ میں تم میں سے ہر فرد اپنا انقلابی فرض ادا کرے گا۔ بخارا اور روس کے محنت کشوں کی قسم! جو قدم آگے بڑھے پیچھے نہ ہٹے بخارا کے بیدار جمہور زندہ باد! بخارا کی سوویٹ جمہوریت زندہ باد!

۳۰ اگست کو بخارا پر یورش شروع ہو گئی۔ اس جنگ میں یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ انقلابی افواج کی شکست وسط ایشیا سے اشتراکیت کے استیصال کے مترادف ہو گی اور امیر بخارا کی شکست رجعتی عناصر کے عیش و نشاط اور جاہ و جلال کو ختم کر دیگی جہاں حیات اور موت کا سوال ہو۔ وہاں انسان اپنی سعی کرنے میں کسر نہیں چھوڑتا۔ چنانچہ تین روز تک گھمسان کا رن پڑا۔ امیر بخارا کی افواج نعرۂ تکبیر بلند کرتیں۔ ان کے عقب میں مذہبی پیشوا بڑے بڑے جبوں اور عماموں میں ملبوس ہاتھوں میں قرآن لئے بہ آواز بلند امیر کی فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے بار بار دشمنوں پر حملہ آور ہوتے تھے لیکن ہر مرتبہ پسپا ہی ہونا پڑتا تھا۔ خداوند تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات پیدا کیا۔ اور کائنات کو تسخیر کرنے کی باطنی و ظاہری طاقتیں عنایت فرمائیں لیکن ساتھ ساتھ انسانی زندگی پر یہ جبر بھی رکھدیا کہ اگر کائنات کی طاقتوں کو تسخیر نہ کرسکے گی تو فنا ہو جائے گی۔ قدرت کا گردش ایام کو یہ حکم ہے کہ جو فرد یا جماعت خورشید کی کرنوں کو مقید نہ کر سکے جو برقی شراروں سے کرۂ ارض کو نہ جگمگا سکے۔ جو بخارات کی طاقت سے فضا میں پرواز نہ کر سکے۔ جو طوفانی سمندروں کو محفوظ شاہراہ نہ بنا سکے اس کو تباہ کر دو۔ قدرت کا یہ حکم امیر بخارا اور اس کے حواری صدیوں سے فراموش کر چکے تھے۔ اس لئے ان کا تباہ ہو جانا عین قانون الٰہی کے مطابق تھا۔ نعرۂ تکبیر جادو نہیں ہوتا۔ کہ "کھل سم سم" کہا اور فتح و نصرت کے دروازے وا ہو گئے۔ فتح و نصرت ان قدروں کی روشنی میں متواتر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے جن پر قرآن مجید انسان کو عمل پیرا ہونے کی ہدایت کرتا ہے اور جو اس زمانہ میں سرخ فوج کے عمل کی محرک بنی ہوئی تھیں۔ تین روز کی جد و جہد کے بعد انقلابی فوجیں بخارا میں داخل ہو گئیں۔ اور امیر بخارا کو ایک گاڑی بان کا بھیس بدل کر اپنے محلوں سے فرار ہونا پڑا۔ آج امیر بخارا اور مذہبی رہنماؤں کو قرآنی قدروں سے ٹھکرا کرنے کا

بدل مل گیا۔ جزو کو کل تصور کرلینے کے نتائج ایسے ہی تباہ کن ہوتے ہیں۔ عبادت زندگی کے متعدد فرائض میں سے ایک فرض ہے یہ دوسرے فرائض کی جگہ نہیں لے سکتی لیکن بخارا کے مذہبی پیشواؤں کا یہ خیال تھا کہ نماز پڑھ لی تو گویا تمام مذہبی فرائض ادا ہوگئے سب سے بزرگ عبادت ازلی قدروں کی روشنی میں عمل پیرا ہونا ہے نہ کہ زبان سے عربی زبان کے چند لفظ گنگناتے رہنا۔ امیر بخارا کے فرار ہوجانے کے بعد کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے کرنل ایتھرٹن تحریر فرماتے ہیں۔

"حیسار کے مقام سے امیر بخارا کا ایک وزیر امیر کے خطوط شہنشاہ معظم، وائسرائے ہند اور میرے نام لایا جس میں امیر نے اپنے فرار ہونے اور کس مپرسی کے حالات درج کئے تھے۔ اور یہ درخواست کی تھی کہ بخارا کو سلطنت برطانیہ میں شامل کرلیا جائے لیکن اس وقت برطانیہ نے سلطنت میں توسیع کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔"

انسان ڈوبنے لگتا ہے تو کیا کچھ کرنے پر آمادہ نہیں ہوجاتا۔ برطانیہ سے یہ درخواست اس امید موہوم پر کی جارہی تھی کہ شاید حالات درست ہونے کے کچھ عرصے بعد برطانیہ بخارا میں چند اقتصادی مراعات کے عوض امیر کو ازسرنو تخت و تاج عنایت کردے۔ ادھر امیر بخارا برطانیہ سے سازباز کرنے میں مشغول تھا ادھر انقلابیوں نے بخارا میں سوویٹ جمہوریت قائم کردی تھی۔ اور عملی تحرکات کے بموجب ملک کی صنعت وحرفت اور زراعت کو جدید ترین کلوں اور آلات سے آراستہ کرنا شروع کردیا تھا لیکن کسی ملک کے فرسودہ نظام کو فنا کردینا اور اسکی جگہ اشتراکی نظام قائم کرنا دو مختلف مرحلے ہوتے ہیں۔ پہلے مرحلے کی تکمیل دوسرے میں کامیابی کی دلیل نہیں ہوا کرتی۔ قوم وملک جب کسی موڑ سے گذرتے ہیں تو ان میں اختلافات پیدا ہونے قدرتی امر ہوتا ہے۔ چنانچہ بخارا کے متعدد انقلابیوں کا یہ خیال تھا کہ بخارا اس درجہ پس افتادہ ملک ہے کہ یہاں فی الحال اشتراکی دستور

کا فوری اجراء غیر ممکن ہے۔ پہلے ہمیں برجوازی انقلاب کر کے سرمایہ دارانہ نظام قائم کرنا چاہیئے۔ جب مشین کاری اپنی پوری رفعت پر پہونچ جائے اس وقت اشتراکی نظام کے قیام کی بابت کدوکاوش کرنی چاہیئے۔ اپنے اس طرز خیال کی تائید میں وہ کارل مارکس کا یہ جملہ پیش کرتے تھے "کوئی نظام یا طریقہ پیداوار اس وقت تک فنا نہیں کیا جاتا جب تک کہ اس میں رہ کر بنی نوع انسان کے لئے ترقی کے امکانات باقی رہتے ہیں۔" چونکہ بخارا ہنوز زراعتی و غیر آلاتی ملک تھا۔ اس لئے یہاں سرمایہ دارانہ نظام میں رہکر مشین کاری و طریقہ پیداوار کو ترقی دینے کے بہت امکانات تھے۔ دوسرا گروہ کارل مارکس کے اس تخیل کی تردید تو نہیں کرتا تھا لیکن یہ کہتا تھا کہ سوویٹ اداروں کے ذریعہ سے صنعتی و حرفتی ترقی بہت سرعت سے کی جا سکتی ہے۔ سرمایہ دارانہ طریقہ کار ملک کو آلاتی ترقی دینے میں بہت وقت لے گا۔ کارل مارکس نے یہ کہیں نہیں کہا۔ کہ صرف سرمایہ دارانہ طریقہ کار ہی سے آلاتی ترقی ممکن ہے۔ مقصد آلاتی ترقی سے ہے۔ ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک کے مماثل اقتصادی ترقی سوویٹ کے اداروں کی بہت جلد ہی ہو سکے گی اس لئے فی الفور سوویٹ نظام قائم کر دینا چاہیئے۔

تیز کاری ہمیشہ زود کاری کے مترادف نہیں ہوتی۔ بسا اوقات جلد بازی کرنے سے کام کی تکمیل میں دیر ہو جاتی ہے بخارا میں جہاں سرمایہ داری دور طفلی سے گذر رہی تھی وہاں مزدور نسبتاً قلت میں تھے۔ اور افلاس زدہ عوام نے تو مشین کی شکل تک بھی نہیں دیکھی تھی۔ خاص بخارا کا تعلیم یافتہ مزدور طبقہ انقلابی جنگوں میں کام آگیا تھا۔ چند روس سے آئے ہوئے انجنیریوں اور مزدوروں کے علاوہ بخارا کے بسنے والے جدید آلات اور ان کے استعمال سے نابلد تھے۔ چنانچہ وقت گذرنے پر سوویٹ نظام کے قیام اور بخارا کو آلاتی بنانے میں مشکلات رونما ہونے لگیں۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ مشکلات خام قلوب کو ہراساں کر دیتی ہیں۔ ہراساں انسان حالات

کو فوراً بدلنا چاہتا ہے۔ جمہور خواہ انقلابی ہوں کہ غیر انقلابی نقد نفع کے خواہاں ہوتے ہیں۔ مستقبل کی آسائش و فراوانی کے لئے وہ حال کی پریشانی و کم مائیگی برداشت کرلینے پر تیار نہیں ہوتے۔ کلوں کو سرمایہ دار ممالک سے منگوانا ان کو نصب کرنا ناخواندہ اور ناتجربہ کار مزدور کو اس پر کام کرنا سیکھنا اس میں مدت درکار ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ آلاتی طریقہ پیداوار آن واحد میں جنس کی قلت دور نہیں کرسکتا۔ بخارا کے جمہور اس عبوری زمانہ کی تکلیف برداشت کرنے پر تیار نہیں ہوئے۔ ان میں اپنے انقلابی عمل کی صحت کا بھی یقین نہ رہا۔ بے یقینی اضمحلال و بے عملی پیدا کردیتی ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر سوویٹ نظام کے گرد خلا پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ موجودہ حالات میں شکست خوردہ رجعتی عناصر کا از سر نو سر اٹھانا لازمی تھا۔ بسماچ تحریک بہت طاقتور ہوگئی۔ بسماچ کا سب سے نمایاں سالار ابراہیم تھا۔ کچھ عرصے بعد جب کامرانیاں اس پر مسکرائیں تو وہ ابراہیم بیگ کے لقب سے یاد کیا جانے لگا اور معزول امیر بخارا نے افغانستان سے اس کو مالی اور سامان حرب کی شکل میں امداد روانہ کرنی شروع کردی۔ تاشقند و بخارا سے کچھ ہی فاصلہ پر ابراہیم بیگ کا طوطی بولتا تھا۔ اور بسماچ تحریک روز افزوں ترقی پر تھی کہ انور بادشاہ وسط ایشیا میں وارد ہوگئے۔

انور بادشاہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ یہاں صرف یہ بتا دینا کافی ہوگا کہ ترکی میں انقلاب کے بعد مصطفیٰ کمال اور انور بادشاہ میں اختلاف و کشیدگی ہوگئی اور مؤخر الذکر کو ترک وطن کرکے جرمنی جانا پڑا۔ جرمنی کے دوران قیام میں وہ وسط ایشیا میں ایک ترکمانی حکومت قائم کرنے کے سلسلہ میں بہت سی سیاسی ہستیوں سے ملے۔ ہنڈن برگ جو اس زمانہ میں جرمنی کا صدر تھا اپنی سوانح میں تحریر کرتا ہے "انور بادشاہ مجھ سے ملاقات کے لئے آئے ذہین انسان ہیں لیکن ان کی نظر زمین پر نہیں بلکہ افق پر جاتی ہے۔ وہ وسط ایشیا میں ایک حکومت قائم کرنے کے متعلق

دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ مشرقی اصحاب کی یہ خاص خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ افق پر نظر ڈالتے ہیں ناک کے نیچے کی شے نہیں دیکھتے۔ انور اس خصوصیت سے مستثنیٰ نہیں۔ مشرقی دل و دماغ کی چند جملوں میں کتنی جامع تنقید ہے۔ جب جرمنی نے اس تخیل کی تشکیل میں انور کی مدد کا وعدہ نہ کیا تو وہ اپنے ذاتی ہوائی جہاز میں اسی خیال سے ماسکو روانہ ہو گئے کہ بولشیوک حکومت شاید ان کو ان کے رقیب کمال پادشاہ کے خلاف مدد دے سکے۔ موسکو جا رہے تھے کہ راستہ میں جہاز گر پڑا۔ جان تو بچ گئی لیکن ریگا کے جیل میں چند روز گذارنے پڑے۔ وہاں سے رہائی پا کر موسکو آ گئے۔ انور پاشا نے بولشیوک کی مدد سے ترکی میں اپنی حکومت قائم کرنے کے امکانات پر موسکو کی حکومت سے گفتگو کرتے رہے۔ لیکن بولشیوک نے ان کی مدد کرنا عملی سیاست کے خلاف خیال کر کے ۱۶ مارچ سنہ ۱۹۲۲ء کو مصطفیٰ کمال سے صلح و آشتی کا معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدہ سے برہم ہو کر انور پادشاہ باطوم چلے گئے۔ جہاں انھوں نے اپنے شرکا کار کا ایک خفیہ جلسہ منعقد کیا جس میں مصطفیٰ کمال کی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کی تدابیر پر غور و فکر کیا گیا۔ مصطفیٰ کمال نے اس جلسے کی اطلاع پا کر موسکو کی حکومت سے شکایت کی اس پر حکومت روس نے انور پادشاہ کی نقل و حرکت پر محاسب مقرر کر دیئے۔ چنانچہ جب پادشاہ موصوف خفیہ طور پر ترکی میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے تو موسکو نے مزاحمت کی اور ان کو ایسا نہ کرنے دیا۔ جنگ بلقان کا ہیرو آج مختلف سلطنتوں کے عمال کے رو برو گداگری کرتا پھرتا تھا لیکن اس کو بھیک نہ ملتی تھی۔ اس حیرت کدہ میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ کل جو سر برآرائے سلطنت تھے آج گدائے راہ گزار ہیں اور جو کل گدائے بے نوا تھے وہ آج سر برآرائے سلطنت ہیں۔ لیکن مسلمان ان امور پر غور و فکر نہیں کرتے افراد و قوم کی زندگی میں یہ انقلاب کیوں اور کیونکر ہوتے ہیں؟ تدبر و تفکرات اغماض مسلمانوں کو تعر مذلت کی طرف لے جا رہا ہے۔

انور پادشاہ موسکو کی مزاحمت سے ناراض تو ضرور ہوئے لیکن مصلحت وقت کی بنا پر اس کا اظہار نہ ہونے دیا۔ بلکہ بولشیوک کے وسط ایشیا میں آزاد و خود مختار جمہوریتیں قائم کرنے پر موسکو کی مدح و ثنا ہی کرتے رہے اور بولشیوک کی نیک نیتی اور سیاسی دیانتداری کی اتنی تعریف کی کہ موسکو نے ان کو وسط ایشیا جانے اور وہاں پہونچ کر جمہوریتوں کی مدد کرنے کی اجازت دیدی۔ بخارا پہونچ کر انور پادشاہ نے کمانڈر انچیف کا عہدہ بھی قبول کر لیا۔ لیکن اس واقعہ کے تین روز بعد وہ وہاں سے فرار ہو کر مقدونوں کے "بسماخ" سالار سے جا ملے۔ چند روز بعد مجوزہ تدبیر کے مطابق بخارا کی مجلس عاملہ کا اشتراکی صدر ۶۰۰ نوجوانوں کے ہمراہ سوویٹ جمہوریت سے باغی ہو کر انور پادشاہ کا شریک کار بن گیا۔ انور پادشاہ اور ان کے معاونین اب بولشیوک کے خلاف وہی پرانا حربہ کہ بولشیوک عورتوں کو اشتراکی ملکیت قرار دیتے ہیں۔ اور نتیجتاً بچوں کو بھی ریاست کی ملکیت قرار دیتے ہیں۔ مذہب کا استیصال کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ انور پادشاہ کے اس اقدام پر امیر بخارا بہت مسرور ہوا اور اس نے انور پادشاہ کی شہرت و شخصیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے ان کو اپنا کمانڈر انچیف مقرر کر دیا نیز ان کو زر و مال سے مدد دینی شروع کر دی۔ انور پادشاہ نے مقدونین پہونچ کر "اتحاد مسلمین" کی سعی شروع کر دی۔ اور بولشیوک کے نعرے "دنیا کے تمام مزدور متحد ہو جاؤ" کے مقابلہ میں "دنیا کے تمام مسلمان متحد ہو جاؤ" کا نعرہ اپنا نصب العین بنایا۔ مسلمانوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے اس نعرہ میں کافی کشش تھی۔ چنانچہ وہ اس نعرہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کا شیرازہ پریشان کو ایک مرکز پر لانے میں بہت حد تک کامیاب ہو گئے۔ اس کامیابی سے سرخ رو ہو کر انھوں نے اتنی طاقت محسوس کی کہ روس کے سفیر مقیم بخارا کو اخراج کا حکم دیدیا۔ اس حکم پر انور پادشاہ نائب خلیفہ

ابراہیم بیگ اور دیگر بسماخ سالاراں کے دستخط ثبت تھے۔

مذہب نے اس حقیقت کو بار بار دہرایا اور تاریخ نے اس کا بار بار مشاہدہ کرادیا کہ اتفاق طاقت ہے اور نااتفاقی انتشار لیکن مسلمانوں نے ہمیشہ اس حقیقت کو فراموش کر دیا۔ فطرت انسانی اس انداز سے تخلیق کی گئی ہے کہ جہاں انسانوں میں خود نگری خود کاری اور انفرادیت پسندی پیدا ہوئی اور نااتفاقی نے ان کے آپس کے رشتہ اخوت کو پارہ پارہ کیا۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ جب تک حقیقی قدور انسان کے عمل کی محرک نہ ہوں اتفاق قائم نہیں رہتا۔ لیکن مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے رہبروں کا فقدان ہی رہا جو اس حقیقت کو سمجھے۔ انور پادشاہ کی حسن تدبیر، تنظیمی قابلیت اور ان کی ذاتی وجاہت نے نہ صرف جمہور بلکہ بہت سے بسماخ سالاروں کو ذاتی طور پر ان کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ ان کا یہ اثر معزول امیر اور ابراہیم بیگ دونوں کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا۔ تینوں ایک دوسرے کی مدد سے فائدہ اٹھا کر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ ظاہرا اتفاق لیکن دلوں میں نفاق تھا۔ ظاہرداری مدت تک قائم نہیں رہ سکتی۔ کچھ عرصے ہی میں انور پادشاہ اور ابراہیم بیگ میں تعلقات اس درجہ خراب ہوگئے کہ انور پادشاہ نے ابراہیم کو قید کرلیا اور پانچ روز تک مقید رکھا۔

انقلاب کے زمانہ میں رجعتی عناصر کی ہمیشہ سے یہ خامی رہی ہے کہ وہ کوئی خاص تصور، سیاسی دستور، اقتصادی لائحہ عمل جمہور کے سامنے پیش نہیں کر سکے جذباتی نعروں کا کچھ عرصہ تو جمہور کی طبیعتوں پر اثر رہا لیکن جب عوام نے سوویٹ وسط ایشیا کی اقتصادی ترقی اور جمہوری طریقہ کار دیکھا۔ نیز سوویٹ رعایا کی خوشحالی اور روبہ ترقی رجحانات کا اپنی سیاسی پراگندگی، اقتصادی بدحالی، ٹیکس وصول کرنے کے سلسلہ میں عوام پر جو جور و ستم روا رکھا جاتا تھا اس سے مقابلہ کیا۔ تو وہ بسماخ تحریک سے دل گرفتہ ہو کر کنارہ کش ہوگئے۔ بسماخ سالار جس جگہ مقام کرتے وہاں کا

غلہ، مویشی، عورتیں غصب کر لیتے۔ ان حرکات نے کسان کو بسماخ تحریک سے متنفر کر دیا۔ زراعتی ملک میں کسان معاشرہ کا وہ عنصر ہوتا ہے جس کا تعاون کسی تحریک کو کامیاب بنانے اور عدم تعاون اس تحریک کو تباہ کر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ کسان طبقہ کے نوجوان ہی ضرورت کے وقت فوجی خدمت کرتے ہیں۔ کسان طبقہ حکومت سے بددل ہو جائے تو فوج وفادار نہیں رہ سکتی۔ فوج کی وفاداری غیر وفاداری پر فتح و شکست کا انحصار ہوتا ہے۔ جب کسان بسماخ سالاروں سے باغی ہو گیا اس وقت ان کو شکستیں ہونے لگیں اور حالات اس درجہ نازک ہو گئے کہ اکابر بسماخ سالار انور پادشاہ کو تنہا چھوڑ کر اپنے پہاڑی علاقوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ ان تاریخی حالات میں انور پاشاہ نے البجون اور چوانگ کی درمیانی پہاڑی گھاٹیوں میں دشمن کی نگاہ سے دور بسماخ سالار کی جو ہنوز انور پادشاہ سے اعتقاد رکھتے ہیں ایک انجمن شوریٰ منعقد کی۔ واقعات کی طلسم کاری دیکھئے کہ جب انور پادشاہ پُرجوش تقریر کر رہے تھے انھوں نے سُرخ فوج کا ایک دستہ اپنی سمت آتا دیکھا۔ خطرہ محسوس کرنے پر فوراً تقریر ختم کر حاضرین جلسہ کی صف آرائی میں سرگرم ہو گئے۔ اس اثناء میں سُرخ دستہ بھی قریب آگیا اور بزدلانہ زمائی شروع ہو گئی۔ انور پادشاہ کی شخصیت ان کا پُرخوش وضع چہرۂ دیدہ زیب لباس اس مجمع میں نہ چھپ سکا۔ سُرخ فوج انور پادشاہ کو پہچان گئی۔ اور اپنی تمام یورش کا زور ان کی سمت ڈال دیا۔ انور پادشاہ نے انفرادی بہادری کے جوہر دکھانے ساتھیوں کو للکارتے ہوئے ان کو ضروری نقل و حرکت کے احکامات دیتے ہوئے خود گولی کا جواب گولی سے دیتے ہوئے برسرپیکار رہے۔ لیکن قضا و قدر کا حکم ہو چکا تھا کہ ترکی کے افق کا یہ تارہ آج غروب ہوگا۔ ہنگامے کے بعد دیکھا گیا کہ انور کا جسم گولیوں سے چھلنی تھا۔ فدائے کارزار کی میدان جنگ میں خلب گاہ بنی۔ ان کے جسم پر جو پوشاک و ہتھیار تھے۔ وہ کبھی تاشقند کے عجائب خانہ میں چشم بینا کے لئے وجد

عبرت ہیں۔ مرحوم کے مزار کی تصدیق ہنوز نہیں ہوئی لیکن نہ معلوم کس معتقد نے اس مقام پر جہاں انور پادشاہ زخمی ہوکر گرے احد جان دی وہاں ایک بانس پر ایک سفید علم لگا رکھا ہے اور اسی مقام کو ان کا مزار بتایا جاتا ہے۔ اس عبرت کدہ کی زندگی بھی عجیب ہے۔ اس میں اتنے نشیب و فراز آتے ہیں اور اتنے اچانک طور پر آتے ہیں کہ انسان اپنی زندگی کے مستقبل کی بابت کچھ کہہ نہیں سکتا۔ جنگ بلقان کا ہیرو، خلیفۃ المسلمین کا داماد دنیا کی مشہور شخصیت ایسی جگہ دم توڑتا ہے کہ مزار تک کا تعین نہیں ہو سکتا۔ امیر بخارا نے انور پادشاہ کی وفات کے بعد ان کے ایک دوست سلیم پادشاہ کو کمانڈر انچیف بنا دیا لیکن ابراہیم بیگ نے ان کو کمانڈر انچیف ماننے سے انکار کر دیا۔ سلیم پادشاہ کا لسماخ پر وہ اثر نہ تھا جو انور پادشاہ کا تھا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ لسماخ سالار علیحدہ ہونے شروع ہو گئے اس بیچارگی کی حالت میں جب کہ معدودے چند لسماخ سالار ان کے ہمراہ رہ گئے تو سرخ فوج نے ان کو آگھیرا۔ وقت کی مرمریں لوح پر ازل سے یہ تحریر ہے کہ اس عبرت کدہ میں وہی افراد اور جماعتیں کامیاب ہونگی جن کے تصورات و اعمال بنی نوع انسان کے لئے نافع ہونگے۔ گردش ایام جن رجحانات طریقہ فکر فلسفہ۔ رسم و رواج کو مسترد کر دے وہ از سر نو معاشرے کا جز نہیں بن سکتے۔ خطرہ کا احساس کرکے سلیم پادشاہ نے حاضرین کے سامنے حسب ذیل تقریر کی۔

"مشرقی بخارا" کے بہادر اور نیک دل جوان مردو! انور پادشاہ کو اور مجھے خداوند تعالیٰ نے تمہاری خدمت کے لئے معمور کیا تھا۔ تمہیں یہ علم نہیں کہ کن عمال کی پاداش میں تم نے اپنے امیر پادشاہ کو کھو دیا۔ تمہیں ان وجوہات کا علم ہے جن کی بناء پر کل ہم باعزت فاتح تھے اور آج ذلیل مفتوح ہیں۔ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ چند منافقین ہمارے درمیان پیدا ہو گئے ہیں جو حکم کی نافرمانی کر کے تخریب پیدا کر لیتے ہیں۔ جب تک ہم اسلام کے طریقہ پر کاربند رہے ہم فاتح تھے اب ہم

مفتوح ہیں چونکہ ہماری آل و اولاد ان لوگوں کے بہکانے میں آگئی ہے جو شریعت کا مذاق اڑاتے ہیں اور دیرینہ حق ملکیت کے قانون کو بدلنا چاہتے ہیں میں اب انور پادشاہ کے پاس جا رہا ہوں۔ جو اس وقت جنت میں عیش و آرام کی حالت میں حوروں کے درمیان فروکش ہیں۔ اگر تم کو بھی اس جنت میں داخل ہونے کی آرزو ہے تو اپنی آل و اولاد کو اشتراکیت کے کج راستہ سے ہٹاؤ۔ قرآن کے اصولوں کو مضبوطی سے پکڑو۔ شریعت کے قیام کے لئے بولشیوک۔ جدید اور کافروں سے برسرپیکار رہو"

تقریر ختم کرنے کے بعد سلیم پادشاہ نے اپنے اسپ تازی کے ایڑ لگائی اور اپنے آپ کو دریائے پنج کے نیلگوں پانی کے سپرد کر دیا۔ اور جان بحق ہو گئے اس طرح امیر بخارا کی سعی لاحاصل ختم ہوئی اور انھوں نے افغانستان میں تجارتی کاروبار شروع کر دیا۔

سلیم پادشاہ کی وفات کے بعد ابراہیم بیگ اگرچہ سرخ فوج سے برسرپیکار رہا لیکن چونکہ جمہور کے ساتھ ان کا غیر مہذب سلوک تھا۔ اس لئے ہمدردوں کی تعداد کم ہی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۵ء میں جدوجہد بالکل ختم ہو گئی۔ جنگوں سے عہدہ برا ہونے کے بعد بولشیوک وسط ایشیا میں اپنا سیاسی اور اقتصادی نظام قائم کرنے میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ اس سعی میں ان کو وہ تمام دشواریاں پیش آئیں۔ جو ایک پس افتادہ ملک کو آلاتی بنانے میں آتی ہیں۔ اور جن کا مفصل ذکر گذشتہ ابواب میں گذر چکا ہے۔

انسان کی کوتاہی بصیرت و فہم کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی جانی پہچانی شے نام بدلکر اس کے سامنے آئے۔ تو وہ اس کے پہچاننے سے قاصر رہتا ہے۔ اگر کوئی "اخوت انسانی" اور انسانی مساوات کے مفہوم کو یوں ادا کرے کہ معاشرے میں طبقاتی تفریق مٹانی چاہیئے۔ یا اقتصادی مساوات قائم کرنی چاہیئے۔ تو دنیا اس کو نرا ایجاد تخیل قرار دے کر

اس کی مخالفت شروع کر دیتی ہے۔ دنیا والوں کو یہ علم نہیں۔ کہ حقیقی قدریں ہی زمانہ کے مطابق
نئے نئے الفاظ کے جاموں میں نمایاں ہوتی ہیں۔ انسانی مساوات کا تصور فی زمانہ اقتصادی
مساوات کہنے سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی نئی قدر نہیں جو کارل مارکس نے دریافت
کی اس نے صرف انسانی مساوات کی قدر کو زیادہ واضح طریقہ پر ادا کر دیا۔ اشتراکیت کے
متعدد اصول اور تصورات اسلامی اصول و قدور کے مترادف ہیں لیکن مسلمانوں کی غفلت
کا یہ عالم ہے کہ اشتمالیت کا مطالعہ تک نہیں کرتے۔

لینن ٹروٹسکی استالین

شخصیتیں گرد و پیش کو متاثر کرتی ہیں اور ماحول ان کے رجحانات و تصورات
سے اثر پذیر ہوتا ہے۔ روزِ ازل سے ماحول اور انسان ایک دوسرے پر عمل کرتے رہے
ہیں اور اس عمل و ردعمل کا ذکر تاریخ کہلاتی ہے اس میں شک نہیں کہ کسی ماحول کی
تشکیل میں قائد کے فہم و عمل، تصور و تجربہ، تخیل و منشاء کو بہت دخل ہوتا ہے لیکن یہ
بھی ہوتا ہے کہ ماحول سے متاثر ہو کر قائد اپنی رفتار ترقی اور طریقہ کار کو بدلنے پر مجبور ہو
جاتا ہے۔ نئے روبہ ترقی تصور کو جاری و ساری کرنے کے لئے قائد کو معاشرہ کے
ارتقائی دور کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف طریقہ کار اختیار کرنے پڑتے ہیں کسی ایسے
معاشرہ میں جس کی بنیاد غلامی پر ہو جمہوری دستور عام کرنے کے لئے یک لخت غلامی
فنا نہیں کی جا سکتی۔ تصورات معاشرتی قیود اور بندھنوں کو چشم زدن میں نہیں مٹا
سکتے۔ موجودہ نسل گذشتہ نسلوں کے تخیلات و تصورات، رسم و رواج، اخلاقی و تمدنی
سیاسی و مذہبی قدروں کا بار اپنے شانوں پر لئے ہوئے چلتی ہے۔ مخال خال روحیں
اپنے آپ کو گذشتہ نسلوں کی مذموم روایات سے پاک کر سکتی ہیں۔ اگر معاشرہ ارتقا
و ترقی کی ابتدائی منازل میں ہے اس وقت اصلاحی دستور کو عام کرنے کے لئے
کوئی خاص تشدد آمیز طریقہ کار اختیار کرنا ہوتا ہے برخلاف اس کے متمدن معاشرہ

میں وہی دستور اساسی قبول کر لیا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر انقلابی دور کی ہر تحریک پر غور کرنے کے لئے یہ ناگزیر ہو جاتا ہے کہ اس دور کے عام ماحول اور اہل حل و عقد کے تصورات اور ان کی نفسی کیفیات پر عمیق نظر ڈالی جائے۔ سنہ ۱۹۱۶ء سے سنہ ۱۹۲۳ء تک کے ماحول یعنی اس زمانہ کے روسی جمہور کی نفسی۔ اقتصادی، تمدنی، اخلاقی، سیاسی حالات کا ذکر اختصار کے ساتھ گذرے ہوئے صفحات میں کیا جا چکا ہے اب انقلاب روس کی اُن اہم ہستیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جن کے فکر و عمل نے روس کو شدت کے ساتھ متاثر کیا۔

حصولِ مقصد کے لئے کردار کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے یہ علم الاخلاق کا ایک اہم باب ہے۔ ہنوز یہ مسئلہ طے نہیں پایا کہ کسی نیک مقصد کے حصول کے لئے اخلاقی معیار سے گرا ہوا عمل آخر کار مفید ثابت ہوگا یا مضر۔ اول تو اسی امر میں اہل فکر کی موشگافیاں کہ اخلاق کا درست دستور و معیار کیا ہے اسقدر متعدد و طویل ہیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے اس مشکل کو حل کرنے کے بعد آگے بڑھنے سے دو گروہ نظر پڑتے ہیں ایک وہ جو نیک مقصد حاصل کرنے کے لئے ہر عمل کو جائز و مستحسن قرار دیتا ہے دوسرے کا ایمان ہے کہ نیک مقصد کے حصول کے لئے نیک عمل سے کام لینا ہی خیر کا باعث ہوتا ہے ان کا خیال ہے کہ اگرچہ نامحمود عمل سے بھی نیک مقصد حاصل ہو جاتا ہے لیکن غیر مستحسن عمل و طریقہ کار کچھ عرصے بعد معاشرہ میں اور متعدد و سخت خرابیاں پیدا کر دیتے ہیں جن کا دور کرنا خود ایک مہیب مسئلہ بن جاتا ہے۔ شاید امر واقعہ یہ ہے کہ اگر انسان نیک نیتی سے اپنے نفس کو شریک کئے بغیر باطل کا جواب باطل اور تخریب کا تخریب سے دیتا ہے اس طرح بھی اس کو مستقبل میں کامیابی ہو جاتی ہے اور معاشرہ میں کوئی عمیق خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ زندگی میں جتنی اہمیت عمل کی نوعیت کی ہے اتنی ہی نیت کی بھی ہے۔ کردار و عمل کے لئے کوئی اصول مقرر کرنا دشوار ہے۔ زندگی کی طلسم کاریاں

اتنی اچانک اور انواع و اقسام کی ہیں کہ ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کوئی ایک طریقہ کار مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ واقعات سے دوچار ہونے کے لئے فکر و عمل کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر انسان اپنے تجربہ و مشاہدہ کی روشنی میں کرتا ہے جو لوگ فکر و عمل میں اپنے نفس کو شریک نہیں کرتے وہ مفید طریقہ کار نکال لیتے ہیں جس کو ان خاص حالات میں مستحسن ہی خیال کرنا چاہیئے۔ لینن کی اخلاقی اعتبار سے درمیانی حیثیت تھی یعنی اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے مستحسن طریقہ پر جدوجہد کرتا لیکن ساتھ ہی ساتھ باطل کا باطل سے ترکی بہ ترکی جواب دیتا۔ وہ مرد درویش بھی تھا اور جوان مرد سیاست بھی، رحیم بھی تھا اور قہار بھی۔ دوست بھی تھا اور دشمن بھی۔ اصول کا پابند بھی تھا اور بے اصول بھی۔ زمانہ سے بے نیاز بھی تھا اور زمانہ ساز بھی محتاط بھی تھا اور غیر محتاط بھی غرض کہ لینن کا دل و دماغ اتنا کشادہ تھا کہ اس میں اضداد جمع تھیں۔

روس کا مشہور افسانہ نگار گورکی اور لینن عہد جوانی کے دم ساز و محرم راز تھے لیکن گردش ایام عجیب ہوتی ہے۔ یہی دیرینہ دوست انقلاب کے بعد حریف مقابل بنے۔ گورکی نے اپنے اخبار نوایا میں بوشیوک پر نکتہ چینی کی اور ان کو کوتاہ بیں کور چشم۔ ڈاکو، قزاق کہہ کر پکارا اس پر پارٹی کے عام ممبروں نے لینن سے مطالبہ کیا کہ نوایا بند کر دیا جائے اس کا جواب دیتے ہوئے لینن نے کہا "ہاں کیا کیا جائے نوایا بند ہی کرنا پڑے گا تمام ملک میں انقلاب برپا کرتا ہے اور اس اخبار کے مقالے صرف عیب جوئی کرتے ہیں کوئی تعمیری پہلو نہیں بتاتے لیکن گورکی ہم میں سے ہے۔ اس نے پرولتاری کی خدمت سے پرولتاریوں کی دنیا میں اپنے لئے ایک جگہ بنائی ہے گورکی بھی غریب طبقہ کا ایک فرد ہے۔ اس کو بھی کبھی رجعتی قسم کے دورے پڑتے ہیں لیکن آخر کار یہ ہماری پارٹی ہی میں آجائے گا" ان چند جملوں سے لینن کے باطن کا پتہ چلتا ہے۔ گورکی کی کڑی نکتہ چینی کے باوجود وہ اپنے دیرینہ دوست کا اخبار بند

کرنے پر خوش نہیں ہے اور یہی آرزو ہے کہ گورکی از سر نو اس کے ساتھ تعاون کرنا شروع کر دے۔ باوجود خیالات کے اختلاف اور سیاسی کشاکش کے لینن کے گولی لگنے کی خبر سن کر گورکی مزاج پرسی کے لئے گیا۔ دیرینہ دوستوں نے ۱۸ سال کی جدائی و مخالفت کے بعد ایک دوسرے کو دیکھا۔ گورکی اس ملاقات کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے "دوران ملاقات میں لینن مجھے ان نظروں سے دیکھ رہا تھا جن نظروں سے پیغمبر کسی مرتد کو دیکھتا ہے۔ اس کی نظروں سے بجائے غصّہ کے تاسف ٹپک رہا تھا یہ میرے لئے کوئی اجنبی نگاہ نہ تھی۔ ۲۰ سال سے لینن مجھے ان ہی نگاہوں سے دیکھتا ہے اور شائد جب میری میت کو قبر میں اتارے گا اس وقت بھی اس کی نگاہ کا طرز یہی ہوگا" مندرجہ بالا بیان سے لینن کے فطری جذبہ محبت کا پتہ چلتا ہے۔ لینن کے اس جذبہ دروں کا یہ اثر ہوا کہ دونوں میں مصالحت ہو گئی۔ اپنے حالات زندگی میں گورکی ایک جگہ لکھتا ہے "میں لینن کو مختلف قسم کی درخواستوں سے بڑا پریشان کرتا تھا اور بعض دفعہ مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ ترحم کی نہیں بلکہ حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے "لیکن ان حقارت آمیز نظروں پر جو حقیقتاً تعمیری جدوجہد میں حصہ لینے کی دعوت ہوں لاکھوں محبت آفرین نگاہیں قرباں کی جا سکتی ہیں۔ جس فرد کا دل مظہر انوار ہو اس کی حقارت میں بھی محبت کا مزہ آتا ہے۔ اپنے اور لینن کے مختلف تصوراتی اختلافات کا ذکر کرنے کے بعد گورکی لکھتا ہے "ان اختلافات کے باوجود مجھے یاد نہیں کہ میں نے لینن سے کوئی درخواست کی ہو اور اس نے حتی الامکان اس کے پورا کرنے کی سعی نہ کی ہو"۔ لینن کی طبیعت کی یہ افتاد کہ اس کی حقارت محبت آمیز اور مخالفت حسرت انگیز ہوتی تھی ان دو خصوصیات نے اس کو بولشیوک پارٹی میں خاص اہمیت دے رکھی تھی اور جماعت کا شیرازہ باندھ رکھا تھا۔

عملی زندگی میں وہ کسی خاص سیاسی اصول کا پابند نہ تھا اس کا خیال تھا کہ

ہر موقع و محل کے لئے جدا جدا نظرئے ہوتے ہیں چنانچہ دوران گفتگو میں اپنا ما فی الضمیر بیان کرتے ہوئے گورکی سے کہنے لگا "ہمارے لئے کوئی تصور اور نظریہ ازلی و الہامی نہیں ہمارے لئے ہر نظریہ ایک اوزار ہے جس طرح مختلف موقعوں اور کاموں کے لئے کسی کاریگر کے پاس مختلف اوزار ہوتے ہیں اور وہ ضرورت کے ماتحت ان کو مختلف کاموں کے لئے استعمال کرتا ہے اسی طرح اگر کوئی خاص نظریہ مخصوص حالات میں مفید ثابت نہیں ہوتا ہم اس کو بدل کر دوسرا زیادہ موزوں نظریہ اختیار کر لیتے ہیں" بظاہر یہ چند جملے بے اصولی اور تخریبی زندگی کے لئے دعوت عام معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ لینن کی نظروں میں تبدیلی کا محرک انفرادی نفع نہ تھا بلکہ بنی نوع انسان کی بہبودی تھی اور اس خاص مطمح نظر میں کبھی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ یہ واحد تصور الہامی و ازلی تھا باقی تمام تصورات موقع و محل کی نسبت سے بدلتے رہتے تھے۔ کسی مستحسن نظریہ و تصور ہی میں وہ جادو ہوتا ہے کہ اگر اس کے اجرا کی خاطر کبھی کبھی قبیح نظریہ و طریقہ کار کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت وہ بھی ان خاص حالات میں مستحسن ہی بن جاتے ہیں۔ اپنے اسی تصور کے ماتحت لینن مختلف موقع و محل پر مختلف قسم کے خیالات کا اظہار کرتا تھا اس کی تقاریر سے ہر قسم کا استنباط کیا جا سکتا ہے اگر کبھی روسی انقلاب کو مغربی یورپ کے آنے والے انقلاب پر منحصر بتاتا تو کبھی یہ بھی کہہ دیتا کہ روس میں اشتراکیت قائم ہے۔ کبھی روسی انقلاب کو بر جوازی بتاتا تو کبھی اشتراکی۔ کبھی کسان پر جبر کر کے اس سے غلہ وصول کرنے کے احکامات جاری کرتا تو کبھی جبر کی مذمت میں رطب اللسان ہوتا کبھی ریاستی سرمایہ داری (STATE CAPITALISM) کو روس کی فوری ضرورتوں کے لئے کافی خیال کرتا تو کبھی اشتراکی نظام کے قیام کی سعی میں سرگرم ہو جاتا کبھی احتیاط کا یہ عالم کہ برسٹ پر باوجود اکابر بولشیوک کی مخالفت کے فوراً شرمناک

شرائط پر صلح کرلی اور کبھی پولینڈ کے فتح کی امید موہوم پر باوجود اکابر بولشیوک کی مخالفت کے جنگ جاری رکھی اور آخر کار پسپا ہونا پڑا۔ ان تمام اضداد کے باوجود وہ تمام بولشیوک پارٹی کا محور بنا ہوا تھا۔ شریک کار اس سے مخالفت کرتے وہ بھی رفقار کار سے مخالفت کرتا لیکن سخت سے سخت کشمکش کی حالت میں بھی رشتہ محبت نہ ٹوٹتا اس سلسلہ میں سب سے نمایاں مثال مارٹوف کی ہے جو لینن کے عہد شباب کا رفیق تھا۔ ابتدائی انقلاب انگیز سعی وعمل میں لینن کا دست راست، انقلاب آور محفلوں کا ہمنشین لیکن انقلاب کے بعد کا حریف۔ مخالفت کے باوجود جب لینن کو بستر مرگ پر مارٹوف کی سخت علالت کی خبر ملی اس وقت بھی جو آخری جملہ زبان سے نکلا وہ مارٹوف کی صحت کی بابت اپنی شریک حیات سے استفسار تھا۔ وہ انسان جو غلطی کرنے سے نہ ڈرے اور جان کر یا تلون مزاجی ولاپرواہی سے غلطی کا ارتکاب نہ کرے اور اگر انسانی فطرت کی خامی کی بنا پر غلطی سرزد ہو جائے اس کا کشادہ پیشانی سے اعتراف کرے وہ کامیاب ہو ہی جاتا ہے چنانچہ لینن نے بھی اپنی زندگی میں اپنے اشتراکی خواب کا دھندلا سا عکس دیکھ لیا جس کی تکمیل تعبیر کے متعلق ہنوز تیقن کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ٹروٹسکی بحر علم کا شناور، تخلیقی فکر کا منبع۔ یورپ کا مشہور نقاد در علم وادب جو باوجود فوجی انقلابی کمیٹی کی مشغولیتوں اور روسی فوج کی حیرت انگیز تنظیم میں منہمک رہنے کے اپنے زمانہ کی مختلف اہم نئی تصانیف پر تنقیدی مضامین تحریر کرنا اپنے لئے دل خوشکن مشغلہ خیال کرتا تھا۔ ٹروٹسکی انسانیت کی اس رفعت پر تھا جہاں پہنچکر انسان ہر معاوضہ، آرزو و تمنا سے بے نیاز ہو جاتا ہے وہ حالات و واقعات کو بنی نوع انسان کی ترقی کے نقطہ نظر سے دیکھتا تھا کسی واقعہ کی اہمیت معلوم کرنے کا اس کی نظر میں صرف ایک پیمانہ تھا کہ وہ واقعہ انسانی ترقی پر کس درجہ اثر انداز ہوتا ہے۔ ٹروٹسکی کوہ قاف کی پرسکون فضا میں طبی مشورہ کے مطابق لیل و نہار گزار رہا

تھا کہ لینن کی وفات کی خبر آئی۔ ہمدم کی جدائی رنج دہ ضرور ہوتی ہے لیکن طاقت کے مرکز سے دور قائد کی جانشینی کی ردو قدح سے الگ قدرت کے آغوش ہی میں دن گزارتا رہا اس کی دنیاوی اعزاز سے بے پروائی اس درجہ گہری تھی کہ لینن کی موت کے بعد جبکہ اکابر بولشیوک قائد کی جانشینی کے لئے خفیہ سازشیں کر رہے تھے اس کو ماسکو جانے کا خیال بھی نہ آیا۔

ٹروٹسکی فطری طور پر تقلید کو خودکشی اور خوشنمائی کو کفر تصور کرتا تھا اس کی نظر ہمیشہ ملک و قوم سے ماورا کرۂ ارضی اور بنی نوع انسان کے مستقبل پر پڑتی تھی اس کے ہر فکر و عمل میں تنظیم و ترتیب علت و معلول نمایاں ہوتے تھے وہ عقل انسانی اور تمدنی ارتقا کے لئے کوئی حدود مقرر کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اور ہر تصور کو قبول کرنے سے قبل اس کو اپنے فہم و تجربہ کی عدالت میں پیش کرتا تھا۔ اس کے خسروانہ انداز ہمنشینوں کے لئے خلش خار تھے اس کی روشن و مدلل تحریر و تقریر اس کے ہمعصروں کے لئے وجہہ رشک و حسد تھی متنگ دل رفقائے کار کو اس کی فطری ذہانت اور باوجود بولشیوک پارٹی کے دیرینہ ممبر نہ ہونے کے لینن کی آنکھوں میں سما جانا دل گرفتہ رکھتا تھا۔ ذہین و بلند ہمت انسان ازلی قدور سے ہمکنار دنیاوی اعزاز سے لاپرواہ کس طرح کسی ایسے معاشرہ میں بسر کر سکتا تھا جہاں عقل و شعور کا اس درجہ فقدان ہو کہ چند روزہ دنیاوی زندگی کا آرام سرمایۂ حیات خیال کیا جائے جس ملک کے بسنے والوں کے لئے سفر کلفت ہو اور منزل راحت اور جس قافلہ میں نہ بانگ درا ہو اور نہ ذوق سفر وہ خاموش و پرسکون قافلہ اس انسان کو میر قافلہ کیوں کر بنا سکتا تھا جس کا ذوق سفر پابند منزل نہ تھا اور جس کی آتشین گفتار اور پرجوش کردار موجودہ دور کے انسانیت سوز تہذیب و تمدن کو خاک و سیاہ کرنے کے درپے تھے لیکن کیا کیا جائے اس رباط کہن کی

رسمیں عجیب ہیں اس دنیا میں کبھی کبھی یہ تعجب خیز منظر نظر پڑتا ہے کہ انسان کی اپنی طبیعت کی روشنی اس کے لیئے بلا بن جاتی ہے انقلاب و سرفروشی کی آرزو ٹراٹسکی کو روس لائی اور اس کی دونوں آرزوئیں پوری ہوئیں انقلاب بھی برپا کیا اور اپنا سر بھی ماسکو کے دیوانوں کی نظر کر دیا جس سرزمین پر باطل کی ظلمت چھا جائے وہاں اگر کوئی مرد حق انوار الٰہی پھیلانا بھی چاہے تو فوری کامیابی نہیں ہوتی بلکہ صرف کربلا کا حادثہ پیش آتا ہے۔

اسٹالین آرزوئے انقلاب سے سرشار لیکن علم و فضل سے بے بہرہ۔ اپنے ہم وطنوں کی فطرت کا مبصر لیکن تخلیقی فکر سے عاری۔ جبر و قہر کا ماہر لیکن محبت و الفت سے نا آشنا تھا۔ ایشیا کی تاریخ میں ایسی بہت سی کامیاب ہستیاں نظر پڑیں گی جن کے جبر و قہر نے ملک کو امن و امان اور ترقی دی۔ اسٹالین دنیا کی ان ہستیوں میں سے ہے جنھوں نے ساری عمر تقلید میں بسر کی اور اس طریقہ کار نے ان کو ایک وسیع ملک کا حاکم بنا دیا۔ لینن کی زندگی میں اس کا نقش قدم اسٹالین کے لیئے چراغ راہ تھا اور لینن کی وفات کے بعد سے حکمران طبقے کے رجحانات اسٹالین کی سعی و عمل کے رہبر بنے ہوئے ہیں علم کی کمی تقلید سے اور تخلیقی عمل کی کمی خفیہ پولیس اور گروہ بندی سے پوری ہو جاتی ہے۔ اسٹالین نے اپنی دونوں خامیوں کو اسطرح پورا کر لیا۔

روس جیسے غیر متمدن ملک میں جہاں ذہنی و اخلاقی ارتقا بہت ابتدائی وجہ میں تھا جہاں زار کے ظلم و ستم نے روسیوں پر اقتصادی، تمدنی ترقی کی راہیں مسدود کر کے ان کی ذہنی و نفسی کیفیت کو اس درجہ مسخ کر دیا تھا کہ ان میں اعلیٰ قدروں کا احساس تک باقی نہ رہا تھا ایسے معاشرہ میں کسی مصلح کا صرف تبلیغ کرنا شاید کافی نہ تھا بلکہ وہاں اصلاحات جاری کرنے کے لئے ایسے انسان کی ضرورت تھی

جو دار و رسن کے ذریعہ سے ان کو اس راستہ پر جبریہ لاتا جس پر آنے کے لیئے تمام متمدن انسانوں کو ضمیر کی ہدایت اور عقل کی روشنی کافی ہوتی ہے۔ اسٹالین اگر صرف ضمیر کی روشنی میں تحریر و تقریر اور صلح و آشتی سے ہی کام لیتا تو شاید روس کے جمہور اور حکمران طبقہ کے ہاتھ سے اس کا بھی وہی حشر ہوتا جو ٹروٹسکی کا ہوا اور روس کسی دوسرے جابر و قاہر کے جنگل میں چلا جاتا۔ جب طاقت کا جابر و قاہر کے ہاتھ میں جانا ناگزیر تھا ان حالات میں اسٹالین کیوں نہ وہ طریقہ کار اختیار کرتا جس سے طاقت اس کے ہاتھ میں رہتی کسی غیر متمدن ملک میں انقلاب کا سب سے زیادہ افسردہ کر دینے والا پہلو یہی ہوتا ہے کہ وہاں نیا لائحہ عمل جاری نہیں کیا جا سکتا۔ جس نظام کو تباہ کیا جاتا ہے وہی نظام نئے انسانوں اور اداروں کی شکل میں از سر نو رونما ہو جاتا ہے۔ زار کی تباہی کے بعد زاریت کمیونسٹ پارٹی کے حکمران طبقہ کی شکل میں دوبارہ عود کر آئی۔

طبائع کے اختلاف کی بنا پر ان تین ہستیوں کا آپس کا اختلاف اتنا تعجب خیز نہیں ہے جتنا یہ کہ ایک طویل عرصے تک ان میں صلح و آشتی کس طرح قائم رہی۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ ان تینوں کی نفسیاتی کیفیت میں اس درجہ بعد تھا کہ ان کا ایک جگہ متحد طور پر کام کرنا اور نہ ٹکرانا غیر ممکن تھا۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ ان کی طبیعتوں کا اختلاف ابتدا ہی میں نمایاں ہو گیا تھا لیکن وہ زمانہ اتنا قیامت خیز تھا کہ کسی کو بھی ایک دوسرے کی مخالفت اور نکتہ چینی کی فرصت نہ تھی دوسری بات یہ تھی کہ ابتدائی زمانہ میں لینن، سورڈلیو اور دیگر خوش فہم سمجھ و سلیم الطبع اکابر بولشیوک بقید حیات تھے جو نفاق میں اتفاق اور تلخی و تکرار میں صلح و آشتی قائم کر دیتے تھے لیکن طبیعتوں کے اختلاف کا وقتی دفعیہ اختلاف کے آئندہ امکانات کا سد باب نہیں کر سکتا چنانچہ جب تک صلح کل با اثر اکابر بولشیوک زندہ رہے وہ مناقشات و نفاق کو اپنے ذاتی اثر سے دباتے رہے

لیکن ان کی وفات کے بعد حسد و عناد کا پھوڑا ایک کر پھوٹا اور اشتراکیت کے گلنار چہرے پر ایک سیاہ داغ چھوڑ گیا۔ روسی انقلاب کا یہ باب نہایت افسوسناک اور شرمناک ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ پستی سے بلندی کی سمت مراجعت کرنا آسان نہیں ہوتا اس سفر میں انسانیت سوز حادثات پیش آتے ہی ہیں۔

مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات اپنا سایہ ڈالتے آتے ہیں ابتدا میں پھوڑا جلد پر ایک سرخ داغ کے سوا کچھ نہیں ہوتا یہی کیفیت دنیا کے دیگر واقعات کی ہے وہ ابتدا میں بے ضرر غیر اہم و معمولی دکھائی دیتے ہیں لیکن وقت گزرنے پر ایک عجیب مسئلہ بن جاتے ہیں۔ سطح پر اختلافات اس طرح رونما ہوئے کہ خانہ جنگی کے دوران میں غلہ کی کمی ہونے پر روس میں دو محاذ قائم کرنے پڑے ایک طرف سرمایہ دار ملکوں اور روس کے رجعتی عناصر کے خلاف جارحانہ کارروائی جاری تھی دوسرا محاذ غلہ اور دیگر اشیائے خوردنی کی فراہمی کے لئے قرار پایا اول الذکر محاذ ٹراٹسکی کے سپرد ہوا اور مؤخر الذکر اسٹالین کے۔ لیکن اس بلاخیز زمانہ میں کسی محکمہ و محاذ کی حیثیت جداجدا نہ تھی بلکہ تمام اکابر بولشیوک سب معاملات میں دخل دیتے تھے یہ نہیں تھا کہ ٹراٹسکی کے انقلابی جنگی کمیٹی کے صدر ہونے کی شکل میں کوئی دوسرا قائد فوجی معاملات میں دخل دے ہی نہ سکے۔ اس زمانہ میں بجائے افراد کے کمیٹیاں حکومت کے مختلف شعبوں کی ذمہ دار ہوتی تھیں جن میں افراط و تفریط کے بعد وہی معدودے چند اکابر بولشیوک ممبر مقرر ہو جاتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اکابر بولشیوک میں سے ہر ایک حکومت کے ہر شعبے میں دخیل تھا۔

خانہ جنگی کے دوران میں غلہ کی کمی کی وجہ سے جب شہروں اور بری و بحری افواج کے سامنے موت آ کھڑی ہوئی اس وقت غلہ کی فراہمی کے مسئلہ نے نہایت شدید شکل اختیار کر لی اور اس کی فراہمی کے لئے اسٹالین کو جنوبی روس میں

بمقام زارسٹن روانہ کر دیا گیا۔ روانہ ہوتے وقت اس نے لینن کو تحریر کیا "میرا یہ قاعدہ ہے کہ دشنام کے مستحق کو دشنام دیتا ہوں اور امید ہے کہ اس طریقہ کار سے حالات جلدی ہی رو بہ اصلاح ہو جائیں گے ہر امکانی کوشش سے غلہ روانہ کیا جائے گا اگر ہمارے فوجی افسران خواب و بیکاری میں وقت ضائع نہ کرتے تو فوجی محاذ میں شگاف نہ پڑتا امید ہے کہ باوجود ہمارے فوجی ماہروں کی حماقتوں کے محاذ ازسرنو قائم کر دیا جائے گا" وہاں پہونچکر اسٹالین نے دیکھا کہ مقامی فوجی محاذ جو ویرشولوف (موجودہ مارشل ویرشولوف) کے زیر نگرانی تھا بڑی خراب حالت میں ہے مخالف کوساک افواج فتحیاب و شادان آگے بڑھتی چلی آ رہی ہیں ان حالات میں اسٹالین نے بولشیوک حکومت کے لئے خطرہ محسوس کیا۔

اور وہ بحیثیت اکابر بولشیوک ہونے کے فوجی معاملات میں دخل اور بلا ٹروٹسکی کے مشورہ کے فوج کو احکامات دینے لگا۔ خانہ جنگی کے زمانہ میں ٹروٹسکی نے نہ صرف یہ کہ فوج میں افسران کا جمہوری طور پر انتخاب کا دستور ختم کر دیا تھا بلکہ زار کے زمانہ کے فوجی افسران کو تعاون پر آمادہ کرنے کے بعد ان کو فوج میں اعلےٰ عہدوں پر ممتاز کر دیا تھا۔ ٹروٹسکی کا حقیقی عناصر کو انقلاب کی خدمت میں لے آنا ایسا کارنامہ تھا کہ بولشیوک پارٹی کی مرکزی کمیٹی ٹروٹسکی کی تعریف میں نغمہ سنج تھی اس زمانہ میں لینن نے گورکی سے کہا "بتاؤ ٹروٹسکی جیسا دوسرا انسان کہاں ہے تنہا اس شخص نے ایک سال کے قلیل عرصے میں ایسی فوج منظم کر دی جس پر ہم بجا طور پر ناز کر سکتے ہیں اس کی دوسری عظیم کامیابی یہ ہے کہ اس نے زار کی فوج کے ماہرین کا تعاون حاصل کر لیا ہے۔ جب ہمارے درمیان ایسی ایک ہستی موجود ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے پاس بہت کچھ ہے اب تم

کامیابی وکامرانی کے معجزے دیکھو گے" لیکن فوج میں انتخابات کی منسوخی اور شہنشاہی فوج کے افسروں کی سرخ فوج میں تقرری اسٹالین کے تخیل کے خلاف تھے چنانچہ اسٹالین نے زارسیٹن پہونچکر جنوب و مشرق کے فوجی محاذ پر ازسرنو افسروں کا تقرر انتخاب کے ذریعہ سے جاری کردیا اور ٹروٹسکی کے مقرر کردہ تجربہ کار افسروں کے تنزل کے احکامات جاری کردیئے نیز ان کی بجائے اپنے خیال کے مطابق لائق وکارآمد افسر مقرر کردیئے یہ ٹروٹسکی کی کارکردگی پر شدید عملی ضرب تھی۔

ٹروٹسکی کی بولشیوک پارٹی میں نووارد کی حیثیت تھی۔ ایک نووارد جلاوطن دیرینہ بولشیوک انقلابیوں کو پیچھے چھوڑ کر انقلاب کی صف اول میں جگہ لے لے اور اپنے فکر وعمل سے قلیل ہی عرصے میں دنیائے انقلاب کا مہتاب بن جائے اس کی یہ نشوونما یا تے صیاد دیدہ لیکن خام طبع بولشیوک پر شاق گذرنی چاہیے تھی اور گذرتی تھی۔ اسٹالین بھی بولشیوک کے اس گروہ میں سے ہے جو کبھی ٹروٹسکی کو حقیقی معنوں میں بولشیوک پارٹی کا اہم ممبر خیال نہ کرسکے۔ بقول گورکی کے لینن نے خود ایک مرتبہ ٹروٹسکی کے متعلق کہا "یہ شخص بڑا من چلا و جاہ طلب معلوم ہوتا ہے اس کی کچھ عجیب ہی شخصیت ہے۔" لیکن یہاں یہ امر یاد رکھنا ضروری ہے کہ واقعہ کے دس سال بعد جب ایک نیا انقلاب پرولتاری انقلاب کی تردید و تنسیخ میں شروع ہوچکا تھا اس وقت گورکی نے اپنی یاد تازہ کی اور لینن کا قول نقل کیا۔ تخلیقی فکر وعمل انسان کو رفعتوں پر لے ہی جاتے ہیں تمیں لاکھ سرخ فوج شدید مخالفت کے زمانہ میں منظم کردینا ایک ایسا کرشمہ تھا کہ بولشیوک پارٹی ٹروٹسکی کو اپنا قائد ماننے لینے پر مجبور تھی قدرت نے اس شخص کو تحریر وتقریر کا وہ ملکہ ودیعت کیا تھا کہ اگر ایک میں برق کی حرارت تھی تو دوسری میں آب کی روانی۔ لیکن چونکہ ابتدا میں ٹروٹسکی کی ایک الگ سیاسی پارٹی تھی اور حالات وواقعات

لئے اس کو بولشیوک پارٹی سے علیحدہ رکھا تھا اسلئے باوجود اپنی ذہانت وکارکردگی اور دیگر محاسن کے وہ مطعون ہی رہا۔ لینن کے علاوہ دوسرے اکابر بولشیوک ٹراٹسکی کے فوجی طریقہ تنظیم کو نظر احسن سے نہیں دیکھتے تھے چنانچہ اسٹالین نے زارتسن سے ٹراٹسکی کی نئی فوجی تدابیر پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لینن کو اطلاع دی "ہمارے فوجی ماہرین نفسی طور پر رجعت پسند عناصر کے خلاف کامیاب جارحانہ عمل کرنے سے قاصر ہیں" قلیل ہی عرصے میں یہ اختلاف ایک مسئلہ بن گیا اور دو گروہ پیدا ہو گئے ایک ٹراٹسکی کا گروہ جو زار کے زمانے کے فوجی ماہرین کے تعاون سے فائدہ اٹھا کر سرخ فوج میں فوجی سائنس کے مطابق قواعد و ضوابط کا اجرا کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ سرمایہ دار اقوام کی منظم اور ماہر افواج کا کامیابی سے مقابلہ کر سکے دوسرا اسٹالین کا گروہ تھا جو فوج کے اعلیٰ عہدے دار خواہ وہ ماہرین فن ہوں یا نہ ہوں انتخاب کے ذریعہ سے مقرر کرنا اور منظم فوج کے خلاف گریلا طریقہ پر جنگ جاری رکھنا چاہتا تھا۔ اسٹالین وغیرہ کا گروہ مخالف فوجی پارٹی کہلاتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ زار کے زمانے کے فوجی افسروں پر کلی اعتماد کرنا مشکل تھا اور اسٹالین کی شکی طبیعت ٹراٹسکی کے مقرر کردہ ماہرین فوج کے ہر عمل میں تخریبی پہلو ضرور دیکھتی ہو گی لیکن مزدور طبقہ فوجی سائنس سے نابلد تھا مد مقابل فوج ہر طرح سے مسلح اور فوجی آئین و قوانین سے واقف تھی اس کے مقابلے کے لئے جب تک فوجی ماہرین نہ ہوتے فتح ہونی ناممکن تھی یہ حالات ٹراٹسکی کو اس امر پر مجبور کر رہے تھے کہ زار کے زمانہ کے فوجی افسروں کو ذمہ دار عہدے دئے جائیں اور افسروں کے حب الوطنی کے جذبہ سے فائدہ اٹھایا جائے۔ یہ فوجی افسر اگرچہ بولشیوک یا اشتراکی نہ تھے لیکن ملک اور قوم کی محبت ضرور رکھتے تھے اسلئے غیر ملکی عناصر کے خلاف جارحانہ جنگ جاری رکھنے کے سلسلے میں ان پر اعتماد

کیا جا سکتا تھا۔ بولشیوک پارٹی میں فوجی ماہرین کا فقدان۔ گریلا طریقہ جنگ کا منظم فوج کے خلاف بے اثر ہونا۔ افسران فوج کو حب الوطنی یہ تین امر ایسے تھے جو ٹراٹسکی کو زار روس کے جنرلوں کا تعاون حاصل کرنے پر مجبور کر رہے تھے جہاں تک جبریہ غلہ کی فراہمی کا تعلق تھا اور اس کی فراہمی کے لئے فوج کی ضرورت تھی یہاں یہ فوجی افسر ضرور راغماض سے کام لیتے ہوں گے جو اسٹالین کو شاق گزرتا ہو گا۔

فوج کے دو اعلیٰ افسر ایک دوسرے سے بے نیاز ہوں۔ فوج کی تنظیم کے متعلق ان کے دو زاویہ نظر ہوں اور دونوں بیک وقت فوج کو احکامات صادر کریں ان حالات میں فوج میں ہیجان اور بے نظمی پیدا ہو جانا یقینی تھا۔ چنانچہ جنوبی محاذ پر یہی ہوا کہ اسٹالین نے جس کو اصولاً ٹراٹسکی سے مشورہ کرنے کے بعد احکامات جاری کرنے چاہئیں تھے ٹراٹسکی اور اس کے مقرر کردہ فوجی افسروں کے احکامات کا نہ خیال کرتے ہوئے اپنے احکامات جاری کر دئے۔ اس مداخلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی اعلیٰ افسروں نے اسٹالین کے اس غلط اقدام کی خبر ٹراٹسکی کو دی۔ اس پر بذریعہ تار ٹراٹسکی نے اسٹالین کو فوجی معاملات میں دخل دینے سے منع کیا اور فوجی ماہرین و دیگر فوجی حالات کو سابق کی طرح برقرار رکھنے کی ہدایت کی۔ ایک نو وارد و نامحرم پارٹی ممبر ایک دیرینہ مغرور و تجربہ کار بولشیوک کو یہ تار دے اس پر اس کے خون میں کیونکر حرارت پیدا نہ ہو چنانچہ اسٹالین نے تار پر "اس ہدایت کے مطابق عمل کرنے کی ضرورت نہیں" تحریر کرنے کے بعد اس کو دفتر میں بھیج دیا اور شامل مثل کرنے کی ہدایت کر دی۔ اسٹالین کا یہ ناشگفتہ عمل ٹراٹسکی کو برافروختہ کرنے کے لئے کافی تھا چنانچہ اس نے لینن کو تار دیا۔

"میں مطالبہ کرتا ہوں کہ اسٹالین کو واپس بلا لیا جائے۔ اگرچہ زارسٹن کے محاذ پر کثیر سرخ فوج موجود ہے لیکن حالات خراب ہوتے چلے

جا رہے ہیں وریشیلوف (موجودہ مارشل) شاید ایک رجمنٹ کو کمانڈ کرنے کی اہلیت رکھتا ہو لیکن پچاس ہزار فوج کی ذمہ داری لینے کے نا اہل ہے اس شرط پر کہ وہ جنوبی فوج کے کمانڈر سٹین کو فوجی نقل و حرکت کی اطلاع دینے کا وعدہ کرے میں اس کو موجودہ عہدہ پر بحال رکھ سکتا ہوں۔ اب تک زار سیٹن سے گوز لوف کی جنگ کی بابت کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ میں نے مطالبہ کیا ہے کہ فوجی اقدام و نقل و حرکت کی اطلاع دن میں دو مرتبہ آنی چاہیئے۔ اگر کل اطلاع نہیں آئی میں وریشیلوف اور سینن کو فوجی عدالت کے سپرد کردوں گا اور اس سزا کی وجہ فوج میں نشر کردوں گا جب تک اسٹالین۔ مینن۔ زار سیٹن میں ہیں ان کی حیثیت صرف دسویں فوج کے انقلابی جنگی ممبر کی ہے ۔ ۔ ۔ ۔
میں اس کے سوا کوئی راستہ نہیں دیکھتا۔"

اگلے روز ٹروٹسکی نے لینن سے ٹیلیفون پر کہا :۔

"میرے پاس جنوبی محاذ سے کمانڈر انچیف کا حسب ذیل تار آیا ہے میں نے جنوبی محاذ کے کمانڈر سیٹن کو حکم دیا ہے کہ اسٹالین کے حکم نمبر ۱ پر عمل درآمد نہ کیا جائے اسٹالین کی مداخلت میری تمام تدابیر درہم برہم کر رہی ہیں۔

دستخط۔ واٹزٹس
کمانڈر انچیف

اس کشمکش کے نمودار ہونے پر لینن نے اپنے معتمد خاص سرڈلیو کو اسٹالین کے واپس لے آنے کے لئے زار سیٹن روانہ کر دیا۔ یہ لینن کی خصوصیت تھی کہ وہ رد و قدح

کو زیادہ تلخ نہ ہونے دیتا تھا شاید لینن نے یہ اظہار بھی نہ ہونے دیا کہ اسٹالین کو کس بنا پر واپس بلایا جا رہا ہے۔ لینن کی یہ خاص خصوصیت تھی کہ تلخی کا بغض و عناد میں تبدیلی ہونے سے قبل ہی مداوا کر دیتا تھا اور اگر حالات و واقعات سے مجبور ہو کر کسی رفیق کار کو آزردہ کرتا تو پہلے موقع پر صاف دلی و خندہ پیشانی سے اس کو ہم آغوش کر لیتا۔ حسن اتفاق کہ سرڈیو کی معیت میں جب اسٹالین ماسکو واپس آ رہا تھا ٹروٹسکی جنوبی روس جا رہا تھا۔ راستہ میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ دوران ملاقات میں اسٹالین نے ٹروٹسکی سے دریافت کیا۔

"کیا واقعی آپ سب کو (ملٹری اپوزیشن پارٹی) برطرف کرنا چاہتے ہیں وہ (وریشلوف ایمنن) تو بڑے کارآمد نوجوان ہیں۔

اس پر ٹروٹسکی نے جواب دیا۔

"یہ کارآمد نوجوان انقلاب کو تباہ کر دیں گے۔ انقلاب ان نوجوانوں کی پختگی عقل کا انتظار نہیں کر سکتا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ زارسیٹن (موجودہ اسٹالن گراڈ) روس میں شامل رہے"

زارسیٹن پہونچ کر ٹروٹسکی نے وریشلوف سے عدول حکمی کی وجہ دریافت کی۔ اس نوجوان نے ہر اس حکم پر عمل کرنے سے انکار کر دیا جو اس کی فہم میں نقصان دہ تھا۔ فوج میں یہ حالات برداشت نہیں کئے جا سکتے کہ جنرل یا کمانڈر عدول حکمی کریں چنانچہ ٹروٹسکی نے وریشلوف کو متنبہ کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارے اس طرز عمل کا یہ نتیجہ ہوگا کہ تم کو فوجی حراست میں ماسکو روانہ کر دیا جائے گا" ٹروٹسکی کی اس سختی کا یہ نتیجہ تو ضرور نکلا کہ وریشلوف قلیل عرصے کے لئے اپنی تخریبی تدابیر سے باز رہا لیکن ٹروٹسکی نے اسٹالین کے علاوہ اپنا ایک اور دشمن پیدا کر لیا۔ ٹروٹسکی کی افتاد طبیعت کچھ ایسی تھی کہ اس کو یہ گمان بھی

نہ گزرنا تھا کہ انقلاب کی حیات کی خاطر اس کی دوسروں پر سختی ان کو ٹراٹسکی کی عزت ناموس کا دشمن بنا رہی ہے۔ ٹراٹسکی سخت طرز عمل کو اپنا انقلابی فرض تصور کرتا تھا جو رفقائے کار کو ناگوار گزرتا تھا اگر ٹراٹسکی میں روٹھے کو منانے کی اہلیت ہوتی یا روتس ایک متمدن ملک ہوتا تب شاید وہ اپنی سخت گیری کے نتائج سے محفوظ رہتا عدول حکمی کرتے کرتے انقلابیوں کی نفسی کیفیت ہی کچھ ایسی ہو جاتی ہے کہ وہ کسی حکم کو آسانی سے قبول نہیں کرتے چنانچہ کچھ عرصے بعد ویرشیلوف نے وہی تخریبی حرکات جو وہ اس سے قبل علانیہ کیا کرتا تھا اب خفیہ طور پر کرنی شروع کر دیں اس پر ٹراٹسکی نے لینن کو یہ تار دیا:۔

"ویرشیلوف عملی تعاون پر آمادہ نہیں ہوتا اس لئے دسویں فوج کی ایک جدید انقلابی فوجی کمیٹی ترتیب دینی چاہیئے اور ایک نیا کمانڈر مقرر کرنا چاہیئے نیز ویرشیلوف کو یوکرین بدل دینا چاہیئے۔"

چونکہ دسویں فوج کی انقلابی فوجی کمیٹی کا اسٹالین بھی ممبر تھا اس لئے ٹراٹسکی کا یہ تار اسٹالین پر بھی سخت تنقید تھا۔ ویرشیلوف نے یوکرین پہنچ کر بھی فوجی افسروں کے عہدوں میں ترقی و تنزل اور فوج میں جمہوری راء سے قائم کرنے، نیز ٹراٹسکی کے احکامات کی خفیہ عدول حکمی کرنی شروع کر دی۔ ان حالات کا علم ہونے پر ٹراٹسکی نے سرڈیکو کو حسب ذیل برقی پیغام روانہ کیا:۔

"میں یہ صاف طور پر عرض کر دوں کہ جو تخریبی کارروائیاں زارسیٹن میں روا رکھی گئیں جن کی وجہ سے فوج میں حد درجہ بدنظمی پھیلی ان کا اعادہ یوکرین میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ ویرشیلوف اور وولھیموخ کا طریقہ کار تمام مہم کو برباد کر دے گا"

احباب ورفقا میں رنجش ہو جانے پر مصالحت کی سعی میں بہت احتیاط سے

کو زیادہ تلخ نہ ہونے دیتا تھا شاید لینن نے یہ اظہار بھی نہ ہونے دیا کہ اسٹالین کو کس بنا پر واپس بلایا جا رہا ہے۔ لینن کی یہ خاص خصوصیت تھی کہ تلخی کا بغض و عناد میں تبدیلی ہونے سے قبل ہی مداوا کر دیتا تھا اور اگر حالات و واقعات سے مجبور ہو کر کسی رفیق کار کو آزردہ کرتا تو پہلے موقع پر صاف دلی و خندہ پیشانی سے اس کو ہم آغوش کر لیتا۔ سوئے اتفاق کہ سرڈیلو کی معیت میں جب اسٹالین ماسکو واپس آ رہا تھا ٹروٹسکی جنوبی روس جا رہا تھا۔ راستہ میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ دوران ملاقات میں اسٹالین نے ٹروٹسکی سے دریافت کیا:۔

"کیا واقعی آپ سب کو (ملٹری اپوزیشن پارٹی) برطرف کرنا چاہتے ہیں وہ (ویرلیشولوف ایمنن) تو بڑے کارآمد نوجوان ہیں۔

اس پر ٹروٹسکی نے جواب دیا:۔

"یہ کارآمد نوجوان انقلاب کو تباہ کر دیں گے۔ انقلاب ان نوجوانوں کی پختگی عقل کا انتظار نہیں کر سکتا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ زار سیٹن (موجودہ اسٹالن گریڈ) روس میں شامل رہے"

زار سیٹن پہنچ کر ٹروٹسکی نے ویرلیشولوف سے عدول حکمی کی وجہ دریافت کی۔ اس نوجوان نے ہر اس حکم پر عمل کرنے سے انکار کر دیا جو اس کی فہم میں نقصان دہ تھا۔ فوج میں یہ حالات برداشت نہیں کیے جا سکتے کہ جنرل یا کمانڈر عدول حکمی کریں چنانچہ ٹروٹسکی نے ویرلیشولوف کو متنبہ کرتے ہوئے کہا:۔

"تمہارے اس طرز عمل کا یہ نتیجہ ہو گا کہ تم کو فوجی حراست میں ماسکو روانہ کر دیا جائے گا" ٹروٹسکی کی اس سختی کا یہ نتیجہ تو ضرور نکلا کہ ویرلیشولوف قلیل عرصے کے لیے اپنی تخریبی تدابیر سے باز رہا لیکن ٹروٹسکی نے اسٹالین کے علاوہ اپنا ایک اور دشمن پیدا کر لیا۔ ٹروٹسکی کی افتاد طبیعت کچھ ایسی تھی کہ اس کو یہ گمان بھی

نہ گزرتا تھا کہ انقلاب کی حیات کی خاطر اس کی دوسروں پر سختی ان کو ٹراٹسکی کی عزت ناموس کا دشمن بنا رہی ہے۔ ٹراٹسکی سخت طرز عمل کو اپنا انقلابی فرض تصور کرتا تھا جو رفقائے کار کو ناگوار گزرتا تھا اگر ٹراٹسکی میں روٹھے کو منانے کی اہلیت ہوتی یا روس ایک متمدن ملک ہوتا تب شاید وہ اپنی سخت گیری کے نتائج سے محفوظ رہتا عدول حکمی کرتے کرتے انقلابیوں کی نفسی کیفیت ہی کچھ ایسی ہو جاتی ہے کہ وہ کسی حکم کو آسانی سے قبول نہیں کرتے چنانچہ کچھ عرصے بعد ویرشیلوف نے وہی تخریبی حرکات جو وہ اس سے قبل علانیہ کیا کرتا تھا اب خفیہ طور پر کرنی شروع کر دیں اس پر ٹراٹسکی نے لینن کو یہ تار دیا:۔

"ویرشیلوف عملی تعاون پر آمادہ نہیں ہوتا اس لئے دسویں فوج کی ایک جدید انقلابی فوجی کمیٹی ترتیب دینی چاہیے اور ایک نیا کمانڈر مقرر کرنا چاہیے نیز ویرشیلوف کو یوکرین بدل دینا چاہیے۔"

چونکہ دسویں فوج کی انقلابی فوجی کمیٹی کا اسٹالین بھی ممبر تھا اس لئے ٹراٹسکی کا یہ تار اسٹالین پر بھی سخت تنقید تھا۔ ویرشیلوف نے یوکرین پہنچ کر بھی فوجی افسروں کے عہدوں میں ترقی و تنزل اور فوج میں جمہوری داسے قائم کرنے، نیز ٹراٹسکی کے احکامات کی خفیہ عدول حکمی کرنی شروع کر دی۔ ان حالات کا علم ہونے پر ٹراٹسکی نے سرڈلیو کو حسب ذیل برقی پیغام روانہ کیا:۔

"میں یہ صاف طور پر عرض کر دوں کہ جو تخریبی کارروائیاں زارسیٹن میں روا رکھی گئیں جن کی وجہ سے فوج میں حد درجہ بدنظمی پھیلی ان کا اعادہ یوکرین میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ ویرشیلوف اور ووطیموخ کا طریقہ کار تمام مہم کو برباد کر دے گا۔"

احباب ورفقا میں رنجش ہو جانے پر مصالحت کی سعی میں بہت احتیاط سے

کام لینا پڑتا ہے چنانچہ لینن اور سرڈیو نے بہ انداز مجرمانہ ٹروٹسکی پر مصالحت کرنے کے لئے زور دیا اس پر ٹروٹسکی کا حسب ذیل جواب آیا۔

"مصالحت ضروری ہے لیکن ایسی مصالحت نہیں جس سے تخریبی رجحانات طاقتور ہو جائیں۔۔۔۔۔ اسٹالین کے زار سیٹن والے جمہوری طریقہ کار نیز افسروں کی رد و بدل کو میں ایک ناسور خیال کرتا ہوں جو وقت گزرنے پر اس سے کہیں زیادہ خراب نتائج پیدا کرے گا جو ماہرین فوج کی غداری یا سازش کر سکتی ہے۔ اوکولوف کی رپورٹ کا غور سے مطالعہ کریں تاکہ صاف طور پر اس امر کا انکشاف ہو جائے کہ اسٹالین کی شہ سے ویرشولوف نے زار سیٹن کے محاذ پر اپنی خام تدابیر سے کتنی بدنظمی پیدا کر دی تھی۔"

رنجش کا فوری دفعیہ نہیں ہو سکتا۔ ہر زخم کے اندمال کے لئے وقت درکار ہوتا ہے چنانچہ کئی ماہ تک لینن اس معاملہ کو ٹالتا رہا آخر کار اس نے ویرشولوف کو تار دیا۔

"یہ ازحد ضروری ہے کہ ہر قسم کی تبلیغ و تلقین فوراً بند کر دی جائے فوجی طریقہ پر تنظیم ہونی چاہئے۔ مختلف گروہ بنانے نیز دوسری لغیس تحریکات جاری کرنے میں وقت نہ ضائع کرنا چاہئے۔ تنظیم فوجی طریقہ پر ہونی چاہئے۔ تمام رد و بدل۔ افسروں کی ترقی و تنزل کے قضیئے و قضیئے سب ختم کر دئے جائیں۔"

اسی روز لینن نے سیاسی بیرو کا اجلاس بلایا جس نے ٹروٹسکی کے زاویہ نگاہ کی تائید کی اور ویرشولوف کو اس کے فرائض کی انجام دہی کی طرف توجہ دلائی اور چونکہ ان کو ویرشولوف کی عدول حکمی کی اطلاعات مل چکی تھیں اسلئے تنبیہ کر دی۔

"ورنہ ٹروٹسکی تم کو زیتہ کے مقام پر بلائے گا اور ضروری انتظام
کر دے گا۔"

دوسرے روز مرکزی کمیٹی نے ریکوسکی اور ٹروٹسکی کو حکم دیا کہ دیرشولوف نے جن سرکاری اشیاء پر قبضہ کر لیا ہے ان کو برآمد کرائیں اس سلسلہ میں لینن نے ٹروٹسکی کو حسب ذیل تار روانہ کیا:۔

"ڈمینکو اور دیرشولوف فوجی سامان کو غیر ذمہ داری کے ساتھ استعمال کر رہے ہیں، ہر جانب بدنظمی پھیلی ہوئی ہے اور ڈونٹ کے محاذ کو برائے نام مدد دی جا رہی ہے۔"

ٹروٹسکی نے اگرچہ مخالف فوجی پارٹی کی کامیاب مخالفت کردی اور سیاسی بیرو نے اس کی تکذیب بھی کرا دی لیکن جن فوجی افسران کو اسٹالین وغیرہ کی تدابیر سے فائدہ پہونچا اور جو ٹروٹسکی کی مداخلت سے رک گیا وہ ٹروٹسکی کے مخالف ہو گئے اور یہ مخالفت چند سال بعد رنگ لائی۔

ٹروٹسکی میں اگر حال کے دشمن کو مستقبل میں دوست بنانے کی اہلیت ہوتی تو موجودہ مخالفتوں کا اثر اس کی آئندہ زندگی پر کم پڑتا لیکن وہ جنگی واقعہ مادی معاملات میں اس درجہ منہمک رہا کہ غالباً اس کا خیال مصالحت کی طرف گیا ہی نہیں اور نہ شاید وہ مصالحت کو ضروری ہی خیال کرتا تھا۔ ایک متمدن انسان کا ناویۂ نگاہ یہ ہوتا ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں سخت گیری دوسرے فریق کو آزردہ نہیں کرتی۔ لیکن روسی تاریخ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ وہاں ایسے لوگوں کا فقدان ہے۔ حالات و واقعات سے مجبور ہو کر ٹروٹسکی کو سختی کرنی پڑی جس نے بیشتر فوجی افسروں اور رفقائے کار کو اس کا دشمن بنا دیا۔ یہ امر یقینی ہے کہ جن افسران فوج کو اسٹالین و دیرشولوف کی جمہوری تدابیر سے فائدہ پہنچتا تھا اور جو ٹروٹسکی کی مزاحمت

کی بنا پر مترتب نہ ہوسکیں وہ افسر ضرور ٹراٹسکی کے سخت مخالف ہو گئے ہونگے ٹراٹسکی اپنی سوانح عمری میں اس سخت گیری اور اس کے نتائج کی طرف اشارہ کرتا ہوا لکھتا ہے:-

"میں فوجی تنظیم کے سلسلہ میں سخت گیر تھا اور متعلقین میرے اس طرز عمل سے ناراض تھے لیکن چونکہ اس نازک زمانہ میں انقلاب کی زندگی و موت کا سوال تھا اس لئے یہ غور کرنے کا وقت اور موقع نہ تھا کہ فرائض کی ادائیگی میں سختی کرنا میری ذات کے لئے کیا نتائج پیدا کرے گا لیکن اس زمانہ ہی سے اسٹالین نے ان خاص خاص اشخاص کو ایک لڑی میں منسلک کرنا شروع کر دیا تھا جن کے دلوں میں میری فوجی خدمت کے دوران میں مجھ سے رنجش پیدا ہو گئی تھی ایسا کرنا اسٹالین کے ذاتی مفاد کے موافق تھا۔ وہ میرے لئے مصائب کا بیج بوتا رہا۔ اسٹالین نے جس تنظیم اور شدت سے میری مخالفت کی اس کا احساس مجھے بہت بعد میں ہوا۔ دراصل اس نے انقلابی دور میں کام ہی یہ کیا کہ میرے خلاف غلط پروپگنڈہ کرتا رہا۔ اس کا فطری رجحان بھی ان تخریبی سازشوں کی طرف تھا نیز اس کو خفیہ ذاتی عناد پر غور کرنے کی فرصت بھی تھی انقلاب کے زمانہ میں اسٹالین نے کبھی کوئی اہم اور معقول کام انجام نہیں دیا"

ٹراٹسکی کی خود نوشتہ سوانح عمری سے اسٹالین کے خلاف جتنی تلخی ٹپکتی ہے ابتدائی دور میں وہ اتنی گہری نہ تھی۔ اس کشیدگی کے زمانہ میں جب اسٹالین نے جنوبی محاذ پر جانے کی اجازت لینن سے چاہی اور ٹراٹسکی سے مصالحت کرنے کا اشارہ کیا لینن اس کی سفارش کرنے پر آمادہ ہو گیا اور اس نے ٹراٹسکی کو حسب ذیل پیغام

روانہ کردیا۔

"اسٹالین جنوبی محاذ کی ذمہ واری لیناچاہتا ہے اس کا خیال ہے کہ جب اس کی تدابیر کو عملی جامہ پہننے کا موقع دیا جائے گا اس وقت ان کی درستی ثابت ہو سکتی ہے۔ میں اسٹالین کی اس خواہش کی اطلاع تمہیں اس لئے دے رہا ہوں تاکہ ہر پہلو سے اس پر غور کر لو اور اطلاع دو کہ کیا تم اسٹالین سے بذات خود مصالحت کی گفتگو کرنے کے لئے تیار ہو۔ اسٹالین زبانی گفتگو کرنے کے لئے تمہارے پاس آنے کے لئے تیار ہے۔ دوسرا امر غور طلب یہ ہے کہ کیا کسی خاص شرط پر تم اسٹالین سے تعاون کرنے پر تیار ہو۔ جہاں تک میرے خیال کا تعلق ہے میں اس کو ضروری خیال کرتا ہوں کہ اسٹالین سے مصالحت کی ہر امکانی کوشش کی جائے۔"

لینن کے اس پیغام کا یہ اثر ہوا کہ ان دونوں میں وقتی طور پر مصالحت ہو گئی اور اسٹالین جنوبی محاذ کی جنگی انقلابی کونسل کا از سر نو ممبر ہو گیا۔ کچھ مدت جنوبی محاذ پر رہنے کے بعد اسٹالین شمالی و مشرقی محاذ پر روانہ کر دیا گیا جہاں سے اس نے فوجی بدانتظامی کی اطلاع لینن کو دی اور اس زبون حالت کا ٹراٹسکی کو ذمہ دار ٹھہرایا۔ نیز یہ تجویز بھی پیش کی کہ ہر محاذ کو فوجی اعتبار سے علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے کیونکہ ایک مرکز سے تمام محاذوں کو ہدایت دینا دشوار ہے اور یہ مرکزیت عمل میں تاخیر اور مقامی بدنظمی پیدا کرتی ہے۔ شمال و مشرقی محاذ پر اسٹالین نے مخالف افواج پر فتح پائی اور اس خوشخبری کی اطلاع دیتے ہوئے لینن کو تحریر کیا۔

"بحری ماہرین کا یہ فیصلہ تھا کہ کوہ سرخ پر سمندر کے راستہ سے حملہ آور ہو کر قبضہ نہیں کیا جا سکتا مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ

ماہرین کی بحری سائنس کا جنازہ نکل گیا کیونکہ کوہ سرخ سمندریہ کی جانب سے فتح ہو گیا۔ اگر میں دخل نہ دیتا اور بحری و بری نقل و حرکت کے ضروری احکامات صادر نہ کرتا اس کوہ پر قبضہ ہونا ناممکن تھا میں اپنی رائے سے کام کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔"

یہ ٹراٹسکی کے "ماہرین" کے نظریہ کے خلاف اسٹالین کی عملی نکتہ چینی۔ دوسرا واقعہ جس پر مخالفین نے ٹراٹسکی پر سخت نکتہ چینی کی شکست خوردہ جنرل کوچک کے تعاقب کرنے کا مسئلہ تھا۔ ٹراٹسکی تعاقب کرنے کے خلاف اور مشرقی محاذ سے فوجوں کو ہٹا کر وسطِ روس میں جنرل ڈینیکن کے خلاف برسرپیکار لانے کا حامی تھا لیکن مرکزی کمیٹی نے ٹراٹسکی کی رائے تسلیم نہ کی اور جیسا بعد کے حالات سے ظاہر ہوا اگر ٹراٹسکی کی رائے پر عمل کیا جاتا فوجی اعتبار سے نقصان کا باعث ہوتا۔ اس زمانہ میں اسٹالین نے ٹراٹسکی کی نااہلیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لینن کو تار دیا۔

"اب صرف یہ سوال ہے کہ آیا مرکزی کمیٹی میں یہ جرأت ہے کہ واقعات سے درست نتائج نکال سکے۔ کیا مرکزی کمیٹی میں ضروری استقلال و کردار ہے"

یہ صاف طور پر ٹراٹسکی کو اس کے عہدے سے برطرف کرنے کا اشارہ تھا جب ٹراٹسکی کو اس مخالفت کی اطلاع ہوئی اس نے حکومت کے تمام اداروں سے استعفے دے دیا تاکہ مرکزی کمیٹی اگر چاہے تو ٹراٹسکی کے علاوہ کسی بہتر رفیق کو اس اہم عہدے پر مامور کر دے۔ خانہ جنگی کے دوران میں اکابر بولشیوک کی آپس کی یہ چشمک اور ترشی دیگر بولشیوک کے لئے نہایت تکلیف دہ تھی چنانچہ ٹراٹسکی کے استعفے پر غور کرنے کے لئے تمام بولشیوک کے منتظمہ اداروں کا مشترکہ اجلاس ہوا جس میں حسب ذیل تجویز منظور ہوئی:۔

"ٹراٹسکی کا استعفیٰ منظور کرنا غیر ممکن ہے کیونکہ اس کی علیحدگی بولشیوک

حکومت کے لئے سخت بد نصیبی ہوگی۔"

اس تجویز پہ اسٹالین کے بھی دستخط ثبت تھے۔ ملکی و سیاسی مصالح عجیب ہوتے ہیں یہ انسان کو اس کے ضمیر کے خلاف بہت سے امور کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اسٹالین جو کل تک ٹروٹسکی کی شدید مخالفت کر رہا تھا آج اس کا مداح بن گیا۔ شاید یہ لینن کی ساحری تھی کہ اسٹالین کے دستخط اس قرارداد پر کرا دیئے۔ یہ لینن کی ہر دلعزیزی اور نظر الفت تھی جس نے بولشیوک کا شیرازہ باندھ رکھا تھا ورنہ ان کی خام نفسی کیفیات انقلاب کو کبھی کا تباہ کر چکی ہوتیں۔

اس زمانہ میں مخالف افواج نے پیٹروگریڈ پر یورش کر دی۔ بولشیوک کو شکست ہوئی اور حالات اس درجہ نازک ہو گئے کہ لینن جیسے خوش فہم و باہمت انسان نے مزید مزاحمت کو بے سود خیال کرنا شروع کر دیا۔ پیٹروگریڈ جیسے اہم تاریخی مقام پر دشمن کا قبضہ ہو جانا انقلاب پر کاری ضرب لگاتا۔ اس مقام کی سیاسی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے لینن کی مرضی کے خلاف ٹروٹسکی نے یہی مناسب خیال کیا کہ اس معزز مقام کو قبضے میں رکھنے کے لئے سعی بلیغ ضرور کرنی چاہیئے اس کا خیال تھا کہ پیٹروگریڈ کا ہاتھ سے نکل جانا انقلاب انگیز عناصر میں شکستہ دلی پیدا کر دے گا نیز تمام یورپ میں رجعتی عناصر کا اعزاز بہت بڑھ جائے گا۔ ان تخیلات کے ماتحت ٹروٹسکی نے بذات خود میدان جنگ پر پہنچ کر افواج کی سرکردگی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کی ہمت و شجاعت، اولوالعزمی و خوش تدبیری کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کو شکست ہوئی اور پیٹر اعظم کی یادگار پر سرخ انقلابی پرچم لہراتا رہا۔ اس غیر متوقع فتح سے تمام بولشیوک اس درجہ مسرور و متاثر ہوئے کہ اظہار تشکر و ریت اور داد شجاعت دینے کے لئے انقلابی روایات کے خلاف ایک اعزاز (ORDER OF THE RED FLAG) ایجاد کیا اور ایک عظیم الشان جلسے میں وہ اعزاز ٹروٹسکی کو عنایت کیا۔ نہ معلوم کیوں؟ اس جلسے میں

اسٹالین شریک نہیں ہوا تھا۔ چونکہ اسٹالین بھی پیٹروگرید کے محاذ پر تھا اس لئے کیمونیف نے اسٹالین کو بھی اس اعزاز سے سرفراز کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز پر کیلینن (موجودہ صدر جمہوریہ روس) نے متعجب ہو کر دریافت کیا:-

"میں نہیں سمجھ سکا کہ اسٹالین کو یہ اعزاز کس صلہ میں دیا جا رہا ہے"

کیلینن کے اس استفسار پر بخارن نے جواب دیا۔

"یہ اعزاز لینن کے اشارے سے دیا جا رہا ہے تاکہ اسٹالین کو حسد نہ ہو"

یہ لینن کی حسن تدبیر اور بیدار فہمی تھی جو حالات و واقعات کی ناسازگاری کے باوجود کمیونسٹ پارٹی میں توازن قائم کئے ہوئے تھی۔

حالانکہ اکابر بولشیوک ٹروٹسکی اور اسٹالین میں مصالحت رکھنے کی از حد کوشش کر رہے تھے لیکن کامیابی نہ ہوتی تھی جب اسٹالین کو جنوبی محاذ پر جنرل ڈینیکن کے خلاف روانہ کیا اس نے حسب ذیل مطالبات پیش کر دیئے:-

(۱) ٹروٹسکی کو جنوبی محاذ کے معاملات میں دخل دینے کا حق نہیں ہونا چاہیئے

(۲) جن کارکنوں کو میں غیر مفید خیال کرتا ہوں ان کو واپس بلا لیا جائے گا۔

(۳) جن کو میں کارآمد خیال کرتا ہوں ان کو فوراً محاذ پر روانہ کر دیا جائے گا۔

دلوں کو آزردہ نہ کرنا لینن کی خاص خصوصیت تھی۔ اگر حالات و واقعات سے مجبور ہو کر کوئی ایسا عمل کرنا پڑتا جو دوسروں کی آزردگی کا باعث ہوتا تو پہلے موقع پر خندہ پیشانی و صاف دلی سے رنجیدہ شریک کار کو ہم آغوش کر لیتا۔ لینن کا حسن تدبیر چھپا ہوا تھا اگرچہ ٹروٹسکی جنوبی محاذ سے دست بردار نہ ہوا اس کے باوجود اسٹالین خودمختار رہا لیکن بعض قلوب اس درجہ تاریک ہوتے ہیں کہ وہ کسی تلخی کو فراموش نہیں کرتے بلکہ مخالف کی تکذیب و مذمت میں لگے رہتے ہیں۔ ٹروٹسکی کے طریقہ کار کی خامی

اور اپنی کارگزاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسٹالین نے محاذ پر پہونچتے ہی لینن کو تار دیا۔

"حالات میں تبدیلی کرنا ازحد ضروری ہے۔ اس کے بغیر میں کچھ نہیں کر سکتا اگر ضروری تبدیلی کرنے کی اجازت موصول نہ ہوئی تو میں جنوبی محاذ پر رہنے کے عوض دوزخ میں جانا پسند کروں گا۔"

اسٹالین نے اس موقع پر نہ صرف ضروری تبدیلیوں کی فہرست روانہ کی بلکہ یہ دھمکی بھی دی کہ اگر کسی وجہ سے ان پر عمل درآمد کرنے کی اجازت موصول نہ ہوئی تو اس شکل میں وہ جنوبی محاذ کی کمان سے مستعفی ہو جائے گا شائد استعفی کا ذکر تبدیلی کی فوری ضرورت اور اہمیت کے اظہار کے لئے کیا گیا تھا نیز حالات کی خستگی کا ذکر ٹروٹسکی کی تدابیر پر تنقید تھی۔ لینن نے اسٹالین کی تحریر بجنسہ سیاسی بیرو کے روبرو پیش کر دی جس کا اس ادارے نے غور و خوض کے بعد حسب ذیل جواب اسٹالین کو روانہ کر دیا۔

"یہ بہت غیر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقامی رد و بدل کی تجاویز استعفوں اور ترک تعاون کی دھمکیوں کے ہمراہ روانہ کی جائیں"

اس پر اسٹالین خاموش ہو گیا لیکن سیاسی بیرو کے اس جواب کو بھی وہ ٹروٹسکی کے اثر کا کرشمہ سمجھا اور اس کی نفرت اپنے شریک کار سے زیادہ عمیق ہو گئی۔

عزم اور اس عزم کو تکمیل تک پہونچانے کے لئے شدید تشدد و جبر و قہر کرنا اسٹالین کا طرۂ امتیاز تھا۔ زار ثانیہ کہا کرتی تھی "روسی کو چابک کی ضرورت ہے" اس کا یہ اندازہ غلط نہ تھا غیر متمدن انسانوں کو راہ راست پر لانے کے لئے چابک سے متواتر کام لینا پڑتا ہے چونکہ اسٹالین کو کبھی کسی متمدن ملک میں رہنے اور متمدن زبان سیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لئے کسی متمدن ماحول و ادب سے متاثر نہ ہو سکا۔ اسٹالین روسی کی غیر متمدن نفسی کیفیت کو خوب سمجھتا تھا اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مغربی یورپ میں مدت کے قیام سے لینن اور ٹروٹسکی میں متمدن زاویۂ نظر

پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ روسی کی خام نفسی کیفیت کو اس صفائی سے نہیں دیکھ سکتے تھے جس صفائی سے اسٹالین دیکھتا تھا۔ لینن و ٹراٹسکی اور دیگر اکابر بولشیوک اصل معنی میں روسی نہ تھے۔ مغربی یورپ کی رہائش اور وہاں کے متمدن عملی و سیاسی ماحول نے ان کی نفسی کیفیت کو کافی متاثر کر دیا تھا ان کا جبر و قہر کا تخیل متمدن انسان کا تھا۔ ان کا عام اسلوب زندگی کا تصور ان کو زیادہ ظلم و ستم کرنے پر مشکل سے آمادہ کرتا تھا اس کے برخلاف چونکہ اسٹالین کو بھی متمدن مغرب سے متاثر ہونے کا موقعہ نہیں ملا تھا اس لئے اس کو روسی کی خام نفسی کیفیت کے مطابق شدید طریقہ کار اختیار کرنے میں کبھی جھجک پیدا نہیں ہوتی چنانچہ جہاں بھی تشدد و جبر کی ضرورت ہوتی وہاں اسٹالین کو روانہ کر دیا جاتا تھا غیر متمدن انسانوں کو اپنی ہستی محسوس کرنے کے لئے اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ دوسروں پر ظلم کریں۔ اسٹالین کی یہی نفسی کیفیت تھی اور لینن ایک ماہر نفسیات کی طرح اسٹالین کی اس ظالمانہ لیکن کار آمد نفسی کیفیت کو بر سر کار لا رہا تھا اور جہاں کہیں بھی تشدد کی ضرورت ہوتی اسٹالین کو روانہ کر دیتا۔ ایک مرتبہ اسٹالین کی زبان پر شکوہ آ ہی گیا اور اس نے لینن کو لکھا

> "میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوہ قاف کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر کیوں رکھی جا رہی ہے۔ دستور کے مطابق انقلابی جنگی کمیٹی (ٹراٹسکی) اس محاذ کی ذمہ دار ہے۔ اس کونسل کے ممبر جہاں تک مجھے علم ہے اچھی صحت کے مالک ہیں پھر کیوں بیمار و عدیم الفرصت اسٹالین پر ذمہ داری عائد کی جا رہی ہے"

لیکن لینن کی کار فرمائی کچھ ایسی تھی کہ باوجود دلگوں شکوؤں اور اکابر بولشیوک کے باہم اختلاف و نزع کے مزدور آمریت قائم تھی اور اشتراکی زندگی کے زیادہ نمایاں آثار نظر آنے لگے تھے۔ وسیع المشرب انسان جس کا دل گرم، نگاہ پاک باز اور جان

بیتاب ہو، اپنی خوش خوئی اور محبت سے تمام مختلف عناصر کو ایک لڑی میں پرولیتا ہے۔ لینن نے اگر ایک مرتبہ اسٹالین کی خوشنودی پر اظہار اعتماد کرنے کے لئے اس کو جنوبی محاذ پر خود مختار بنا دیا دوسری مرتبہ ٹروٹسکی کو بھی ایک سادے کاغذ پر دستخط کر دیئے تاکہ ٹروٹسکی اپنی رائے کے مطابق ضروری احکامات کا اعلان لینن کے نام سے کر دے۔ اس سادے کاغذ کے آخر میں یہ جملہ درج تھا۔

"کامریڈ ٹروٹسکی کے احکامات کی نوعیت جانتے ہوئے مجھے ان کی ضرورت اور صحت کا پورا یقین ہے اور میں ان کی پرزور تائید کرتا ہوں"

یہ لینن کا ٹروٹسکی پر اظہار اعتماد کرنے کا ایک طریقہ تھا اس طرح انقلاب کا قائد اعظم متعدد متضاد طبیعتوں کے شرکائے کار کے درمیان صلح و آشتی قائم رکھتا تھا۔

اختلاف کے بعد اختلاط متقی انسانوں کی اہم خصوصیت ہوتی ہے چونکہ ان کا کوئی عمل انفرادی نفع کے ماتحت نہیں ہوتا اس لئے ان کے قلوب میں مستقل تلخی پیدا نہیں ہوتی اس سلسلہ میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے ۱۹۲۰ء کے آخیر میں ایک ایسا مسئلہ سامنے آیا جس پر لینن اور ٹروٹسکی میں شدید اختلاف ہو گیا اتنا شدید کہ یہ ہنگامی اختلاف رائے لینن اور ٹروٹسکی کے درمیان انقلاب کے قائد اعظم کے اعزاز کے لئے جدوجہد تصور کی جانے لگی عام طور پر یہ کہا جانے لگا تھا کہ مزدوروں کی انجمن کی نوعیت و فرائض کا مسئلہ زیر بحث نہیں ہے بلکہ اس پردے کے پیچھے بولشیوک پارٹی کی قائدیت کا مسئلہ طے پا رہا ہے۔ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ جب روس کی اقتصادی حالت خراب ہوئی ٹروٹسکی نے مزدور طبقہ میں فوجی طریقہ کی تنظیم کرنی چاہی اس خیال کے بموجب اس نے یہ تجویز پیش کی کہ "ٹریڈ یونین" کی علیحدہ حیثیت نہ ہونی چاہیئے بلکہ اس کو حکومت ہی میں مدغم کر دینا چاہیئے۔ "ٹریڈ یونین" کا فرض صرف یہ دیکھنا ہو کہ آیا مزدور طبقہ بولشیوک حکومت

کے احکامات کی پابندی اور تعمیل کر رہا ہے یا نہیں۔ لینن اس تجویز کا مخالف تھا اس کے خیال کے مطابق چونکہ مزدور آمریت میں ہنوز سرمایہ دارانہ عناصر موجود تھے اور وہ مکمل طور پر مزدور کے حقوق کی حفاظت نہیں کرسکتی تھی اس لئے مزدور کے ٹریڈ یونین کی حکومت سے علیحدہ ایک مستقل حیثیت رکھنی چاہیئے تھی اس معمولی سے مسئلہ پر ردوقدح اس درجہ شدید ہوگئی کہ یہ طاقت کا سوال بن گیا اور ٹروٹسکی و لینن میں سیاسی رسہ کشی شروع ہوگئی۔ ٹروٹسکی تخلیقی فکروعمل کا بادشاہ مدلل و معنی خیز تحریر و تقریر کا ماہر آسانی سے شکست کھا لنے والا نہ تھا۔ یہ مسئلہ جب مرکزی کمیٹی کے روبرو پیش ہوا ٹروٹسکی نے اپنے استدلال اور سحر بیانی سے اس کمیٹی کو اپنا ہم رائے کرلیا ان حالات میں لینن کو کافی تشویش ہوئی لیکن وہ علانیہ طور پر ٹروٹسکی کا مدمقابل نہ بنا۔ اس نے زینوویف کی شگفتہ تقریر اور اسٹالین کی خفیہ تدابیر سے کام لے کر در پردہ ٹروٹسکی کے موافقین کو توڑنا شروع کردیا اس سعی میں اسٹالین کی خفیہ تدابیر غیر متوقع طور پر کامیاب ہوئیں۔ ٹروٹسکی نے فوجی تنظیم کے دوران میں جو مخالفتیں پیدا کرلی تھیں وہ رنگ لائیں اور جب مارچ ۱۹۲۰ء کو بولشیوک پارٹی کی دسویں کانگریس میں یہ مسئلہ پیش ہوا تو لینن کو ۳۳۶ اور ٹروٹسکی کو صرف ۵۰ رائیں ملیں۔ اگرچہ مرکزی کمیٹی میں ٹروٹسکی کے زاویہ نگاہ کو شکست ہوگئی لیکن چونکہ مزدوروں کے ٹریڈ یونین کی زندگی کا انحصار حکومت کی مالی مدد پر تھا اس لئے کاغذ پر تو اس کی حیثیت علیحدہ رہی لیکن عملی طور پر وہ حکومت ہی کا ادارہ تھی اور کچھ عرصے بعد "ٹریڈ یونین" کا صرف یہ کام رہ گیا کہ وہ مزدور طبقہ کے متعلق حکومت کے جو احکامات صادر ہوں اُن کو وضاحت کے ساتھ اس طبقہ کو بتادے:۔

اخلاقی و عملی طور پر اگرچہ ٹروٹسکی کو فتح ہوئی لیکن اس کے اس اقدام کا

ٹراٹسکی کے حق میں یہ خراب نتیجہ نکلا کہ اس کے مخالفین کو متفق الرائے ہونے اور متحد ہو کر کام کرنے کا موقع مل گیا۔ ٹراٹسکی کی بحث و تکرار سے لینن بھی چونکا اور اس نے اپنا اثر قائم رکھنے کی غرض سے ان ۳ سیکرٹریوں کو جنھوں نے ٹراٹسکی کو رائے دی تھی علیحدہ کرنے کے بعد ان کی بجائے مالوٹوف (موجودہ وزیر خارجہ) کو سکریٹری کے عہدے پر ممتاز کر دیا اور اس کی مدد کے لئے دو نائب سکرٹری مقرر کر دئیے ان تینوں میں نہ اتنا تخلیقی فکر تھا کہ کسی مسئلہ پر اپنی ذاتی رائے رکھتے اور نہ اتنی اخلاقی جرأت تھی کہ اس کا اظہار کر سکتے۔ ان تین مہروں کو سیاسی بساط پر بٹھا کر لینن نے مرکزی کمیٹی پر اپنا اثر زیادہ مستحکم کر لیا۔

باوجود اس سیاسی کشمکش کے لینن کے دورِ حیات میں اکابر بولشیوک کی رنجشیں و نفرتیں اس درجہ نمایاں نہ تھیں کہ عام طور پر ان کا علم ہوتا۔ مخصوص لوگ ہی ان رنجشوں کی نوعیت جانتے تھے اور مبہم اشاروں میں ان پر تبصرہ و تنقید کرتے تھے یہ ہمنشینوں کے راز تھے جو نامحرم نہیں جان سکتا تھا۔ جمہور کو یہی علم تھا کہ اکابر بولشیوک نہایت تندہی و تعاون سے کام کر رہے ہیں۔ اگر جمہور کو ان تمام تلخ اختلافات کا علم ہو جاتا جو لینن کی زندگی میں رونما ہو رہے تھے تب شاید بولشیوک کی حیات ختم ہو جاتی۔ اگر لینن کی وفات کے بعد اختلافات ختم اور حالات درست ہو جاتے اور بولشیوک پارٹی کا حکمران طبقہ اکابر بولشیوک کے ساتھ وہ سلوک روا نہ رکھتا جو رکھا گیا شاید یہ اختلافات تاریخ کے صفحہ پر نہ آتے۔ اکابر بولشیوک پر مقدموں، قید و بند ان کے قتل و جلاوطنی نے دنیا کو اس مسئلہ کی طرف متوجہ کیا کہ کل کے ہمنشین آج ایک دوسرے کے ننگ و نام اور جان عزیز کے دشمن کیوں بنے ہوئے ہیں اس امر کی تحقیق کرنے پر یہ انکشاف ہوا کہ اکابر بولشیوک کا ظاہر اتفاق حسد و حرص سے ہم آغوش تھا۔

اکابر بولشیوک کے آپس کے اختلافات ایک افسانہ بن کر رہ گئے ہیں جس ملک میں تحریر و تقریر کی آزادی مفقود ہو اور اکابر ہستیاں ، مورخین ادیب ۔ جمہور اپنے خیالات کا کافی و شافی طور پر اظہار نہ کر سکیں ، جہاں مطابع ۔ کاغذ ، ریڈیو سب حکومت کے قبضے میں ہوں وہاں تاریخی حالات و واقعات معلوم کرنے کے صرف تین ذرائع رہ جاتے ہیں ۔ ایک حکومت کے مطبوعات جو قدرتاً حکمران طبقہ کے نقطۂ نگاہ کو نہایت وضاحت سے اور معترضین کے زاویہ نگاہ کو نہایت مسخ شکل میں پیش کرتی ہیں ۔ دوسرا ذریعہ معلومات ان مخرجین کی تصانیف ہیں جو انھوں نے غیر ممالک میں پہنچکر شائع کیں ظاہر ہے کہ مخرجین و مفرورین ہر واقعہ کو اپنے رنگ میں پیش کریں گے ان کے علاوہ تیسرا ذریعہ علم سرمایہ دار دنیا کے محققین اور اخبارات کے نمائندوں کی تصانیف ہیں یہ اصحاب اپنے ملک کی سیاسی مصلحتوں اور اپنے اخبارات کی خاص پولیسی کی بنا پر اس درجہ مجبور ہوتے ہیں کہ حالات و واقعات کو بے کم و کاست پیش نہیں کر سکتے بلکہ ان پر کوئی خاص سیاسی رنگ چڑھا کر پیش کرتے ہیں ۔ جہاں مؤرخ کے پاس واقعات معلوم کرنے کے صرف یہ چند ذرائع ہوں اور سب تاریخی لحاظ سے ناقابل اعتبار وہاں کسی واقعہ کی اصل نوعیت اس کے حسن و قبح ۔ اس کی ذمہ داری کے متعلق حکم لگانا مشکل ہو جاتا ہے اکابر بولشیوک جیفے کی خود نوشتہ سوانح کو شائع کرنے کی اجازت نہ ملنا حالانکہ غیر ممالک اس کو ہزار ہا پونڈ معاوضہ دینے کے لئے تیار تھے ۔ اس کی علالت اور اس کی شریک حیات کی حکمران طبقہ سے علاج کی استدعا اور اس طبقہ کا اغماض ۔ اس پر احساس کا یہ تازیانہ کہ جس اشتراکی تصور کو پھیلانے کے لئے جیفے نے تمام زندگی صرف کردی وہ فنا ہو رہا ہے ان حالات میں جیفے کی خودکشی یہ کوئی واحد واقعہ نہیں ہے ۔ جو اکابر بولشیوک چند سال گزرے روس کے حکمران طبقہ کی حرص و ہوس کے

شکار ہوئے وہ سب غیر معمولی دل و دماغ کے انسان تھے اور یہ غیر ممکن ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے متعدد تصانیف نہ چھوڑی ہوں لیکن روسی چنگیزیت میں ان کا شائع ہونا ناممکن تھا اور ہے۔ ان حالات میں روسی تاریخ کے متعلق نیز اسٹالین و ٹروٹسکی کی آپس کی رنجش کی بابت جو وقت گذرنے پر ایک سیاسی مسئلہ بن گئی تھی عقلی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور بس۔ نہ معلوم دیرینہ بولشیویک کی نظر میں نسبتاً ایک نووارد شخص ٹروٹسکی کا آنا اور اپنی ذہانت و تخلیقی عمل کی بنا پر انقلاب کے قائد اعظم لینن کا دست راست بن جانا شاق گزرتا تھا اور اس حسد کو فوجی مقابل پارٹی کا رنگ دے کر ٹروٹسکی کی تدابیر کو اس لئے درہم برہم کیا جا رہا تھا کہ اس کے بڑھتے ہوئے اعزاز و اثر کو لینن اور جمہور کے دلوں سے نکال دیا جائے یا واقعی وہ ٹروٹسکی کے طریقہ کار کو انقلاب کے لئے سم قاتل خیال کرتے تھے یقین کے ساتھ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

حکمران طبقہ کی تشکیل

آسمانی صحیفوں کا انسان کو اشرف المخلوقات قرار دینا اس امر کا اعلان تھا کہ وہ عقل و فہم کے جوہر سے کام لے کر کائنات کی ہر مخلوق کو تسخیر کر سکتا ہے لیکن اس ہمالکدان کی یہ بدنصیبی ہے کہ ازل سے آج تک معدودے چند نفوس کے علاوہ عام انسان اپنے نفس کے تخریبی رجحانات کا شکار رہا۔ دنیا میں بہت کم انسان ایسے ہوں گے جو طعام کے عوض عیسیٰ کو نہ چھوڑ دیں اور کسی اصول میں یقین نہ ہونے کے باوجود ہنگامی مفاد کی خاطر عمداً اس کو قبول نہ کر لیں۔ روس جس کو ایک دنیا کا ایک حصہ ہے وہاں کے انسان میں وہ سب خامیاں تھیں جن کو اکثر لوگ انسانی فطرت کی خامیاں بنا کر اپنے ضمیر کو خاموش کر لیتے ہیں۔ انقلاب جادو نہیں ہوا کرتا۔ وہ چشم زدن میں انسان کی نفسی کیفیت نہیں بدل سکتا۔ باشندگان روس میں قوت و حکومت پرستی، ہنگامی انفرادی مفاد سے وابستگی اور حقیقی ترقی سے لاپروائی عام تھی۔ بولشیوک کے خانہ جنگی میں فتحیاب ہو جانے پر روسی جمہور کو بولشیوک پارٹی کی ممبری میں زر و مال نظر آنے لگا۔ باوجود کسی اصول کی صحت میں یقین نہ ہونے کے نفس کا شکار انسان اپنے مفاد کی خاطر طاقت کے سامنے سر نیاز خم کر دیتا ہے اور اپنی اس ابن الوقتی کو تاریخی

حالات و واقعات کی پکار کہہ کر اپنی حرص و ہوس پوری کرنے میں سرگرم ہو جاتا ہے چنانچہ مارچ ۱۹۲۱ء تک روس کے بے ضمیر جمہور اتنی کثیر تعداد میں بولشیوک پارٹی کے ممبر ہو گئے کہ پارٹی کی تعداد ۳۱۳۰۰۰ سے بڑھکر ۶۱۱۰۰۰ ہو گئی ایسا ہونا ضروری تھا کیونکہ اس زمانہ میں بولشیوک پارٹی کا ممبر ہونا افلاس و مرگ کے خلاف بیمہ کی شکل تھا۔ پارٹی کا ممبر بن کر حکومت میں کوئی معقول عہدہ مل جانا اور نسبتاً خوشحالی سے بسر ہو جانا یقینی تھا۔ زندگی میں چند روزہ عیش و آرام کی امید روسی جمہور کو ان کے معتقدات کے خلاف بولشیوک پارٹی کا ممبر بن جانے پر مجبور کر رہی تھی۔

یہاں انقلاب کا ایک اہم مسئلہ سامنے آجاتا ہے وہ یہ کہ کسی ملک کے جمہور کا بہت قلیل حصہ انقلابی اصولوں کا شعور رکھتا ہے اور بلا کسی معاوضے کی امید رکھے صرف حق پرستی کی خاطر انقلاب برپا کرتا ہے لیکن یہ جماعت اتنی قلیل ہوتی ہے کہ فتح ہو جانے کے بعد تمام ملک کا انتظام نہیں کر سکتی اور اس کو حکومت کے کاروبار کے لئے ان لوگوں کو شریک کار بنانا پڑتا ہے جن کی نظر کبھی انفرادی مفاد سے آگے نہیں جاتی جب انفرادی مفاد کے دلدادہ ایک ہی تمنا و آرزو کے ساتھ کسی ادارے یا حکومت میں بہت بڑی تعداد میں شریک ہو جاتے ہیں تو ان کے خام تصورات سے اس ادارے یا حکومت کا ماحول اثر پذیر ہو جاتا ہے جب انفرادی نفع کے حامی جن کے دل و جان طلائی و نقرئی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے کثیر تعداد میں بولشیوک پارٹی میں شامل ہو گئے یہاں بھی انھوں نے خود غرضی و انفرادیت پرستی کا ماحول پیدا کر دیا۔ دوسری وجہ جس نے حکمران طبقہ کی تشکیل میں مدد دی وہ نفسیاتی تھی جو کسی انفرادی کوشش کی نہیں بلکہ تاریخی حالات کی پیدا کردہ تھی۔ جنگ کے دوران میں حکومت کے تمام اداروں کو فوجی طریقہ پر منظم کرنا

اور طاقت کو ایک مرکز پر لانا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ خانہ جنگی کے دوران میں تمام طاقت بولشیوک پارٹی کی اقلیت میں مرکوز ہو گئی تھی اور غیر متقی قلوب کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ تحکم و قوت کا نشہ ان کی ذہنی کیفیت اس درجہ مسخ کر دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرے انسانوں سے ماورا خیال کرنے لگتے ہیں۔ یہ نفسی کیفیت ان میں غرور و تکبر اور احساس برتری پیدا کر دیتی ہے۔ جب کسی پارٹی کی اقلیت مدت تک طاقت و حکومت کی مالک رہتی ہے اس کے افراد قدرتاً ایک دوسرے سے زیادہ قریب اور پارٹی کے عام ممبروں کی خیر و بہبود۔ ان کی آرزوؤں۔ تمناؤں۔ تصورات و ضرورتوں سے بیگانہ ہو جاتے ہیں۔ یہ حالات اس ملک میں بہت جلد دو نما اور راسخ ہو جاتے ہیں جہاں عوام و خواص کی تعلیم۔ تمدن و تمول میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ کسی ایسی سیاسی جماعت میں جس کے ممبر تمدنی و تعلیمی اعتبار سے یکساں ہوں اس کی اقلیت میں قوت و حکومت اس درجہ احساس برتری پیدا نہیں کرتی جتنا کہ ایک غیر متمدن پارٹی کی اقلیت میں۔ ٹروٹسکی حکمران طبقہ کی تشکیل پر روشنی ڈالتا ہوا لکھتا ہے :-

> "دراصل واقعہ یہ تھا کہ خانہ جنگی کی وجہ سے تمام حکومتی امور میں مرکزیت پیدا کرنی ضروری تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمام حکومت پارٹی کے چند افراد کے ہاتھ میں آگئی اور جب ایک مدت تک کسی انسان کا طاقت پر قبضہ رہتا ہے ضرورت ختم ہو جانے کے بعد بھی طاقتور حکومت سے دست بردار ہونے پر اس کی طبیعت مائل نہیں ہوتی۔"

اشتراکیت سوز رجحانات کے ترقی پا جانے کی ایک اور بھی نفسیاتی وجہ تھی انسانی فطرت ہے کہ وہ عیش و آرام ہو یا مصیبت و آلام ایک مدت بعد اس سے اکتا جاتا ہے کسی کے لئے عیش و آرام کی افزونی مصیبت ہو جاتی ہے تو کسی کیلئے

مصیبت اور آلام کی افزائش بہت شکن ثابت ہوتی ہے بولشیوک پارٹی کے عام ممبر نے چار سال کے قلیل عرصے میں زندگی کے اتنے نشیب و فراز دیکھے اور اس کی امیدیں اتنی بار بندھ بندھ کر ٹوٹیں کہ مستقبل کی زندگی کی خوشحالی کی امیدوں نے اس کے دل کے سمندر میں موجیں مارنا ترک کر دیا۔ اب اس کو اپنے رہبروں کی حسن تدبیر پر حقیقی معنی میں یقین نہیں رہا۔ عام ممبر اشتراکی دستور اور اس کے اجرا کی تدابیر کے بحث مباحثہ نیز روز و شب کے مصائب و خطرات سے تنگ آ کر زندگی کو ایک استعار شئے تصور کرنے لگا تھا اور یہ عام انسانی کی فطرت ہے کہ ایک استعار شئے کے لئے وہ زیادہ جد وجہد نہیں کرتا۔ چنانچہ خانہ جنگی کے بعد حالات و واقعات کی رو میں بہہ جانا ہی عام ممبر کا مطمع نظر ہو گیا تھا۔ چار سال تک جس اشتراکی باغ .... ارم کے حصول کی امیدیں روز و شب دلائی گئیں تھیں وہ ملک کے کسی گوشے میں رونما نہ ہوا نہ صرف یہی بلکہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ مغربی یورپ میں انقلاب نہ ہونے کی وجہ سے اشتراکی باغ ارم کے نمودار ہونے کی امیدیں ایک طویل مدت کے لئے معدوم ہو گئیں ہیں ان حالات میں پارٹی کا عام ممبر سیاسی کشمکش سے اکتا کر مجاہد کی بجائے تماشائی بن گیا۔ خانہ جنگی کا یہ اثر بھی ہوا کہ بولشیوک پارٹی کے بہت سے ذہین و با ہمت ممبر جو اشتراکیت پر صدق دل سے ایمان رکھتے تھے میدان جنگ میں کام آ گئے ان کی ہمت اور انقلاب کی بے لوث خدمت کے مظاہرے جو جمہور کو اولوالعزمی کی دعوت تھے جب ختم ہو گئے تو عوام کے جوش انقلاب نے بھی ان کے خون کو گرمانا ترک کر دیا۔ ان تاریخی حالات میں یہ امر قابل تعجب ہوتا اگر پارٹی کی اقلیت اپنے آپ کو ایک علیحدہ جماعت میں منظم نہ کر لیتی اور حکمران طبقہ عالم وجود میں نہ آ جاتا۔

جس ملک کی سربرآوردہ سیاسی جماعت میں شکم پروری اور انفرادی نفع کا جذبہ کارفرما ہو جاتا ہے وہاں کے معاشرہ کی سیاسی و اقتصادی و اخلاقی حالت

خراب ہو جاتی ہے اور زندگی کے ہر گوشہ میں تخریبی رجحانات نمودار ہو جاتے ہیں
اس معاشرہ میں اگر جمہوری دستور کے مطابق ادارے وجود پاتے ہیں ان کے
انتخابات کے دوران میں انواع و اقسام کے اثر۔ لالچ دباؤ۔ دھمکی سے رائے دہندگان
کو کسی خاص امیدوار کو رائے دینے پر مجبور کیا جاتا ہے ایک ایسے ملک میں جہاں
کل ضروریاتِ زندگی پر کسی ایک سیاسی جماعت کا قبضہ ہو وہ جماعت رائے دہندگان
کو خاص زاویہ نگاہ رکھنے والے امیدواروں کی تائید میں رائے دینے پر ہزار
طریقہ پر مجبور کر سکتی ہے۔ چونکہ عام طور پر روسی جمہور اور بولشیوک پارٹی کی اکثریت
حرص و ہوس کے بندے تھے اس لئے بولشیوک پارٹی میں جو برسر اقتدار اقلیت
پیدا ہو گئی تھی اس نے رائے دہندگان کو حکومت۔ کارخانوں۔ فوج میں عہدے
دے کر اپنا ممد و مددگار بنا لیا۔ پارٹی کے جن ممبروں نے ضمیر فروشی کرنے کی بجائے
حکمران طبقے کے غلط اقدام پر نکتہ چینی کی ان کو اہم سیاسی و اقتصادی مرکزوں سے
نکال کر مصنوعی ضرورت کے ماتحت ملک کے دور دراز گوشوں میں روانہ کر دیا نیز
سربرآوردہ طبقے نے اپنے حواریوں کو ان کی جگہ مقرر کر دیا۔ مثلاً اگر کوئی پارٹی کا ممبر
حکمران طبقہ کے رویہ پر تنقید کرتا اس کو سٹیر و گریڈ یا ماسکو یا ایسے ہی کسی شہر سے
جہاں اس ممبر کو کشادہ و آرام دہ مکان۔ زیادہ روزینہ۔ مہذب دوست۔ اچھی تعلیم
گاہیں۔ بچوں اور شریکِ حیات کے لئے متمدن ہمسائے میسر تھے تبلیغ و اقتصادی
و سیاسی تنظیم کے بہانے تو کرین، کوہ قاف، سائبیریا کے کسی دیہات کو روانہ کر دیا
جاتا۔ ایک متمدن انسان کا غیر متمدن ماحول میں رہنا سوہانِ روح ہوتا ہے اور
اس بظاہر تبادلہ لیکن دراصل جلاوطنی کا ایک دماغی انسان کے دل و دماغ پر
وہی اثر ہوتا ہے جو قید تنہائی کا۔

حکمران طبقہ کا جب یہ طریقہ سزا بہت عام ہو گیا اس پر بعض پارٹی کے ممبروں

نے ۱۹۲۰ء میں نویں کانگریس کے اجلاس میں سخت تنقید کی۔ ایک اکابر بولشیوک یورنیوف نے حکمران طبقہ پر تنقید کرتے ہوئے کہا:۔

"بولشیوک پارٹی کے ممبروں میں سے اگر کوئی پارٹی کی اقلیت کے حسن تدبیر اور غلط طریقہ کار پر اعتراض کرتا ہے اس ممبر کو انقلابی ضرورت کے پردہ میں ملک کے کسی دور دراز گوشے میں تعینات کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ حکمران طبقہ کے اصحاب حل وعقد کی غلط سیاستِ خام اور اصلاحات پر نکتہ چینی نہ کر سکے"۔

میلسیوسکی نے طعن کرتے ہوئے کہا:۔

"جس طرح مچھلی سر کی طرف سے سڑنی شروع ہوتی ہے اسی طرح بولشیوک پارٹی بھی سر کی طرف سے سڑنی شروع ہو گئی ہے"۔

یہ صاف اشارہ اس امر کی طرف تھا کہ بولشیوک پارٹی میں اکابر بولشیوک کا ایک حکمران طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو خواجگی کے تخریبی اثرات سے متاثر ہوتا چلا جا رہا تھا سپنر دنوف نے زیادہ وضاحت سے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا:۔

"جہاں تک تصورات اور قوانین کا تعلق ہے آزاد انتخابات کے قوانین بھی موجود ہیں۔ مزدور طبقہ کی آمریت بھی قائم ہے اور بولشیوک پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے اجلاس بھی جمہوری طریقہ پر ہوتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ پارٹی کی نہیں بلکہ بولشیوک پارٹی میں آقاؤں کا جو طبقہ پیدا ہو گیا ہے اس کی آمریت قائم ہے"۔

یہ تنقید غلط نہ تھی۔ سیاسی بیرو کے چند نفوس تھے جو ملک کے تمام سیاسی واقتصادی امور طے کرتے تھے اور جب ان کی تجاویز مرکزی کمیٹی یا سوویٹ کانگریس کے اجلاس میں پیش ہوتی تھیں ان کا منظور ہو جانا یقینی امر ہوتا تھا۔ لٹبونوف نے

اقلیت پر تنقید کرتے ہوئے کہا:۔

"مرکزی کمیٹی اور منتظمہ بیرو معمولی سے معمولی عہدے دار کا تقرر بھی
اپنے حوارین میں سے کرتے ہیں تاکہ ملک میں اقلیت حکمران رہے۔
جن ممبروں کے ماسکو میں رہنے سے حکومت کو نکتہ چینی و پردہ دری
کا خطرہ ہوتا ہے ان کو یوکرین میں جلاوطن کردیا جاتا ہے یوکرین اب
سیاسی جلاوطنوں کے لئے وقف ہو گیا ہے"

لیکن باوجود اس تنقید اور صدائے احتجاج کے۔ لینن۔ ٹروٹسکی اور دیگر اکابر
بولشیوک حکمران طبقہ کا وقار و اثر بڑھانے میں سرگرم تھے یا تو وہ اس طریق کار کے
نتائج و ردعمل سے بے خبر تھے یا ان کو یہ خیال تھا کہ آئندہ چل کر وہ اس کے خراب
نتائج کا سدباب کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ تاریخ صرف
یہ بتاتی ہے کہ دسویں کانگریس کا اجلاس ہو رہا تھا کہ کورنسٹیڈ کے ملاحوں کی بغاوت
کی خبر آئی (اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے) یہ بغاوت لینن و ٹروٹسکی کے طریقہ کار
پر انقلابی جمہور اور بولشیوک پارٹی کے عام ممبروں کی عملی تنقید تھی۔ اس بغاوت
سے متاثر ہو کر لینن نے اقتصادی لحاظ سے وسیع آزادی دے دی جو "نیپ" کے
نام سے مشہور ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ پارٹی کی آزادئ افکار و کردار پر زیادہ
قیود عائد کردیں۔ سیاسی ماہرین کا یہ آزمودہ و کامیاب طریقہ کار ہے کہ جو مراعات
و اصلاحات ایک ہاتھ سے دیتے ہیں دوسرے ہاتھ سے واپس لے لیتے ہیں۔
لینن نے ایک طرف اقتصادی آزادی دی تو دوسری طرف آزادی تحریر و تقریر اور
حکومت کی تجاویز پر نکتہ چینی کو سختی سے روکا نیز محکمہ انصاف کے کمیسار کو تحریر کیا
کہ چند عہدے داروں پر جن کا طریقہ کار حکومت کی پالیسی کے خلاف ہو ان پر سیاسی
مقدمے چلا دیئے جائیں۔

سنہ ۱۹۲۱ء میں ٹریڈ یونین کانگریس کا اجلاس ہوا۔ مرکزی کمیٹی نے ایک مختصر سی کمیٹی اس اجلاس کی رہبری کے لئے منعقد کردی۔ سیاسی دنیا میں جبر و قہر کو رہبری و رہنمائی اور قتل و جلا وطنی کو استیصال کہکر پکارا جاتا ہے۔ اس کمیٹی کا پوشیدہ مقصد ٹریڈ یونین کے اجلاس میں حکمران طبقہ کی مفید مطلب تجاویز منظور کرانا تھا لیکن باوجود اس کمیٹی کی سعی کے حکومت کے مفید مطلب تجاویز منظور نہ ہوسکیں۔ اس کے برخلاف کانگریس کو ریا زانوف کی مخالف تجویز پسند آئی۔ مخالف تجویز کے منظور ہونے کی خبر پاکر حکومت نے ٹریڈ یونین کے صدر ٹوسکی سے ریا زانوف کی تجویز کو مسترد کرنے اور حکومت کی مجوزہ تجویز کو منظور کرانے پر اصرار کیا لیکن ٹوسکی کی بدقسمتی کہ وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ ٹوسکی کی اس "نااہلیت" پر حکومت سخت خشمناک ہوئی۔ حکومت نے نہ صرف بیرو کا "استیصال" کردیا بلکہ ٹوسکی کو ترکستان اور ریا زانوف وغیرہ کو غیر ملک میں عہدے دے کر حکومت کے سیاسی مرکز سے ان کا اخراج کردیا۔ اس کے بعد ایک اور رہبر کمیٹی اسٹالین اور ڈینیر رڈ ٹنگی کی سرگردی میں عالم وجود میں لائی گئی جس نے پس پردہ کانگریس کے ممبروں کو "استیصال" کا خوف دلا کر حکومت کی مجوزہ تجویز منظور کرائی۔ G.P.U. (مسلح خفیہ پولیس) کے افسر ٹریڈ یونین کے بے دست و پا ممبروں سے ہر قسم کی تجویز منظور کرا سکتے تھے۔ لینن اور ٹروٹسکی اس جبر و قہر سے تجاویز منظور کرانے میں کامیاب ضرور ہو جاتے تھے لیکن ان کو یہ خبر نہ تھی کہ ان کی یہ مثال آئندہ چل کر ایک ایسا مہیب مسئلہ پیدا کردے گی جس کو وہ حل نہ کرسکیں گے۔ لینن و ٹروٹسکی کے اس طریقہ کار سے جمہوریت فنا اور حکمران طبقہ میں چنگزیت آتی جا رہی تھی۔ حکمران طبقہ اپنے قائدوں کی مثال سے متاثر ہو کر تدبیر و تفکر سے زیادہ جبر و قہر کو سراہنے لگا تھا اور بولشیوک پارٹی میں سے اتنی کثیر تعداد میں ممبروں کا اخراج کردیا گیا تھا

کہ ۱۹۲۲ء تک جب گیارہویں کانگریس کا اجلاس ہوا بولشیوک پارٹی کے ممبر ۷۳۰۰۰ سے کم ہوکر ۵۰۰۰۰۰ ۲۱ رہ گئے تھے۔ جن ممبروں کا اخراج کیا گیا ان میں کچھ واقعی اخراج کے قابل تھے چونکہ وہ انفرادی مفاد کی خاطر ملک کی حکمران پارٹی کے ممبر بن گئے تھے اور اشتراکی دستور کو کامیاب بنانے کی بجائے ان کا مطمح نظر اپنی ذاتی خوشحالی و فارغ البالی تھا اس لئے ان کا پارٹی سے خارج کر دینا ہی بہتر تھا لیکن ان کے ساتھ ساتھ بہت بڑی تعداد میں ان پارٹی ممبروں کا بھی اخراج کر دیا گیا جو خود دار، بیدار، سیاسی و اقتصادی حالات کو سمجھنے والے اور پارٹی کے غلط اقدام پر نکتہ چینی کرنے والے تھے اس طرح سے اگرچہ حکمران طبقہ نے اپنے آپ کو آئندہ تنقید سے بچا لیا لیکن کم فہم ممبروں میں یہ خیال بھی پیدا کر دیا کہ مقصد براری کے لئے ہر عمل جائز ہے۔ پارٹی سے اخراج۔ دور دراز اور غیر ممالک کو معترضین کے تبادلے اور ان پر سیاسی مقدمے، یہ تین تخریبی ہتھیار لینن اور ٹروٹسکی نے اول اول خود استعمال کئے جن کے آئندہ چل کر وہ خود شکار ہو گئے۔

گیارہویں کانگریس میں لینن کی تجویز پر اسٹالین پارٹی کا سکریٹری مقرر کر دیا گیا۔ اس تقرر کے سلسلہ میں ٹروٹسکی لکھتا ہے:۔

"اسٹالین کی جن خصوصیات نے لینن کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا وہ اس کی مستقل مزاجی اور طریقہ کار تھا جو کہ عیاری ہے۔ لیکن آخر کار لینن کو بھی اسٹالین کے محدود سیاسی زاویہ نگاہ اور اس کی غیر لطیف فطرت و بے ضمیری کا اعتراف کرنا پڑا۔"

جو کچھ بھی بعد میں ہوا اس کا ذکر آئندہ آئے گا لیکن اس امر میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ لینن ۱۹۲۲ء میں اسٹالین کو آلہ کار بنا کر اپنی تدابیر کا اجرا کر رہا تھا اور اس طرح اسٹالین کو وہ عملی تعلیم مل رہی تھی جس نے آئندہ چل کر اس کو سوویٹ روس کا

کامیاب حکمران بنا دیا۔ یہ آخری کانگریس تھی جس میں بظاہر جمہوری طریقہ پر کارروائی ہوئی اور مخالفین کو اظہار خیال کا موقع ملا لیکن اس کانگریس کے اجلاس میں جب حکمران طبقہ نے اپوزیشن پارٹی بنانے کی تجویز کو اپنے اثر سے منسوخ کرا دیا اسی وقت پارٹی کے بیدار مغز سمجھ گئے کہ آزادیِ تحریر و تقریر ختم ہو گئی۔ اس کانگریس میں ریازانوف نے حکمران طبقہ پر تنقید کرتے ہوئے کہا:۔

"انگلستان کی پارلیمنٹ مرد کو عورت میں تبدیل کرنے کے علاوہ سب کچھ کر سکتی ہے لیکن ہماری مرکزی کمیٹی اس درجہ معجز نما اور قوی ہے کہ اس نے متعدد شدید انقلابی افراد کو خواتین میں تبدیل کر دیا اور لطف یہ ہے کہ اس قسم کی خواتین کی تعداد ہر روز بڑھ رہی ہے۔"

سٹاکوف نے آزادیِ تحریر و تقریر کی حمایت کرتے ہوئے کہا:۔

"ہمیں یہ آزادی ہونی چاہیئے کہ لینن جو کچھ کل کہہ چکا ہے اس کو آج دہرا سکیں۔"

ایک اور ممبر نے طعن سے کہا:۔

"اب مشین گن کے ذریعہ سے امور سمجھائے جانے لگے ہیں۔"

اس کانگریس میں حکمران طبقہ کے انتظامی پہلو پر تنقید کرتے ہوئے خود لینن نے کہا:۔

"سوویٹ روس کے دارالسلطنت میں یہ کیونکر ممکن ہوا کہ مریہ کے کنسٹریکٹ کے متعلق دو مرتبہ تحقیقات ہوئی۔ مرکزی کمیٹی کے دو ممبروں کیمونیف اور کراسن کو دخل دینا پڑا اور سیاسی بیرو کے حکم کی ضرورت ہوئی۔"

تبادلوں، سیاسی مقدموں اور استیصال نے عہدیداروں کو اس درجہ خوفزدہ

کر دیا تھا کہ وہ کسی مسئلہ میں فیصلہ دینے سے گھبراتے تھے۔ ان کو ہمیشہ یہ خوف دامنگیر رہتا تھا کہ کہیں ان کا فیصلہ اکابر بولشیوک کی مرضی کے خلاف نہ ہو اور ان کا استیصال نہ کر دیا جائے۔ جہاں جمہوریت ختم اور انصاف کی بجائے سیاسی چنگزیت رونما ہو جائے وہاں انسان اپنے فہم اور قوتِ فیصلہ سے کام نہیں لیتا بلکہ اپنی زندگی کے خوف سے کسی امر کی ذمہ داری لینے سے اغماض کرتا ہے۔ لینن کے طریقہ کار نے یہ حالات پیدا کر دیئے تھے کہ معمولی امور کے فیصلہ کے لئے ان اکابرین کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا جن کو استیصال کا خوف نہ تھا اس تنقید کے بعد لینن نے کہا:۔

"شاید ہماری سیاسی مشین خراب ہے لیکن جو انجن پہلی مرتبہ بنایا گیا تھا وہ بھی خراب تھا۔ امید افزا امر یہ ہے کہ حکومت کرنے کے لئے پرولتاری مشین ایجاد ہو گئی"

اول تنقید کی، اس کے بعد حکمران طبقہ کے لئے موجودہ رویہ برقرار رکھنے کے لئے حجت بھی پیش کر دی یہ لینن کا خاص طریقہ کار تھا۔ ایک مرتبہ سیاسی مشین کی خامی کے متعلق مرکزی کمیٹی کے برخاست شدہ سکرٹری نے کہا:۔

"کامریڈ اسٹالین کی مثال لیجئے وہ سیاسی بیرو۔ انتظامی بیرو اور دیگر غیر معروف کمیٹیوں کا ممبر اور دو محکموں کا کمیسار ہے کیا واحد انسان کے لئے اتنا کام کرنا ممکن ہے"

لینن نے جواب دیتے ہوئے کہا:۔

"ہمارے یہاں معقول کارکنوں کی کمی ہے ہر ادارے میں ایک ایسا کارکن ضرور ہونا چاہیئے جو فیصلہ کن حکم دے سکے۔ اسٹالین کے علاوہ کونسا ایسا شخص ہے کیا کامریڈ مجھے بتائیں گے"

واقعہ یہ تھا کہ سوویٹ روس کے طول و عرض میں معدودے چند ہی ایسے

افراد تھے جن کو استیصال کا خوف نہ تھا اور دراصل وہی کسی امر کے متعلق فیصلہ کن رائے رکھ سکتے تھے اور اس پر عمل پیرا ہو سکتے تھے اگرچہ مسلح خفیہ پولیس (جو حسن بن صباح کی سیاسی جماعت کی طرح ایک خفیہ طاقتور جماعت ہے) کا صدر اسٹالین کا دوست پولش یہودی ڈیزرزنسکی تھا لیکن اسٹالن خود بھی سیاسی بیرو کی طرف سے G.P.U. کے مرکزی ادارے کا ممبر تھا۔ G.P.U. کے مرکزی ادارے کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اسٹالین کو استیصال کا خوف نہیں ہو سکتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ ہر امر میں فیصلہ دے سکتا تھا جبر و قہر کے دور میں وہی انسان فیصلہ صادر کر سکتا ہے جس کو استیصال کا خوف نہ ہو۔ جمہوریت کو تباہ کر دینے سے بظاہر کامیابی ہوتی معلوم ہوتی ہے لیکن جبر و قہر آئندہ کے لئے سیاسی خرابیاں پیدا کر دیتے ہیں جن کا احساس کچھ عرصے بعد ان کے نمو پا جانے پر ہوتا ہے۔ لینن نے کورنسٹنڈ کی بغاوت سے متاثر ہو کر جمہوریت و آزادی تحریر و تقریر کو سلب کرنا اور جبر و قہر کی تائید تو کرنی شروع کر دی لیکن شاید اس کی نظر اس طریقہ کار کی تخریبی پہلو پر نہیں گئی اور اگر گئی بھی تو یہ خیال کر کے کہ فی الحال جبر و قہر سے کام لیں بعد ازاں اس کا تدارک کر دیا جائے گا وہ مصلحتاً خاموش رہا۔ اگر انسانی زندگی کو اتنی فرصت مل جایا کرتی کہ وہ اپنی تمام تدابیر و مصالح ختم کرنے کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا کرتی اس حالت میں شاید اس خاکدان کی حالت بہتر ہوتی لیکن اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ مصلحین اپنی تمام تدابیر کے پورا کرنے سے قبل ہی اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں اور اپنے دل کی آرزو دل ہی میں لے جاتے ہیں۔

یورپ میں اشتراکی اثرات کی فتح و شکست

پہلی جنگ عظیم کے بعد صرف انقلابی روس ہی نے جامۂ سرمایہ داری کے گریبان کو تار تار نہیں کیا بلکہ متعدد ممالک کے بسمل جمہور کے دستِ جنون اپنی اپنی حکومتوں کے سرمایہ دارانہ پیراہن کی دھجیاں اُڑانے میں سرگرم ہو گئے۔ قطع نظر اس امر کے کہ کشتگانِ ظلم و ستم کو ان کے مقصد میں کامیابی ہوئی یا ناکامی ۱۹۱۷، ۱۹۱۸ء میں دنیا دو گروہوں میں منقسم تھی ایک وہ جو سرمایہ داری کو برقرار رکھنا اور دوسرا وہ جو اس بوسیدہ نظام کو بدلنا چاہتا تھا۔ لینن اور اس کے ہمنوا شرکار کے بین الاقوامی انقلابی نعرہ کا پس منظر پیش کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مختلف ممالک میں جو انقلابی رجحانات رونما ہوئے ان کا اختصار سے ذکر کر دیا جائے۔

برطانیہ و فرانس:- یہ ایک سیاسی کلیہ ہے کہ جنگ کے اختتام کے بعد فاتح ممالک انقلابی حالات سے بہت کم متاثر ہوتے ہیں اس سیاسی استحکام کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ مفتوح ممالک کو لوٹ کر اپنے ملک کے جمہور کی اقتصادی حالت نسبتاً بہتر کرنے میں جلدی کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جمہور کو آسائش نصیب ہو جانے پر انقلابی عناصر کی سعی بے سود ہو جاتی ہے

لیکن پہلی جنگِ عالم کے بعد انقلابی موج اتنی تیزی و توانائی سے بڑھی کہ فاتح ممالک بھی اس کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ہر انقلابی تحریک کسی ملک کے خاص حالات سے متاثر ہوتی ہے۔ انگلستان میں انقلابی تحریک جمہور کے اس مطالبہ میں ظاہر ہوئی کہ ملک کی تمام بالغ آبادی کو دستور ساز اداروں میں انتخابات میں رائے دہندگی کا حق ملنا چاہیئے۔ اس مطالبہ کی پشت پر یہ منطق تھی کہ ملک میں غریب اور مزدور طبقہ اکثریت میں ہے، عوام کو حق رائے دہندگی مل جانے کا یہ اثر ہوگا کہ پارلیمنٹ میں مزدور طبقہ اکثریت میں آجائے گا اور اس طرح آئینی طور پر سرمایہ دارانہ نظام کو بدلنا ممکن ہو جائے گا۔ جمہور کو اس جدوجہد میں کامیابی ہوئی اور ۱۹۱۸ء میں پارلیمنٹ کے ایک بل کی منظوری کے ذریعہ سے رائے دینے کا حق قریب قریب ہر بالغ باشندے کو مل گیا۔ اس جدید اصلاح کا یہ اثر ہوا کہ مزدور جماعت کے کثیر ممبر پارلیمنٹ کے انتخابات میں کامیاب ہو گئے اور لیبر پارٹی سرکاری طور پر حزب اختلاف داپوزیشن پارٹی) تسلیم کر لی گئی۔ رائے دہندگی کا حق عام ہونے کا دوسرا اثر یہ ہوا کہ آئرلینڈ کی انقلابی پارٹی سن فن کے ممبر پارلیمنٹ میں منتخب ہو کر آ گئے اور انھوں نے آئرلینڈ کی آزادی کے لئے پہلے سے زیادہ شدید اور مؤثر طریقہ پر جدوجہد شروع کر دی۔ ان کی قربانی و ایثار کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۹۲۱ء میں آئرلینڈ کی خودمختاری تسلیم کر لی گئی۔ آج کل ڈیولرا اس جمہوریت کے صدر ہیں اور جس بیدار مغزی اور دلیری سے وہ قومی وقار کو مستحکم کر رہے ہیں اس کی مثال عصر حاضر کی اسلامی تاریخ میں بھی نہیں ملتی۔ اس زمانہ میں انگلستان میں بے روزگاروں کی تعداد بیس لاکھ تک پہونچ گئی تھی اور سیاسی بےچینی جو بے روزگاری کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے اپنی پوری تندہی کے ساتھ عیاں تھی۔ ان مساعد حالات میں اگر انگلستان کی مزدور جماعت دور اندیشی اور سیاسی فہم سے کام لیتی تو اس کا برسر اقتدار آ کر اشتراکی نظام کا اجرا زیادہ

دشوار نہ ہوتا۔

پہلی جنگ کے بعد نہ صرف یہ کہ فرانس کے وقار کا خورشید نصف النہار پر پہنچا بلکہ اس ٹرند لم پزلی کے خزانے بھی طلا و نقرہ سے معمور ہو گئے تھے لیکن آبادی میں پہلے کی نسبت بیس لاکھ سے بھی زیادہ کمی واقع ہو گئی تھی اور پیدائش کے اعداد و شمار سے صاف ظاہر تھا کہ اگر بعد میں بھی یہ کمی قائم رہی تو فرانسیسی قوم چند صد سال میں خود بخود نیست و نابود ہو جائے گی۔ دوران جنگ میں سب سے زیادہ تباہی شمالی فرانس پر آئی۔ یہ حسین خطہ جرمنی اور فرانس کا میدان جنگ بنا اور جو فریق بھی پسپا ہوا وہ ہر شئے کو تاخت و تاراج کرتا ہوا پیچھے ہٹا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں شمالی فرانس ایک وسیع ویرانہ معلوم ہوتا تھا اور بس۔ جنگ کے فوراً بعد فرانس نے کثیر قرضہ لے کر شمالی فرانس کی خاص طور پر اور کل فرانس کی عام طور پر بہت بڑے پیمانہ پر اس امید پر تعمیر شروع کر دی کہ جرمنی سے جو تاوان جنگ وصول ہو گا اس سے قرضہ ادا کر دیا جائے گا۔ لیکن تجربہ نے یہ بتایا کہ جرمنی تاوان جنگ ادا کرنے سے قاصر رہا۔ اس وجہ سے فرانس کا مالیہ کبھی متوازن نہ ہو سکا اور اس ملک کے سیاسی بحر میں طوفان ہی آتے رہے۔ آئے دن کابینہ بدلتی رہتی تھی۔ جب تیزی سے اشتراکی پارٹی کے ممبروں کی تعداد فرانس کی پارلیمنٹ میں بڑھی اس سے وہاں کے جمہور کے انقلابی رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔

اطالیہ:۔ اگرچہ اطالیہ فاتح ممالک میں سے تھا اور یہاں انقلابی رجحانات کو زیادہ قوی نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن اس سرزمین پر غیر متوقع حالات ظہور میں آئے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اطالیہ کی اقتصادی حالت بہت خراب تھی۔ حکومت کا خرچ اس کی آمدنی سے بہت زیادہ تھا چونکہ جنگ کے دوران میں صنعت و حرفت تباہ اور مشینیں وغیرہ زیادہ

استعمال سے ناکارہ ہوگئیں تھیں اسلئے جو سپاہی میدان جنگ سے واپس ہو رہے تھے حکومت ان کے لئے کوئی کام مہیا نہیں کرسکتی تھی۔ جنگ کے بعد مسلح بیروزگار سپاہی حکومت کے لئے پیام مرگ ثابت ہوتے ہیں۔ تنخواہوں اور اجرتوں میں معمولی اضافہ ہوا لیکن ضروریات زندگی کی قیمتیں کئی گنی زیادہ گراں ہوگئیں تھیں ان حالات میں یہ تعجب خیز ہوتا اگر انقلابی رجحانات رونما نہ ہوتے۔ اطالیہ میں اشتراکی پارٹی نمودار ہوگئی اور اس نے بولشیوک کی تقلید شروع کردی۔ ملک کے طول و عرض میں اقتصادی زندگی کے ہر شعبہ میں ہڑتالیں اور ہنر آزمائیاں ہونے لگیں۔ اس جدوجہد کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۱۹۱۹ء میں جب اطالوی پارلیمنٹ کے انتخابات ہوئے ان میں پہلے سے دو چند اشتراکی ممبر کامیاب ہوئے اور حکومت کے تمام محکموں میں اشتراکی پارٹی کے ممبر عہدہ دار مقرر کردئے گئے۔ شمالی اطالیہ میں اشتراکیوں نے متعدد مقامات پر انتخابات کے ذریعہ سے میونسپلٹیوں پر قبضہ کرلیا۔ اطالیہ میں اشتراکی رجحانات کی کامیابی کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ ستمبر ۱۹۲۰ء میں انقلابی مزدوروں نے دیہات کے کارخانوں پر قبضہ کرکے ان کی تنظیم اشتراکی اصولوں پر کردی۔ جزیرہ سسلی میں غریب کسانوں نے امیر زمینداروں کی آراضیات پر زبردستی قبضہ کرلیا۔ اس زمانہ میں اگرچہ فسطائی پارٹی نمودار ہوگئی تھی لیکن وہ ہنوز اشتراکی پارٹی کی نسبت اقلیت میں تھی۔

جرمنی :۔ جرمنی میں ابتدا ہی سے تمام سیاسی جماعتیں پہلی عالمگیر جنگ کی تائید میں نہیں تھیں۔ ۱۹۱۵ء میں جرمن پارلیمنٹ میں متعدد سوشل اشتراکی ممبروں نے کارل لیبنج کی تقلید کی اور جنگ کے لئے مالیہ کے مطالبہ کی منظوری کے خلاف رائے دی۔ کچھ عرصے بعد جنگ کی مخالفت اس درجہ بڑھی کہ سوشل ڈموکریٹ جماعت دو مختلف الخیال پارٹیوں میں منقسم ہوگئی

ان میں ایک گروہ جنگ کا حامی تھا اور دوسرا مخالف۔ جنگ کی مخالف پارٹی کے قائد کارل لیبنخ اور روزا لکسمبرگ تھے ان دونوں قائدین کی انقلابی جدوجہد جاری تھی کہ ۱۹۱۶ء میں اتحادیوں کی اقتصادی ناکہ بندی نے جرمنی کے سامنے موت لا کھڑی کی۔ اشیائے خوردنی کے فقدان نے لاکھوں جرمنوں کو موت کی آغوش میں سلا دیا۔ جو زندہ تھے ان کو بھی حیوانوں کی خوراک میسر آتی تھی۔ البتہ امیر طبقہ غیر آئینی طور پر اپنی دولت و تعلقات کے اثر سے زیادہ پریشان نہ تھا اور خوراک مہیا کر لیتا تھا۔ فوجی محاذ کا حال خوراک کے محاذ سے زیادہ زبون تھا۔ لاکھوں جرمن سپاہی جانیں قربان کر رہے تھے لیکن کامیابی دور ہوتی جاتی تھی۔ ان حالات میں ملک کے طول و عرض میں سیاسی اضطراب پیدا ہو جانا لازمی تھا۔ ۱۹۱۸ء میں قریب پانچ لاکھ مزدوروں نے صلح کی تائید میں ہڑتال کی۔ جرمن حکومت کی کم فہمی دیکھئے کہ اس نے ان باغی مزدوروں کو سزا کے طور پر محاذ پر روانہ کر دیا جہاں پہنچ کر انھوں نے بغاوت کے جراثیم فوج میں داخل کر دئے۔ جب متواتر شکستیں ہو رہی ہوں بغاوت کے جراثیم بہت سرعت سے تمام فوج کو روحانی بیماری میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ حکومت کی اس قسم کی تخریبی تدابیر سے داخلی بے چینی تو فرو نہیں ہوئی البتہ محاذ پر بدنظمی پھیل گئی۔ جرمنی کے شکست کھا جانے پر جمہور نے جنگ کی تمام ذمہ داری حکومت پر ڈال دی۔ ۲۹ اکتوبر کو اشتراکی پارٹی نے قیصر ولیم سے تخت و تاج سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کر دیا اور بہت سرعت سے شہر اور دیہات میں اشتراکی ادارے قائم کرنے شروع کر دئے۔ ہر مقام پر ملاحوں، سپاہیوں، مزدوروں کی کونسلیں وجود میں آنے لگیں اور انھوں نے اپنے افسروں کو برطرف کر کے حکومت کا کاروبار اپنے ہاتھ میں لینا شروع کر دیا۔ بلوریا سے بھی قیصر کے خلاف وہی صدا اٹھی جو پرُوشا سے اٹھی تھی اس فوجی مرکز میں بھی انقلابی عناصر کی کونسلیں تشکیل کی جانے لگیں۔ جب قیصر ولیم کو یہ یقین ہو گیا کہ اشتراکی رجحانات

پر فتح پانی ناممکن ہے تو وہ ہولینڈ فرار ہو گیا۔ جرمنی میں اشتراکی حکومت قائم ہو گئی لیکن چند روز بعد یہاں بھی مجلس دستور ساز کے انعقاد۔ کابینہ کی نشستوں کے تعین اور حکمران اداروں کی تشکیل پر اختلافات رونما ہونے شروع ہو گئے۔ اس زمانہ میں اگر کوئی بیدار مغز قائد جرمنی میں موجود ہوتا تو یہاں بھی اشتراکی نظام قائم ہو جاتا۔

آسٹریا:۔ آسٹریا کی تاریخ میں ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۸ء اس لئے یادگار ہے کہ اس روز ملک کے دار العوام نے شہنشاہیت کے خاتمہ کا اعلان کرنے کے بعد عارضی حکومت قائم کی۔ ۱۲ نومبر کو انقلابیوں نے وائنا میں بغاوت کی اور عارضی حکومت کو مجبور کیا کہ وہ آسٹریا کو جمہوری نظام دے۔ لیکن دنیا کے کسی خطہ کو جمہوریت کہکر پکارنے سے اس کی اقتصادی مشکلات حل نہیں ہوا کرتیں۔ آسٹریا اور ہنگری دونوں کی پیداوار مل کر ملکی و قومی ضرورتوں کے لئے تو کافی تھی لیکن تنہا آسٹریا میں غلہ کی پیداوار اتنی کم ہوتی تھی کہ بغیر غلہ کی درآمد کئے کل آبادی کو زندہ رکھنا غیر ممکن تھا۔ غلہ کی درآمد کا انتظام نہ ہو سکا اور کچھ ہی عرصے بعد خوراک کی کمی کی وجہ سے ملک میں حالات نہایت نازک ہو گئے۔ اجناس گراں ہونی شروع ہو گئیں اور سکہ کی قیمت اتنی گر گئی کہ ٹیکس کی رقم حکومت کا کاروبار جاری رکھنے کے لئے بہت ناکافی ثابت ہونے لگی۔ جمہور میں اشیاء کے خریدنے کی استطاعت نہ رہی تو صنعت و حرفت دم توڑنے لگی۔ اقتصادی پیچیدگیاں سیاسی الجھنوں کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہیں۔ اقتصادی حالات کی نزاکت نے سیاسی حالات کو بھی نازک بنا دیا۔ ایسے حالات انقلابی جماعتوں کے لئے سازگار ہوتے ہیں چنانچہ اشتراکی جماعتوں نے ان حالات سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اگرچہ انقلابی عناصر اپنی مستحکم حکومت قائم نہ کر سکے تاہم انقلابی عناصر مدت تک

ان میں ایک گروہ جنگ کا حامی تھا اور دوسرا مخالف۔ جنگ کی مخالف پارٹی کے قائد کارل لیبنخ اور روزا لکسمبرگ تھے ان دونوں قائدین کی انقلابی جد و جہد جاری تھی کہ ۱۹۱۶ء میں اتحادیوں کی اقتصادی ناکہ بندی نے جرمنی کے سامنے موت لاکھڑی کی۔ اشیائے خوردنی کے فقدان نے لاکھوں جرمنوں کو موت کی آغوش میں سلادیا۔ جو زندہ تھے ان کو بھی حیوانوں کی خوراک میسر آتی تھی۔ البتہ امیر طبقہ غیر آئینی طور پر اپنی دولت و تعلقات کے اثر سے زیادہ پریشان نہ تھا اور خوراک مہیا کرلیتا تھا۔ فوجی محاذ کا حال خوراک کے محاذ سے زیادہ زبون تھا۔ لاکھوں جرمن سپاہی جانیں قربان کر رہے تھے لیکن کامیابی دور ہوتی جاتی تھی۔ ان حالات میں ملک کے طول و عرض میں سیاسی اضطراب پیدا ہوجانا لازمی تھا۔ ۱۹۱۸ء میں قریب پانچ لاکھ مزدوروں نے صلح کی تائید میں ہڑتال کی۔ جرمن حکومت کی کم فہمی دیکھئے کہ اس نے ان باغی مزدوروں کو سزا کے طور پر محاذ پر روانہ کردیا جہاں پہونچکر انھوں نے بغاوت کے جراثیم فوج میں داخل کردئے۔ جب متواتر شکستیں ہورہی ہوں بغاوت کے جراثیم بہت سرعت سے تمام فوج کو روحانی بیماری میں مبتلا کردیتے ہیں۔ حکومت کی اس قسم کی تخریبی تدابیر سے داخلی بے چینی تو فرو نہیں ہوئی البتہ محاذ پر بدنظمی پھیل گئی۔ جرمنی کے شکست کھاجانے پر جمہور نے جنگ کی تمام ذمہ داری حکومت پر ڈال دی۔ ۲۹ اکتوبر کو اشتراکی پارٹی نے قیصر ولیم سے تخت و تاج سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کردیا اور بہت سرعت سے شہر اور دیہات میں اشتراکی ادارے قائم کرنے شروع کردئے۔ ہر مقام پر ملاحوں، سپاہیوں، مزدوروں کی کونسلیں وجود میں آنے لگیں اور انھوں نے اپنے افسروں کو برطرف کرکے حکومت کا کاروبار اپنے ہاتھ میں لینا شروع کردیا۔ بلویریا سے بھی قیصر کے خلاف وہی صدا اُٹھی جو پروشا سے اٹھی تھی اس فوجی مرکز میں بھی انقلابی عناصر کی کونسلیں تشکیل کی جانے لگیں۔ جب قیصر ولیم کو یہ یقین ہوگیا کہ اشتراکی رجحانات

بر فتح پانی ناممکن ہے تو وہ ہولینڈ فرار ہو گیا۔ جرمنی میں اشتراکی حکومت قائم ہو گئی لیکن چند روز بعد یہاں بھی مجلس دستور ساز کے انعقاد۔ کابینہ کی نشستوں کے تعین اور حکمران اداروں کی تشکیل پر اختلافات رونما ہونے شروع ہو گئے۔ اس زمانہ میں اگر کوئی بیدار مغز قائد جرمنی میں موجود ہوتا تو یہاں بھی اشتراکی نظام قائم ہو جاتا۔

آسٹریا:۔ آسٹریا کی تاریخ میں ۲۱ اکتوبر ۱۹۱۸ء اس لئے یادگار ہے کہ اس روز ملک کے دار العوام نے شہنشاہیت کے خاتمہ کا اعلان کرنے کے بعد عارضی حکومت قائم کی۔ ۱۲ نومبر کو انقلابیوں نے وائنا میں بغاوت کی اور عارضی حکومت کو مجبور کیا کہ وہ آسٹریا کو جمہوری نظام دے۔ لیکن دنیا کے کسی خطہ کو جمہوریت کہکر پکارنے سے اس کی اقتصادی مشکلات حل نہیں ہوا کرتیں۔ آسٹریا اور ہنگری دونوں کی پیداوار مل کر ملکی و قومی ضرورتوں کے لئے تو کافی تھی لیکن تنہا آسٹریا میں غلہ کی پیداوار اتنی کم ہوتی تھی کہ بغیر غلہ کی درآمد کئے کل آبادی کو زندہ رکھنا غیر ممکن تھا۔ غلہ کی درآمد کا انتظام نہ ہو سکا اور کچھ ہی عرصے بعد خوراک کی کمی کی وجہ سے ملک میں حالات نہایت نازک ہو گئے۔ اجناس گراں ہونی شروع ہو گئیں اور سکہ کی قیمت اتنی گر گئی کہ ٹیکس کی رقم حکومت کا کاروبار جاری رکھنے کے لئے بہت ناکافی ثابت ہونے لگی۔ جمہور میں اشیاء کے خریدنے کی استطاعت نہ رہی تو صنعت و حرفت دم توڑنے لگی۔ اقتصادی پیچیدگیاں سیاسی الجھنوں کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہیں۔ اقتصادی حالات کی نزاکت نے سیاسی حالات کو بھی نازک بنا دیا۔ ایسے حالات انقلابی جماعتوں کے لئے سازگار ہوتے ہیں چنانچہ اشتراکی جماعتوں نے ان حالات سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اگرچہ انقلابی عناصر اپنی مستحکم حکومت قائم نہ کر سکے تاہم انقلابی عناصر مدت تک

قومی زندگی میں سرگرمی دکھاتے رہے۔

ہنگری :- شکست خوردہ ملک میں انقلابی حالات پیدا ہو جانے لازمی ہوتے ہیں ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو شہنشاہ ہنگری کی مرضی کے خلاف کاؤنٹ میکائیل نے ایک فوجی کونسل تشکیل کرلی جس نے صلح کا اعلان کر دیا۔ اس کارروائی کے بعد پارلیمنٹ کو برخاست کرکے تمام عوام کو حق رائے دہندگی دیدیا۔ ۱۳ نومبر کو شہنشاہ چارلس نے سلطنت سے دست برداری اختیار کرلی اور ۱۶ نومبر کو ہنگری جمہوریت قرار دیدی گئی۔ کاونٹ میکائیل نے ابھی حالات پر پوری طرح قابو نہ پایا تھا کہ ہنگری میں بلاکن نامی ایک شخص وارد ہوا۔ ابتدائی عمر میں یہ کسی بیمہ کمپنی کا ایجنٹ تھا۔ پھر روس چلا گیا جہاں کچھ عرصے مقید بھی رہا جب ہنگری میں انقلابی حالات رونما ہوئے تو بلاکن ایک جعلی پروانہ راہداری لے کر ہنگری آ گیا اور بولشیوک کے قدم بقدم ایک اشتراکی تحریک جاری کردی۔ اس تحریک کو بہت ہی تھوڑے عرصے میں اتنی زبردست کامیابی ہوئی کہ کاونٹ کو مستعفی ہونا پڑا اور ۲۱ مارچ ۱۹۱۹ء کو ہنگری میں ایک اشتراکی حکومت برسر اقتدار آ گئی۔ طاقت پر قبضہ کرتے ہی تو خیر حکومت نے فوج کی تنظیم شروع کردی۔ روس سے رشتہ یگانگت قائم کرکے متوسط طبقہ کو غیر مسلح اور ملک میں اشتراکیت کا اجرا کردیا ملک کی تمام معدنیات فیکٹریاں۔ بینک۔ گرجا کی اراضی وغیرہ قومی ملکیت قرار دیدی گئیں۔ اندرونی و بیرونی تجارت صرف حکومت کا حق قرار پایا چند روز بعد متوسط طبقہ کے افراد کی گرفتاریاں عمل میں آنے لگیں اور ان کے اخبارات بند کردئے گئے مختصر یہ کہ ہنگری میں اشتراکی حکومت قائم ہوگئی۔

رومانیہ :- جب روس اور ہنگری میں اشتراکی نظام برسر اقتدار آیا تو رومانیہ بھی متاثر

ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جمہور کے مطالبہ پر وہاں بھی بڑے بڑے جاگیرداروں اور زمینداروں کی اراضیات کو غریب کاشتکاروں میں تقسیم کر دیا گیا ۱۹۲۰ء میں ایک قانون نافذ ہوا جس کی رو سے جو جاگیردار خود کاشت نہیں کرتے تھے اور غیر ممالک میں تفریحات کرتے پھرتے تھے ان کی اراضیات ضبط کر لی گئیں۔

مندرجہ بالا حالات اگرچہ نہایت مختصر ہیں تاہم ان سے یہ ضرور ظاہر ہو جاتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد یورپ کے طول و عرض میں اشتراکیت کی دیوی مسکراتی پھر رہی تھی اور اس کا تبسم جمہور کو گرویدہ کر رہا تھا۔ یہی وہ حالات تھے جن کے ماتحت لینن و ٹروٹسکی عالم میں انقلاب ہونے کو یقینی خیال کرتے تھے۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو وہ اپنے اس اندازے میں حق بجانب تھے لیکن چونکہ روس کے علاوہ دیگر ممالک میں اشتراکی جماعتیں پوری طرح منظم نہیں تھیں اس لئے مندرجہ بالا انقلابی حالات مدت تک قائم نہ رہ سکے۔ کچھ عرصے بعد یورپ کے رجعتی عناصر نے انقلابی عناصر کو شکست دینی شروع کر دی۔ جو انقلابی موج آگے بڑھ رہی تھی وہ پیچھے ہٹنی شروع ہو گئی اور تمام عالم رجعتی رجحانات و تصورات سے متاثر ہونے لگا۔ روس بھی اس کم مایہ جہاں کا ایک حصہ ہے وہاں بھی یہ عالمگیر رجعتی موج بڑھی۔ رجعتی رجحانات کے توانا ہونے کا مغربی یورپ پر تو یہ اثر ہوا کہ وہاں سرمایہ دارانہ، فسطائی و نازی عناصر غالب آ گئے لیکن روس اس انداز سے متاثر ہوا کہ وہاں ترقی پسند اشتراکی عناصر یعنی لینن اور ٹروٹسکی اور ان کے ہم خیال خرکار کار کو شکست اور نسبتاً رجعتی اشتراکی اسٹالین اور اس کے حواریین یعنی روس کے موجودہ حکمران طبقہ کو فتح ہونی شروع ہو گئی۔ دنیا ایک وحدت ہے۔ بین الاقوامی حالات ہر ملک کی سیاست پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ فسطائی و نازی رجحانات اور طریقہ کار کو یورپ میں شکست ہو جائے اور ہندوستان میں قائدین کا گروہ ہائی کمانڈ کے نام سے پکارا جاتا رہے اور ان میں شخصی حکمرانوں کی سی

خو بو باقی ہے۔ جب بساطِ عالم پر اشتراکی رجحانات کو شکست ہوئی تو لینن اور ٹروٹسکی کی بھی شکست لازمی ہو گئی۔ اس طرح روس میں رجعتی عناصر برسرِ اقتدار آ گئے۔ اگر اشتراکی رجحانات یورپ کی سیاسی بساط پر فتحیاب ہو جاتے تو روس میں حکمران طبقہ رونما نہ ہوتا یہ بین الاقوامی تصوّر تھا جس کی بنا پر لینن وغیرہ انقلابِ روس کو انقلابِ عالم کا ایک جز خیال کرتے تھے اور اس کی حیات اور موت کا فیصلہ تمام عالم کے سیاسی رجحانات کی نوعیت سے وابستہ کرتے تھے۔ اگر روس بروقت مدد دے کر یورپ میں اشتراکیت کو شکست نہ ہونے دیتا تو وسطی یورپ میں اشتراکی انقلاب ہو جانا یقینی تھا اور وسطی یورپ میں انقلاب ہونا انقلابِ عالم کے مترادف ہوتا۔

جو صورتِ حالات پہلی جنگ عظیم کے بعد رونما ہوئی تھی وہی دوسری جنگ عظیم کے بعد آج بھی رونما ہو رہی ہے۔ جرمنی، آسٹریا، ہنگری کے حصص پر روس کا قبضہ ہے۔ پولینڈ میں موسکو کی مجوزہ حکومت قائم ہے۔ یوگوسلاویکیا میں اشتراکی مارشل ٹیٹو برسرِ اقتدار ہے۔ اٹلی کی کابینہ میں کمیونسٹ وزیر ہیں۔ بلجیم میں اشتراکی بہت قوی ہیں۔ فرانس کی میونسپلٹیوں کے انتخابات میں اشتراکی اور کمیونسٹ پارٹیوں کے ممبر بکثرت کامیاب ہو گئے ہیں۔ انگلستان میں لیبر پارٹی برسرِ اقتدار آ گئی ہے۔ چین میں اشتراکی ایک سیاسی قوت بن گئے ہیں غرض کہ دنیا کے جس گوشہ پر بھی نظر پڑتی ہے وہاں انقلابی اثرات روبہ ترقی نظر آتے ہیں۔ اگرچہ دنیا کی پرولتاری جماعت میں ہر قسم کی اہلیت موجود ہے اور اس کی انقلابی صلاحیتوں کی طرف سے کسی صورت میں بھی مایوس نہ ہونا چاہئے تاہم یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ روس کے حکمران طبقہ کی سیاست نے پرولتاری انقلاب کے بین الاقوامی اتحاد کے تخیل پر بہت کاری ضرب لگائی ہے اور اس امر کا خوف ہے کہ کہ شاید اس مرتبہ بھی بین الاقوامی سرمایہ داری کے متحدہ حملوں کی منتشر پرولتاری جماعتیں تاب نہ لا سکیں اور تاریخ پھر اپنے آپ کو دہرائے۔

حکمران طبقہ کی نشوونما

سیاسی حالات حکمران طبقہ کو وجود میں لائے اور سیاسی حالات نے ہی اس کو قوی بنایا۔ انقلاب کی اہمیت صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ معاشرہ کو گذشتہ دور کے قیود و بند سے آزادی دلا دیتا ہے لیکن جہاں تک آئندہ ترقی کا سوال ہے وہ اسی قدر ہوتی ہے جس کی اہلیت کسی معاشرہ کے افراد میں انقلاب سے قبل پیدا ہو چکی ہو انقلاب بالذّات ترقی پیدا نہیں کرتا۔ اس کا صرف یہ کام ہوتا ہے کہ وہ ان اقتصادی، سیاسی۔ معاشرتی۔ مذہبی۔ اخلاقی قیود کو توڑ دے جو معاشرہ کی زندگی پر بار بن گئی ہوں۔ بعد از انقلاب ترقی اسی حد تک ہوتی ہے جس کے امکانات انقلاب سے قبل معاشرہ میں پیدا ہو چکے ہوں۔ انقلاب روبہ ترقی رجحانات کو پیدا نہیں کرتا بلکہ پیدا شدہ روبہ ترقی رجحانات کے ارتقا کے لئے ایک وسیع فضا پیدا کر دیتا ہے۔ جب تک کہ معاشرہ کے تمام افراد ذہنی ارتقا کی بلند منزل پر پہونچ نہ جائیں انقلاب انگیز دور کے چند افراد کے پیکر تدبیر و تفکر ہونے سے آئندہ ترقی کے امکانات شگفتہ نہیں ہو جاتے۔ مدوسی جمہور فکر و عمل سے عاری ان چند نفوس کے دوش بدوش نہ چل سکے جو اشتراکی دنیا پیدا کرنا چاہتے تھے ان چند غیر معمولی دل و دماغ کے افراد نے جس نوعیت کی مزدور اکثریت قائم کرنے کی کوشش کی اس کا ذکر گزشتہ ابواب میں

آچکا ہے۔ سیاسی مرکز سے دور دراز تبادلے۔ غیر ممالک میں تعیناتی۔ پارٹی سے اخراج زر و مال کی ضبطی۔ اولاد و شریک حیات سے جدائی۔ قید سائبیریا میں جلاوطنی، استیصال یہ سب طریقے کام میں لے کر اشتراکی نظام قائم کرنے کی سعی جاری تھی۔ لینن اپنی آنکھوں سے حکمران طبقہ کی نشوونما اور اس کے طریقہ کار کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن مصلحتاً خاموش تھا۔ کورنسٹد کے ملاحوں کی بغاوت اور رجعتی عناصر کی از سر نو سیاسی جدوجہد نے اس کو جبر و قہر پر آمادہ کر دیا تھا۔ دیہات سے بولشویک کے خلاف شورش و سازشوں کی خبریں آنے پر لینن نے کہا:-

"ان سب کو قتل کر دو۔ اپیل سننے کی ضرورت نہیں۔ ان کو موت کا حکم سناؤ اور دار پہ لٹکا دو"

ایک انسان جس نے تمام زندگی انسانی ترقی کے لیے وقف کر دی ہو اور مصائب و آلام میں سالہا سال گزار کر رجعتی عناصر کو زیر کیا ہو وہ اگر جبر و قہر کرتا ہے اس میں اجتماعی مفاد مدنظر ہوتا ہے اس جبر و قہر کی نوعیت طبیب کے اس اشتر کی ہوتی ہے جو شگاف لگا کر مریض کو صحت دیتا ہے لیکن جس طرح نشتر ایک مغلوب الغضب شخص کے ہاتھ میں دوسروں کے لیے وجہ ایذا رسانی بن جاتا ہے اسی طرح جبر و قہر غیر متمدن سر برآوردہ اشخاص کے ہاتھ میں تخریبی ثابت ہوتا ہے لینن ایک متقی سیاست دان کی طرح ہنگامی جبر و قہر سے حالات پر قابو پا کر اداروں کو جمہوری رنگ دینے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن انسانی ارادہ اور اس کی تکمیل میں وقت حائل ہوتا ہے اور اس وقت میں کیا کیا امکانات پوشیدہ ہوتے ہیں کوئی نہیں جانتا۔ لینن کو یہ خبر نہ تھی کہ جبر و قہر کے راستہ پر گامزن ہونے کے بعد زندگی اس کو اتنی فرصت نہ دے گی کہ وہ اس راستہ کو بدل سکے۔ لینن کی سخت گیری حکمران طبقہ کے لئے آب حیات ثابت ہو رہی تھی چونکہ تشدد کے ذریعہ سے وہ طبقہ تمام ملک میں اپنا اثر قائم کرنے میں کامیاب

ہو رہا تھا۔ یہ حالات تھے کہ لینن پر فالج گرا اور وہ مدت کے لئے ملکی معاملات میں حصہ لینے کے ناقابل ہو گیا اس کی عدم موجودگی میں حکومتی طبقہ اپنے مفاد کے تحفظ اور اس کے استحکام میں اور بھی سرگرم ہو گیا۔ لینن کی علالت کے دوران میں بہت سے نئے اعزازات ایجاد کر دیئے گئے۔ شہروں۔ شاہراہوں۔ ہسپتالوں۔ جہازوں۔ عمارتوں کارخانوں کے نام اکابر بولشیوک کے نام پر بدل دیئے گئے۔ زارسٹن سلنے اسٹالین گریڈ نام پایا۔ ایلساوٹ گریڈ۔ زینوویف کے نام پر زینوویساک ہو گیا اور گاشیا ٹرو ٹسکی کے نام پر ٹروٹسک کہلایا جانے لگا۔ غرض وہ تمام بدعتیں جن کے تباہ کرنے پر انقلابیوں کو کسی زمانے میں ناز تھا عود کر آئیں۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ حکمران طبقہ کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ مردِ درویش (لینن) کو اس طریقہ پر خوش کرنے کی کوشش کرتا۔ قائد انقلاب کے نام پر کسی شہر کا نام نہیں رکھا گیا۔

کبھی کبھی حالات کی تیز رفتاری یہ بھی کرشمہ دکھاتی ہے کہ میکدہ سے نکلنے کے بعد دنیا بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ لینن بستر علالت سے از سر نو کرسیِ صدارت پر آیا اسکو ایک نئی دنیا نظر پڑی اور کیوں نہ پڑتی لینن کی عدم موجودگی میں یہ رجحان قوی ہو گیا تھا کہ روس میں اشتراکی نظام قائم ہو گیا ہے لہٰذا مزید سیاسی جدوجہد کی ضرورت نہیں معمولی دل و دماغ کا انسان پانچ سال کی متواتر سیاسی جدوجہد سے اکتا ہی جاتا ہے اس لئے کوئی متعجب نہیں کہ لینن کی عدم موجودگی میں حکمران طبقہ نے اپنی زندگی کو خوش حال بنانے کی کوشش شروع کر دی تھی اور ان کو ایک اکابر بولشیوک اسٹالن کو قیادت کے لئے مل گیا تھا۔ ایک اکابر بولشیوک جس کو آسانی سے رجعتی نہ کہا جا سکے وہ کسی تحریک کی سرگرمی شروع کر دے اس شکل میں اس تحریک و جماعت کی ترقی کو روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔ علالت سے اٹھ کر لینن کو حکمران طبقہ کی وسعت و غیر جمہوری رجحان کا علم ہونے پر اس نے پہلا خط جو سیاسی بیرو سے اسٹالین کو لکھا اس کا پہلا جملہ یہ تھا

"ہم بدعنوانیوں کے سمندر میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔"

اس زمانہ کی سیاسی حالت پر تنقید کرتے ہوئے لینن نے مختلف موقعوں پر حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا:۔

"مجھے بحیثیت صدر ہر روز اشتراکیوں کے غرور و خود نمائی کے اتنے افسانے اور دروغ بافیاں سننی پڑتی ہیں کہ طبیعت پر بار ہونے لگتا ہے اشتراکیوں میں تمدن کی کمی ہے۔ دراصل ۰۰،۷ہ حکام کمیونسٹ پارٹی کی زندگی کی تشکیل کر رہے ہیں نہ کہ کمیونسٹ پارٹی حکام کی زندگی پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ یہ مانا کہ گذشتہ زمانہ میں روس کے متوسط طبقہ کی تمدنی حالت خراب تھی لیکن اس خرابی کے باوجود وہ ہمارے ذمہ دار کمیونسٹ سے ضرور بہتر تھی۔"

"ہم سے بہت سی غلطیاں سرزد ہوئیں اور شائد بہت سی سرزد ہونا ہنوز باقی ہیں چونکہ ہماری مشین کو چلانے والے اعلیٰ افسر (حکمران طبقہ) نا اہل ہیں شایداعلیٰ عہدوں پر دس ہزار افسر ہیں مجھے درست تعداد معلوم نہیں لیکن وہ سب پارٹی کے ممبر ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں ادنیٰ افسر ہیں جو کسی زمانہ میں زار کی حکومت میں افسر ہوا کرتے تھے یہ سب اشتراکی نظام کو انفرادی مفاد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔"

"زار کے زمانہ کی سیاسی مشین ہنوز زندہ ہے ہمارا فوری کام یہ ہونا چاہیئے کہ اس کو تبدیل کریں۔"

لینن نے حسب عادت صرف تنقید ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حکمران طبقہ کے اثر کو زائل کرنے کے لئے ایک نئے ادارے کنٹرول کمیشن کی بنیاد ڈالی۔ اس ادارے میں صرف مزدور طبقہ کے نمائندہ منتخب ہو سکتے تھے جن کا یہ فرض قرار دیا گیا تھا کہ

وہ حکومتی طبقہ پر محتسبانہ نظر رکھیں اور حکومت کے عہدے داروں کا حکمران طبقہ نہ بننے دیں۔ لینن کا خیال تھا کہ مزدوروں کا خود مختار ادارہ سیاسی و انتظامی طاقت کو چند ہاتھوں میں سمٹ کر آجانے سے روکے گا۔

معاشرہ افراد سے مرکب ہوتا ہے اور افراد کا تدبر و تفکر ان کی پرہیزگاری ہی کسی دستورِ حکومت کو کامیاب بنا سکتی ہے۔ مزدوروں کا ایک علیحدہ ادارہ ضرور وجود میں آ گیا لیکن روس کے عام جمہور کی تمام کمزوریاں ان نمائندوں میں بھی تھیں جو کنٹرول کمیشن کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ جہاں انسان کا منتہائے نظر انفرادی نفع ہو وہاں ضمیر کی خریداری صرف قیمت کا سوال رہ جاتی ہے۔ حکمران طبقہ نے جو ملک کی تمام اشیا کا مالک بن گیا تھا، تیز ضروریاتِ زندگی کی فراہمی، لالچ دلا کر بہت ہی قلیل عرصے میں کنٹرول کمیشن کے ممبروں کو اپنے زیر اثر کر لیا۔ جن افراد کا احتساب چند دام میں خریدا جا سکتا ہو وہ اگر احتساب کے لئے ہزار ادارے بھی جاری کر دیں تب بھی معاشرہ کے تخریبی رجحانات کو نہیں روک سکتے۔ کنٹرول کمیشن سے جو امیدیں وابستہ تھیں ان کی ناکامی اور اپنی جسمانی صحت کے زوال نے لینن کو اس امر پر مجبور کر دیا کہ ترش صاف گوئی سے کام لے۔ حالات کا رُخ دیکھ کر لینن نے اکابر بولشیویک کی سیرت پر ایک نوٹ تحریر کیا جو بعد میں 'صحیفہ' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نوٹ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ لینن کو تخریبی رجحانات کا کامل علم ہو گیا تھا۔ لینن اس نوٹ میں تحریر کرتا ہے:۔

"اس وقت بنیادی مسئلہ پارٹی میں اتحاد قائم رکھنے کا ہے۔ اسٹالن اور ٹراٹسکی کی آپس کی کشمکش سے پارٹی میں انتشار پیدا ہونے کا خطرہ ہے یہ خطرہ اس طرح رفع ہو سکتا ہے کہ مرکزی کمیٹی کے ممبروں کی تعداد بڑھا کر ۵۰ یا ۱۰۰ کر دی جائے۔ پارٹی سکریٹری اسٹالین نے ضرورت سے

زیادہ اختیارات اپنے عہدے سے متعلق کر لئے ہیں اور مجھے خوف ہے کہ وہ ان اختیارات کو اکثر پوری احتیاط سے استعمال نہیں کرتے۔ ٹراٹسکی ذاتی طور پر مرکزی کمیٹی کی سب سے قابل ہستی ہے لیکن اسکو اپنے اوپر ضرورت سے زیادہ اعتماد ہے وہ معاملات کے انتظامی و حکومتی پہلو پر زیادہ توجہ دیتا ہے۔ اسٹالن اور ٹراٹسکی کی طبیعتوں کی افتاد اس درجہ مختلف ہے کہ غیر ارادی و غیر محسوس طور پر دفعتاً پارٹی میں اختلاف کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اسٹالین میں لطافت کم ہے ہم آپس میں اس کے غیر لطیف ہونے کو برداشت کر سکتے ہیں لیکن پارٹی کے جنرل سکریٹری کو ایسا نہیں ہونا چاہیئے میں تجویز کرتا ہوں کہ پارٹی ممبروں کو اسٹالین کو سکریٹری کے عہدے سے برطرف کر دینا چاہیئے اور اس عہدے پر ایسے ممبر کو ممتاز کر دینا چاہیئے جو زیادہ متحمل مزاج زیادہ بردبار و وفادار ہو اور پارٹی کے عام ممبروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے میری یہ تدابیر اگرچہ بظاہر حقیر معلوم ہوتی ہیں لیکن ان پر عمل پیرا ہونے سے ٹراٹسکی اور اسٹالین میں تصادم کا خطرہ اور نتیجتاً پارٹی میں انتشار پیدا ہونے کے امکانات بہت کم ہو جائیں گے۔"

یہ صحیفہ صرف اکابر بولشیوک کے مطالعہ کے لئے مخصوص تھا جس میں ہمنشینوں پر بہت لطیف پیرائے میں تنقید کی گئی تھی اس میں جو نازک اشارے کئے گئے تھے ان کو محرم راز ہی بخوبی سمجھ سکتے اور یہ بتا سکتے تھے کہ خاص اشارہ کس شریک کار کی طرف ہے اور کیوں ہے۔ اسی زمانہ میں لینن کے لئے ایک اور تکلیف دہ واقعہ رونما ہو گیا۔ جورجیہ میں اسٹالین نے اپنے دو نائبوں کے ذریعے سے بہت ظلم کیا ایک نائب نے جورجیہ

کے ایک اکابر بولشیوک مڈآئی کے ساتھ اس درجہ غیر مہذب سلوک کیا کہ اس کو زدوکوب کیا جب دوسرے نائب نے لینن کو اس اخلاق سوز واقعہ کی اطلاع دی اس پر لینن بہت برافروختہ ہوا۔ ۳۰ دسمبر کو اپنی خفیہ یادداشت میں لینن تحریر کرتا ہے۔

"اگر آرڈ جونکڈی نے اتنی مخرب اخلاق حرکت کی کہ وہ دست درازی پر اتر آیا جیسا کہ ڈیزرزنکسی نے مجھ سے ذکر کیا اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہم کس پستی میں جا گرے ہیں"

۳۱ دسمبر کو اسی معاملہ کی بابت خفیہ یادداشت میں تحریر کرتا ہے۔

اور جونکڈی کو عبرت انگیز سزا ملنی چاہیئے ۔۔۔۔۔

ڈیزرزنکسی نے جو غیر منصفانہ اور یک طرف احکامات جاری کر رکھے ہیں ان کو منسوخ کر دینا چاہیئے ۔۔۔۔۔

جارجیہ کو روسی قومیت میں شامل کرنے کی شدید تحریک جاری ہے اس کی سیاسی ذمہ داری اسٹالین اور ڈیزرزنکسی پر ہے ۔۔۔۔۔

حالات کو بھیانک بنانے میں۔ اسٹالین کی جلد بازی اور انتقامی تشدد کو بہت دخل ہے۔ اور مقامی حب الوطنی کے خلاف اس کا بغض بہت بڑھا ہوا ہے سیاسی معاملات میں بغض و عناد کی بنا پر عمل کرنا خرابی پیدا کرتا ہے ۔۔۔۔۔

اس زمانہ میں لینن کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ عنقریب ہی قدرت اس کو اپنے دامن میں جگہ دینے والی ہے اور انقلاب کو اس کی رہبری کے بغیر منزل مقصود کی طرف جانا ہوگا جس قدر مرض میں اضافہ ہوتا جاتا تھا لینن اسی قدر تیزی سے احکامات جاری کرتا جاتا تھا تاکہ اپنی فرصت حیات ہی میں تخریبی رجحانات کو روک دے اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مضمون جس کا عنوان تھا "یادداشت کے چند ورق"

شائع کیا جس میں روس کے لئے پہلا قدم یہ بتایا گیا تھا کہ وہ تمدن میں مغربی یورپ کے دوش بدوش آئے۔ اسی زمانہ میں لینن نے 'انسپکشن' کے ادارے پر تنقید کی۔ اس ادارے کا اعلیٰ حاکم اسٹالین تھا۔ اگرچہ دوران تنقید میں بولشیوک روایات کے مطابق تخریبی حالات کی ذمہ دار شخصیت (اسٹالین) کا نام نہیں لیا گیا لیکن سیاسی نگاہ رکھنے والے تنقید کے ہدف کو پہچانتے تھے تنقید کرتے ہوئے لینن نے تحریر کیا:۔

"ہمیں سائنٹفک گوئی سے کام لینا چاہیئے۔ انسپکشن کا اعزاز اس درجہ گر چکا ہے کہ اس کے جاری کردہ احکامات کو کوئی قابل عمل خیال نہیں کرتا ہر شخص یہ جانتا ہے کہ انسپکشن سے زیادہ خراب حالت روس کے کسی دوسرے ادارے کی نہیں ہے میں 'انسپکشن' کے افسران اعلیٰ اور ان اصحاب سے جن کا تعلق اس ادارے سے ہے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ دل پر ہاتھ رکھکر مجھے بتائیں کہ ایسا کمیشن ہمارے کس کام آسکتا ہے"

اس مضمون میں حکمران طبقہ پر اس درجہ سخت تنقید کی گئی تھی کہ اسٹالین کے اشارے پر سیاسی بیرو نے اس کے شائع ہونے کی مخالفت کی۔ اس مضمون میں بار بار سیاسی مشین کی خرابی کا ذکر تھا۔ حکمران طبقہ مشین کی بابت زہریلے اشاروں کو سمجھ گیا اور مدمقابل بن کر کھڑا ہو گیا۔ جب مضمون چھپنے میں دیر ہوئی لینن سمجھ گیا کہ حکمران طبقہ مانع ہو رہا ہے۔ لینن نے مضمون شائع کرنے پر اصرار کیا۔ لینن کی شریک حیات نے ٹراٹسکی کو تار دیا۔ ٹراٹسکی نے مداخلت کی۔ حکمران طبقہ کی قوت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ کنٹرول کمیشن جو حکمران طبقہ کے احتساب کیلئے مقرر ہوا تھا اسکا صدر بھی سیاسی حکمران طبقہ کا ایک شخص کوبیشاو مقرر ہو گیا تھا ظاہر ہے کہ جس ادارے کا صدر حکمران طبقہ کا ہی ایک فرد ہو وہ ادارہ حکمران طبقہ کا احتساب نہیں کر سکتا تھا۔ جب لینن کے مضمون کم بہتر لیکن بہتر"

کے نشر کرنے پر رد و قدح بڑھی تو کوبشیاؤ نے یہ رائے دی پر آمادہ اخبار کی ایک علیحدہ کاپی شائع کر دی جائے جس میں لینن کا یہ تنقیدی مضمون ہو اور وہ کاپی بڈھے کو دیدی جائے وہ یہ خیال کر کے کہ مضمون چھپ گیا خاموش ہو جائے گا باقی کاپیاں حسب دستور بلا اس مضمون کے شائع کر دی جائیں۔ لیکن لینن اور دیگر اکابر بولشیوک کے اصرار سے یہ مضمون سہ رماسچ کو مجبوراً شائع کرنا پڑا۔

لینن کی زندگی کے آخری دو سال حکمران طبقہ سے جد و جہد میں گزرے اب حکمران طبقہ بیمار لینن سے ہر حالت میں زیادہ قوی تھا لینن کی موجودگی و عدم موجودگی اب اس طبقے کے لئے یکساں تھی۔ اسٹالین کا خیال تھا کہ لینن کی شریک حیات کرپسایا اس کو غلط اطلاعات دے کر حکمران طبقہ کے خلاف برافروختہ کر رہی ہے اس خیال کی بناء پر اسٹالین کرپسایا سے بیزار تھا اور تلخی سے پیش آتا تھا۔ کرپسایا کا بیان ہے کہ لینن نے اسٹالین کو جو آخری خط لکھوایا اس میں اسٹالین سے تعلقات کے ختم کر دینے کی اطلاع درج تھی۔ لیکن جیسا اوپر بیان کیا جا چکا ہے یہ محرموں کے راز تھے جن کے متعلق ذکر و اذکار ہمنشینوں میں بھی کنایتہ ہوتے تھے اور اگر کوئی نامحرم حکمران طبقہ کی زندگی یا اکابر بولشیوک کے آپس کے اختلافات کی طرف اشارہ بھی کرتا تب سیاسی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی سنجیدگی سے تردید کر دی جاتی حکمران طبقہ کے مخالف اکابر بولشیوک ممبروں کا ہنوز یہ خیال تھا کہ لینن صحتیاب ہو کر از سر نو رہبری کرے گا اور تمام حالات رو بہ اصلاح ہو جائینگے۔

جب لینن پر بیماری کا دوسرا حملہ ہوا اسٹالین، زینولیف، کیمونیف نے قائد کی جگہ لینے اور حکومتی اداروں پر اثر قائم کرنے نیز ٹروٹسکی کا اثر زائل کرنے کی سعی شروع کر دی۔ شاید ان کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ لینن اس حملہ سے جانبر نہ ہو سکے گا۔ ٹروٹسکی بھی اپنی ایک جماعت منظم کر سکتا تھا لیکن اس کو ہنوز لینن کے صحتیاب

ہوجانے کا گمان تھا۔ اس کا خیال تھا کہ تندرست ہو کر لینن خود حکمران طبقہ اور بندگان حرص و ہوس کی سرکوبی کر دے گا اس لئے ٹروٹسکی اور دیگر اکابر بولشیوک خاموش رہے یہ خاموشی مثلث (اسٹالین۔ زینویف۔ کمینیف) کے لئے بہت مفید مطلب ثابت ہوئی ان کو خفیہ تدابیر کرنے۔ اپنی علیحدہ پارٹی بنانے نیز اس کا اثر قائم کرنے کا سنہری موقع مل گیا۔ لینن کی تجویز کے مطابق مرکزی کمیٹی اور کنٹرول کمیشن کے ممبروں کی تعداد بڑھا کر ۴۰۔ اور ۵۰ کر دی گئی تھی اور ہر اجلاس مشترکہ ہونے لگا تھا لیکن ۹۰ اشخاص کے اجلاس کا منعقد ہونا ہر وقت ممکن نہ تھا اس لئے یہ ایک رسم بن گئی کہ منتظمہ کمیٹی اور سیاسی بیرو جس میں سات ممبر اور چار ڈپٹی ممبر ہوتے تھے ضروری احکامات صادر کرتے رہتے اور مرکزی کمیٹی و کنٹرول کمیشن کا صرف یہ کام رہ گیا تھا کہ اپنے اجلاسوں میں منتظمہ کمیٹی اور سیاسی بیرو کے جاری کردہ احکامات پر اپنی مہر ثبت کر دیں۔ اس طرح تمام قوت منتظمہ کمیٹی اور سیاسی بیرو میں مرکوز ہو گئی۔ اب اسٹالین کے لئے صرف یہ سوال رہ گیا کہ ان مختصر اداروں کے ممبروں پر اپنا اثر قائم کرے۔ پارٹی کے جنرل سکرٹری اور U.P.G. کے حاکم کے لئے ایسا کرنا مشکل نہ تھا۔ ٹروٹسکی پر تو براہ راست ضرب لگانے کی ہمت نہ ہوئی لیکن اسٹالین نے اپنے حریف کے ہمخیال اکابر ممبروں کو سیاسی ضرورت کے بہانے سے دوسرے ممالک میں سفیر بنا کر روانہ کر دیا جب ٹروٹسکی کے دوست ریکاسکی (یوکرین کے کمیسار کی کونسل کا صدر) کو اس بہانے سے کہ لندن میں ایک بارعب سفیر رکھنے کی ضرورت ہے لندن جلاوطن کیا گیا اس پر یوکرین کے صوبہ کی کمیونسٹ کمیٹیوں کے تمام سکرٹریوں نے صدائے احتجاج بلند کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام سکرٹریوں کا دور دراز تبادلہ کر دیا گیا۔ حکمران طبقہ کے اس طریقہ کار نے بہت سی پارٹی ممبروں کو نالاں کر دیا اور انھوں نے مخالف جماعتوں کی تشکیل شروع کر دی لیکن یہ رجحان بھی حکمران طبقہ پر اثر ڈالنے میں کامیاب نہ ہوا

جس میں صرف ملک کی تمام اشیاء پر قبضہ ہو نیز G.P.U. جیسے خفیہ اور کارآمد ادارے
جن کے قبضۂ قدرت میں ہوں وہ ہزار طریقہ سے مخالف عناصر کو فنا کر سکتے ہیں۔ جو
مخالفین سیاسی زندگی میں نمایاں تھے ان کو مختلف عہدے دیکر مغربی یورپ کو
روانہ کر دیا جو غیر معروف کارکن تھے ان کو مشرق بعید منگولیا اور سائبیریا کی ویرانی
میں جگہ ملی جو عوام تھے ان کو کارخانوں سے نکال دیا گیا۔ روس میں چونکہ تمام
اقتصادی زندگی پر حکومت کا قبضہ ہے اس لئے وہاں کسی کو حکومت کے کارخانہ
سے نکال دینا اس کو بھوکا و پیاسا مار دینے کے مترادف ہوتا ہے مخالفین کا استیصال
کرنے کے یہ چند طریقے عام تھے لیڈر اور کارکن کے منتشر ہو جانے پر مخالف تحریکات
خود بخود فنا ہونی شروع ہو گئیں۔

ان حالات میں ٹروٹسکی نے مہر خاموشی توڑی اور حکمران طبقہ پر تنقید کرنی
شروع کی لیکن اس کی تحریر و تقریر کا انداز اس درجہ عالمانہ اور استعاروں میں ملفوف
ہوتا تھا کہ ملک میں بہت کم لوگ اس کے اشاروں و کنایوں کو سمجھتے تھے۔ ٹروٹسکی
کی علمی تحریروں۔ تقریروں کا جمہور پر کچھ اثر نہ ہوا البتہ حکمران طبقہ نے نکتہ چینی سے
برافروختہ ہو کر اپنے آپ کو زیادہ قوی بنانے کی سعی شروع کر دی۔ اس سلسلہ میں سب سے
پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اسٹالین نے بحیثیت پارٹی کے جنرل سکرٹری ہونے کے اپنے
حواریین میں سے تمام صوبوں کے سکرٹری منتخب کر دئے۔ صوبوں کے سکرٹریوں نے
اپنے خوشہ چینوں میں سے ضلعوں کی پارٹی کے سکرٹری مقرر کئے ضلع کے پارٹی سکرٹری
نے شہر و قصبہ کے اور قصبہ کے سکرٹری نے گاؤں کے اس طرح تمام روس پر حکمران
طبقہ کے قائد اعظم اسٹالین کا جال بچھ گیا۔ اسی زمانہ میں حکمران طبقہ نے شراب
کی خرید و فروخت از سر نو جائز قرار دے کر نیز اس پر ٹیکس لگا کر اپنے مالیہ کو ملک کی
صنعتی و حرفتی ترقی سے بے نیاز کر لیا۔ شراب کو عام کرنے سے قبل حکمران طبقہ کی

خوشحالی کا دارومدار صنعت و حرفت پر تھا اس کی ابتری کا اثر چونکہ حکمران طبقہ کی جیب پر بھی پڑتا تھا اس لئے حکمران طبقے کا ایک حصہ خود حکومت کی اقتصادی تدابیر پر معترض ہوتا رہتا تھا لیکن شراب کے ٹیکس نے حکمران طبقہ کے قائدوں کی یہ مشکل بھی آسان کردی۔ انقلاب کے بعد اگرچہ شراب کی خرید و فروخت قطعی طور پر ممنوع قرار دے دی گئی تھی اور اس قانون کی مدح میں ہر اشتراکی رطب اللسان تھا لیکن سیاسی ضرورت عجیب ہوتی ہے۔ حکمران طبقہ نے شراب کی خرید و فروخت کو جائز قرار دے کر اور اس پر ٹیکس لگا کر کثیر رقم فراہم کرلی جس سے انھوں نے حکمران طبقہ کی پرورش شروع کردی۔ جب حکمران طبقہ کی اس طرح شکم سیری ہوگئی اب ان کو کیا غرض تھی کہ حکومت کے اقتصادی طریقہ کار پر نکتہ چینی کرتے۔ پراودا کے اڈیٹر نے جب اس جدید ٹیکس پر تنقیدی مضمون سپرد قلم کیا اس کو ادارت سے علیحدہ کردیا گیا۔

حکمران طبقہ کا یہ طریقہ کار اس درجہ غیر جمہوری اور سیاسی تخریب پیدا کرنے والا تھا کہ ٹراٹسکی خاموش نہ رہ سکا اس نے ایک سال کی خاموشی کے بعد مرکزی کمیٹی کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

> "پارٹی کے مستعد و تجربہ کار، سیاسی طور پر بیدار ممبروں سے یہ عرض کرنا کہ وہ موجودہ سیاسی بیماری (حکمران طبقہ) سے بلا درد و کرب پیدا کئے نکلنے کی سعی بلیغ کریں صرف اپنا حق ہی نہیں بلکہ اپنا فرض خیال کرتا ہوں۔"

اس کا جواب دیتے ہوئے سیاسی بیورو نے ٹراٹسکی کی خام کاریوں۔ لاپرواہیوں، غلط تدبیروں، لینن سے اختلاف کی ایک طویل فہرست اس کو روانہ کردی اس کے جواب میں ٹراٹسکی نے اپنی بریت پیش کرتے ہوئے حکمران طبقہ کی قلعی کھولی۔ اس قسم کی مخالفت حقیقت سے ہٹ کر کس درجہ فروعی ہوجایا کرتی ہے اس کے اظہار

کی ضرورت نہیں یہاں یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ یہ ان اختلافات کی بنیاد تھی جو بعد میں پی کر انصاف سوز مقدموں کی شکل میں رونما ہوئے۔

اس زمانے میں ۴۶ اشتراکی مشاہیر نے مرکزی کمیٹی کو ایک خط لکھا جس میں ملکی تنظیم کے لئے نئی راہیں بتائی گئیں۔ اس خط کا طرز خیال وہی تھا جو ٹراٹسکی کا تھا اس تحریر کا یہ اثر ہوا کہ مرکزی کمیٹی نے اپنے طریقہ کار بدلنے کا وعدہ کر لیا اور از سر نو ملک میں اقتصادی ترقی کے لئے جمہوریت کے عود کر آنے کے امکانات پیدا ہو گئے۔ حکومت نے اقتصادی کمیشن کے انعقاد۔ تنخواہوں میں مساوات اور حکمران طبقہ میں تخفیف کرنے کا بھی وعدہ کر لیا۔ روبہ ترقی عناصر کی بدقسمتی کہ اس زمانہ میں ٹروٹسکی بیمار ہو گیا اور اس کے شرکائے کار نے یہ غلطی کی کہ قائم شدہ نظام اور مقررہ عہدے داروں کو نئے انتخابات کے ذریعہ سے فوراً برطرف کرنا چاہا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ لاکھوں عہدے دار جن کا عیش و آرام حکمران طبقہ کی عافیت پر منحصر تھا ۴۶ مشاہیر کے خلاف فضا پیدا کرنے میں مشغول ہو گئے اور کیوں نہ ہوتے ان کے لئے حکمران طبقہ کی تباہی ان کی ذاتی تباہی کے مترادف تھی۔ اپنے انفرادی مفاد کو خطرہ میں دیکھ کر حکمران طبقہ کی اکابر ہستیوں سے لے کر گاؤں کے حقیر سے حقیر عہدے دار تک حکمران طبقہ کو برسر اقتدار رکھنے پر آمادہ ہو گیا۔ یہ حالات حکمران طبقہ کے قائد کے لئے اتنے ساز گار تھے کہ اب ان کو نظام کی تبدیلی کا خوف نہ رہا بلکہ اب وہ صرف مصلحت وقت کی بنا پر کبھی کبھی مخالفین و معترضین کے تعاون کے جویا اور ان کی قابلیت کا اعتراف کرتے رہتے جو حقیقی نہ تھا بلکہ مخالفین کو اخلاقی طور پر غیر مسلح کرنے کا ایک طریقہ تھا۔

حالات سے مجبور ہو کر ٹروٹسکی نے ایک اور مضمون "نیا لائحہ عمل" کے عنوان سے نشر کیا اس میں دیرینہ اکابر بولشیوک پر زیادہ صاف طور پر حملہ کیا گیا تھا اور نوجوانان ملک سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ وہ حکمران طبقہ کا استیصال

کر دیں اور خوشامدی اور انفرادی رجحانات کو بیخ و بن سے اکھاڑ ڈالیں تاکہ آئندہ کوئی شخص یا گروہ پارٹی کو جبر و قہر کے ذریعہ سے خاموش نہ کر سکے۔ اس مضمون کا طرز تحریر قدرے عام فہم تھا۔ اس کے نشر ہونے پر جمہور کو بھی اکابر بولشیوک میں اختلاف کا علم ہو گیا چونکہ ٹروٹسکی نے جمہور سے صاف الفاظ میں حکمران طبقہ کو برطرف کرنے کی اپیل کی تھی اس لئے حکمران طبقہ کے لئے بھی یہ ضروری ہو گیا کہ بر تھیار سے ٹروٹسکی پر حملہ آور ہو جائے سب سے پہلے اسٹالین نے ٹروٹسکی کے پارٹی میں تو وارد ہونے پر روشنی ڈالی اور یہ طعن کیا کہ وہ دیرینہ بولشیوک نہیں اور نہ دیرینہ بولشیوک کو اس کی امداد کی ضرورت ہے پارٹی کے جنرل سکرٹری کا بولشیوک کی رعایات کے خلاف ٹروٹسکی کا نام لے کر اس کی ذات پر حملہ صوبہ سے لگا کر دیہات تک کے پارٹی سکرٹری کو یہ اشارہ تھا کہ ٹروٹسکی پر ہر طرف سے حملہ ہو چنانچہ سب طرف سے انواع و اقسام کی مخالفت ہونی شروع ہو گئی۔ بیمار ٹروٹسکی پہلا تیر چلا کر لاکھوں تیروں کا ہدف بن لیا۔ اگر تندرستی بحال رہتی تب شاید وہ مخالفین کو قائل کرنے میں کامیاب ہو جاتا لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یہی زمانہ بستر علالت پر گزرا اور مخالفین کو تنظیم کا کھلا ہوا میدان مل گیا۔ اس زمانہ میں بھی باوجود اس امر کے کہ تمام حکمران طبقہ بیمار قائد کے خلاف زہر اگل رہا تھا ٹروٹسکی کا اعزاز روس میں اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ تمام جمہور حکمران طبقہ کے طریقہ تنقید و طعن پر معترض ہوئے اور انھوں نے مختلف طریقہ سے حکومت پر روشن کر دیا کہ ٹروٹسکی پر جو الزامات لگائے جا رہے ہیں ان کو جمہور جھوٹ و افترا خیال کرتے ہیں چنانچہ عوام کے سیاسی اضطراب کو دبانے کے لئے سیاسی بیرو کی طرف سے ۱۸ دسمبر کے پراودا میں حسب ذیل بیان شائع ہوا:۔

"مرکزی کمیٹی نیز سیاسی بیرو اور اس کے دوسرے اداروں کا کام بلا

کامریڈ ٹراٹسکی کے تعاون کے نہیں ہو سکتا۔ یہ کہنا بالکل بہتان وافترا ہے
کہ ان اداروں کے ممبر کامریڈ ٹراٹسکی کی امداد سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔۔۔۔
تمام اداروں میں کامریڈ ٹراٹسکی کا تعاون ضروری ہے سیاسی بیرو اس امر کا
یقین دلاتا ہے کہ آئندہ کامریڈ ٹراٹسکی کے تعاون حاصل کرنے کی ہر ممکن
کوشش کی جائے گی۔"

لیکن اس قسم کے بیانات عوام کو خاموش کرنیکا حربہ تھے نہ کہ ٹراٹسکی سے تعاون کی کوشش حکمران طبقہ کی طرف سے ظاہراً اس قسم کے اعلانات وتقریریں ہوتی رہتی تھیں لیکن درپردہ پارٹی سکرٹریوں کے ذریعہ سے ٹراٹسکی کے اخراج کرنیکی تدابیر جاری تھیں۔

ٹراٹسکی اسی زمانہ میں زیادہ علیل ہو کر طبی مشورہ کی بنا پر کوہ قاف چلا گیا اس کی عدم موجودگی میں مخالف پارٹی نے یہ غلطی کی کہ جنوری سنہ ۱۹۲۴ء کو جو کانفرنس منعقد ہوئی اس میں شرکت لی اس کانفرنس کے نمائندے حکمران طبقہ کے منتخب کردہ یا اسکے زیر اثر تھے چنانچہ انھوں نے حکمران طبقہ کی ہر تجویز کی تائید کی اور مخالف پارٹی کی ہر تجویز رد کر دیگئی۔ اس کانفرنس نے اب حکمران طبقہ کو زیادہ دلیر کر دیا چونکہ اب وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ ملک کی اکثریت انکے ساتھ ہے حالانکہ اس قسم کی اکثریت کے کچھ معنی نہیں ہوتے ہر سرمایہ دار ملک اپنے طریقہ کار کیلئے اس قسم کی اکثریت کے پردے میں اپنے طبقاتی مفاد کو پیش پیش رکھتا ہے اس کانفرنس میں زینوویف نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"کامریڈ ٹراٹسکی کے اتنا ادراک کی غیر معمولی اہلیتوں کا سب کو اعتراف ہے
ہمیں آپسمیں اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں لیکن غلطی غلطی ہوتی ہے۔"

تنقید کا یہ طریقہ کہ مخالف کی تعریف کرنیکے بعد اسکی تکذیب کر دیجائے مؤثر ثابت ہوتا ہے اور سیاسی دنیا میں جب کسی سیاسی ہستی کا اخراج کرنا ہو تو یہی طریقہ تنقید اختیار کیا جاتا ہے۔ ابھی ٹراٹسکی کوہ قاف کے ریلوے پر پہنچا نہ تھا کہ تفلس میں اسکو اسٹالن کا تار ملا جسمیں لینن کی وفات کی خبر تھی۔

لینن کی وفات

موت حقیقت اور زندگی ایک حادثہ ہے۔ انسان کی خام خیالی یہ ہے کہ وہ روح کی ایک حالت کو زندگی اور دوسری کو موت سے تعبیر کرتا ہے حالانکہ ان دونوں حالتوں میں روح کی اصلی کیفیت میں فرق نہیں آتا۔ موت کے بعد انسان کی شخصیت اور اس کی خصوصیات قائم رہتی ہیں خیر جو کچھ بھی ہو لیکن تاریخ کا مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ انسان کی تخلیقی جدوجہد اور پرہیزگاری اسکی موت کے مدت بعد تک دنیا کو اثر انداز کرتی رہتی ہے۔ لینن کی وفات کو آج ۲۰ سال کا عرصہ گذر گیا لیکن اسکے فکر و فہم کے نتائج ہنوز بیدار دنیا کے لیے مشعل راہ بنے ہوئے ہیں۔

لینن مدارس کے ایک انسپکٹر کے گھر میں پیدا ہوا۔ بڑے بھائی کو شہنشاہ روس کے قتل کے اقدام کے جرم میں سولی پر چڑھتے دیکھا خود ۲۰ سال کی عمر سے نظربندی و افلاس۔ مصائب و آلام کا شکار رہا عمر کا زیادہ حصہ جلاوطنی میں گزارا۔ انقلابی سعی میں کبھی کامیاب کبھی ناکامیاب۔ کبھی آزاد و کبھی مقید۔ کبھی دوستوں سے بیگانہ کبھی دشمنوں کا دوست۔ کبھی فتح و نصرت سے ہمکنار اور کبھی شکست و نامرادی سے ہم آغوش۔ کبھی گھاس کے تودوں میں سر چھپائے اور کبھی پیٹر گریڈ کی شاہراہوں پر رونق محفل۔ کبھی دلوں کی آرزو اور کبھی ایک نحیف یہودی لڑکی کی گولی کا نشانہ۔ کبھی جنیوا کی غلیظ سراؤں میں مکین اور کبھی کریملن میں صدر جمہوریہ

رو تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے ایسی بہت سی ہستیاں نظر پڑینگیں جو گمنامی سے شہرت اور پستی سے رفعت تک پہنچیں لیکن ایسی ہستیاں بہت کم ہیں جنھوں نے دنیا کو ایک نیا طریقہ کار۔ ایک نیا تصور۔ ایک نیا فلسفہ اور زندگی کا ایک انوکھا تخیل دیا سو لینین دنیا کی ان معدودے چند ہستیوں میں سے تھا جنھوں نے اعلی قدوں کو معاشرہ کے ہر گوشہ میں جاری وساری کرنا چاہا اور اسی سعی و کوشش میں اپنی زندگی صرف کی۔"

وفات سے چند روز قبل لینن نے اپنے آپ کو اس درجہ زندہ محسوس کیا کہ (ثلج) برف پر چلنے والی گاڑی منگوا کر برفانی فضا کے نظارہ کو نکلا۔ شکار کی خاطر ایک بندوق بھی ساتھ رکھلی۔ کمرے میں چلا پھرا۔ پہرے کے سپاہی سے گفتگو کی۔ یہ زندگی کی چند مسرتیں باقی تھیں جو اسکے نوشتہ میں تحریر تھیں اور بس۔ ان مسرتوں سے مسرور ہو جانیکے بعد ۲۱ر جنوری ۱۹۲۴ء کو ۵۴ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہدیا۔ ایک طوفان خیز زندگی گورکی کے ایک خاموش کمرے میں سکون پاگئی جس انسان کی روح کو دنیا کے چار سو زنجیر بنے ہوئے تھے وہ لامحدود فضا میں گم ہو گیا۔ چند آب دیدہ ہمنشین اس خاموش پیکر انقلاب کے ارد گرد کھڑے ہوئے تھے اور دنیا اس در نایاب کے سفتہ ہو جانے سے بے خبر تھی۔ ماسکو کی سڑکوں پر قرائن سے جمہور یہ گمان کر رہے تھے کہ سیمابی ہستی کو آج قرار آگیا لیکن جو اسکا ذکر تیقن سے کرتا تھا وہ گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ غیر ممالک کے اخباری نمائندے اس خبر کی تصدیق کے لئے بیتابانہ کریملن کی عمارت کے ارد گرد طواف کرتے نظر آتے تھے۔ لیکن کوئی اس گمان کی تصدیق نہیں کر سکتا تھا۔ اکابر بولشویک دلوں میں افسردگی لیکر لبوں پر مہر خاموشی لئے کریملن کی عمارت میں آتے جاتے دکھائی دیتے تھے لیکن کوئی اس بازاری افواہ کی تصدیق نہیں کرتا تھا۔ وفات کے ۲۸ گھنٹے کے بعد دنیا کو یہ علم ہوا کہ آنے والے تاریخی دور کا قائد اعظم اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا۔

لینن نے انقلاب انگیز ہستیوں کے انجام کا ذکر کرتے ہوئے اپنے کسی مضمون میں کہا تھا۔

"انقلاب انگیز ہستیوں کی وفات کے بعد ان کو اوتار میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان کے سر پر الوہیت کا تاج رکھ دیا جاتا ہے اور ان کی ذات اور ان کے نام معاشرہ کے مقہور طبقات کو ان کی خراب حالت میں مستقل طور پر رکھنے کا آلہ کار بنا لئے جاتے ہیں نہ صرف یہ بلکہ انقلاب انگیز مصلحین کی اصل انقلابی تعلیم کو مفلوج اس کی نوکِ خار کی سی چبھن کو فنا اور اس کے اصولوں کو خاک میں ملایا دیا جاتا ہے۔"

لینن کی وفات کے بعد اس کی ذات اور انقلابی اصولوں کے ساتھ وہی ہوا جس کی وہ پیشگوئی کر گیا تھا۔ قائد کی وفات کے سلسلہ میں سیاسی بیروں نے جو پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ تمام ملک کو ماتم کرنے کی ہدایت کی ماسکو میں یہ حکم جاری کر دیا گیا کہ ماتمی علم بلند کئے جائیں اور اگر کوئی ایسا نہ کرے اس پر جرمانہ عائد کیا جائے تمام اخبارات نے لینن کے متعلق مافوق البشریت باتیں کہنی شروع کر دیں حکومت نے اس کی تجہیز و تکفین کے سلسلہ میں رسومات کی ایک دنیا پیدا کر دی مومیائی لگا کر اس کی میت کو فرعون کی طرح رکھا گیا اور تمام ملک کو ہدایت کی گئی کہ اس کی زیارت کے لئے آئیں اور سعادتِ انقلاب حاصل کریں۔ قبر پر شاداب گلوں کے انبار کی نکہت۔ کافوری شمعوں کی نرم و خنک روشنی۔ چار سو خوشبو لہراتے ہوئے علم۔ معتقد عوام کا نہ ختم ہونے والا طواف اور لینن کے بے نقاب و بے روح جسم کی زیارت۔ یہ منظر جمہور کے معتقدانہ توہمات کو جلا دینے کے لئے کافی تھا۔ دل و دماغ میں توہمات کی بیداری عقل کی موت ہوتی ہے چنانچہ لینن کی حقیقی مارکسی تعلیم پس پشت ڈال دی گئی اور روس میں ایک نیا سیاسی مذہب 'لیننیت' کے نام سے جاری ہو گیا جس نے لینن کو خدا اور اسٹالن کو اس کا رسول قرار دے دیا۔ یہ شکل لینن ہی کی تعلیم کے ساتھ نہیں بلکہ دنیا کی ہر نئی تعلیم کے ساتھ پیش آتی ہے۔ پیغمبروں کے وصال کے بعد اُن کی تعلیم

جس طرح مسخ کی گئی ہے اور ان کے بیان کردہ اصولوں کی تاویلات بیان کرکے ان کو جس طرح انسان کے تخریبی رجحانات کی تائید میں پیش کیا گیا ہے دنیا اس سے ناواقف نہیں۔

لینن کی قد آدم تصاویر، اس کے مجسّمہ۔ اس کی تصویر کے میڈل و لوور ڈلا کھوں کی تعداد میں ملک میں تقسیم ہوئے اور روس کے بعید سے بعید گوشے میں کوئی در و دیوار ایسا باقی نہ رہا جس پر لینن کی تصاویر آویزاں نہ کردی گئی ہوں۔ سگریٹ کیس۔ راکھدان اور زیبائش کی تمام اشیاء کو قائد کی شباہت سے مزّین کیا جانے لگا جس کرسی پر لینن بیٹھا کرتا تھا جس پلنگ پر سویا کرتا تھا جس مکان میں رہا کرتا تھا۔ حکومت ان کی تصاویر عام طور پر فروخت کر رہی تھی۔ شہروں۔ شاہراہوں۔ درسگاہوں اداروں۔ تفریح گاہوں۔ باغات کے نام لینن کے نام پر رکھے جا رہے تھے ان حالات کو آخری زیبائش اسٹالن کی تقریر نے بخشی جس میں لینن کو مثل خدا کے 'تو' سے یاد کیا گیا تھا جنازہ پر تقریر کرتے ہوئے اسٹالن نے کہا:۔

(۱) دائمی جدائی کے وقت کومریڈ لینن تو نے ہم کو یہ حکم دیا تھا کہ کوئی ایسا مخرب اخلاق عمل نہ کریں کہ پارٹی ممبر کے نام کو بٹہ لگے اے کومریڈ لینن ہم تیرے نام کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تیرے حکم کا احترام کریں گے۔

(۲) دائمی جدائی کے وقت کومریڈ لینن تو نے ہم کو حکم دیا تھا کہ ہم آنکھ کی پتلی کی مثل پارٹی کے اتحاد کی حفاظت کریں اے کومریڈ لینن ہم تیرے نام کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تیرے حکم کا احترام کرینگے۔

(۳) دائمی جدائی کے وقت کومریڈ لینن تو نے پرولتاری آمریت کو قائم رکھنے نیز اس کو قوی بنانے کا حکم دیا تھا کومریڈ لینن ہم تیرے نام کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تیرے اس حکم کو پورا کرنے کی ہر امکانی کوشش کرینگے۔

(۴) دائمی جدائی کے وقت تو نے مزدور اور کسان کا اتحاد قائم رکھنے کے لئے حکم دیا۔ اے ڈمریڈ لینن ہم تیرے نام کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم اس حکم کی تعمیل کرینگے۔

(۵) دائمی جدائی کے وقت کومریڈ لینن تو نے سوویٹ جمہوریت کو وسیع کرنے اور قوی بنانے کا حکم دیا تھا اے کومریڈ لینن ہم تیرے نام کی قسم کھاتے ہیں کہ تیرے اس حکم کی تعمیل کرینگے۔

(۶) دائمی جدائی کے وقت کومریڈ لینن تو نے کمیونسٹ انٹرنیشنل سے وفادار رہنے کا حکم دیا تھا کومریڈ لینن ہم تیرے نام کی قسم کھاتے ہیں کہ اپنی زندگیاں دنیا کے تمام مزدوروں کی انجمن کمیونسٹ انٹرنیشنل کا اثر بڑھانے اور اس کو قوی بنانے میں صرف کر دینگے۔

ایک غیر متمدن و غیر تعلیم یافتہ ملک میں غیر معمولی شخصیت اگر زندگی میں نہیں تو وفات کے بعد اوتار ضرور مان لیجاتی ہے۔ دوران زندگی میں اس کو اوتار بنانا اسلئے دشوار ہوتا ہے چونکہ اس قسم کے تخیل کی وہ برگزیدہ ہستی خود تردید کرتی رہتی ہے لیکن موت کے بعد اس تردید کو کسر نفسی کی طرف محمول کر کے اس کو خدا کا رتبہ دیدیا جاتا ہے۔ غیر متمدن روس میں لینن کا خدا، اس کے کلام کا کلام الٰہی اور اس کے احباب کا پیغمبر بنجانا ناگزیر تھا۔ جب روس کے جدید پیغمبروں نے لینن کی قبر پر مختلف قسم کے رسومات کے مظاہرہ سے جمہور میں اپنا وقار قائم کرنا چاہا اس پر لینن کی شریک حیات سے نہ رہا گیا اس لئے ان رسومات پر تنقید کرتے ہوئے کہا۔

"تم اپنے رنج کا اظہار لینن کی شخصیت کی ظاہرا عزت سے نہ کرو۔ اس کی قبر پر مقبرہ یا اسکو نام پر محلات تعمیر نہ کرو۔ اس کی یاد میں پر شوکت رسومات جاری نہ کرو۔ ۔ ۔ ۔ اپنی زندگی میں لینن نے کبھی ظاہر کو اہمیت نہیں دی۔ مجازی مظاہرے اس کو ہمیشہ برگشتہ خاطر کر دیتے تھے۔ اس وقت یہ یاد کرو کہ ملک میں افلاس اور بدنظمی کس قدر عمیق ہے اگر تم حقیقتاً لینن کے نام کا احترام کرنا چاہتے ہو تو تمہیں بچوں کے لئے تفریح گاہیں، مدرسے کتب خانے، شفاخانے، سرائیں اور اسی قسم کے مفید ادارے قائم کرنے چاہئیں اور سب سے اہم امر یہ ہے کہ اپنی عملی زندگی کو اس کی تعلیم کا ترجمان بنانا چاہیئے۔"

لیکن حق کی یہ نحیف آواز حکمران طبقہ کے شور و شغب میں گم ہو گئی۔ سوویٹ کانگریس نے فوراً لینن کے چھ مجسمہ نصب کرنے کی منظوری دیدی۔ مشہور بولشیوک ریزانوف جو موسکو کے سرخ چوک کو قبرستان میں تبدیل کرنے پر معترض تھا اور چند اکابر بولشیوک جو نغمہ و سرود کے ساتھ قبر پرستانہ قسم کی رسومات جاری کرنے کے خلاف تھے ان کی آواز حکمران طبقہ کے کانوں تک نہ پہونچی اور اگر پہونچی بھی اس کی طرف التفات نہ ہوا جو شخص اپنی زندگی میں اپنے ہر غلط اقدام پر خود تنقید کرتا رہا اور ببانگ دہل یہ کہتا رہا "مجھ سے غلطیاں ہوئیں اور ہوتی رہیں گی" اس کی موت کے بعد اس پر تنقید کرنا ایک سنگین جرم قرار دیدیا گیا۔ دراصل اس طریقہ کار سے حکمران طبقہ نے اپنے آپ کو تنقید سے بچا لیا پہلے یہ کہا کہ لینن معصوم من الخطا تھا اس کے بعد یہ کہا کہ 'لینینیت' لینن کا کلام ہے اس لئے اس میں غلطی کا امکان نہیں ہو سکتا اس کے بعد یہ کہا حکمران طبقہ چونکہ لینینیت کا پیرو ہے اسلئے اسکا ہر عمل بالاتر از تنقید اور سراپا حسن و خوبی ہے حکمران طبقہ کے سرتاج اسٹالین نے اپنے مدرسانہ انداز میں ایک مختصر سا رسالہ "لینینیت کے بنیادی اصول" تحریر کیا اس میں لینن کی تعلیم کو اس طرح پیش کیا تھا کہ حکمران طبقہ کا ہر تخریبی اقدام مرحوم قائد کی اصل تعلیم کے مطابق معلوم ہو۔ پارٹی کے جنرل سیکرٹری نے اس کا مطالعہ ہر پارٹی ممبر پر فرض قرار دیدیا۔ اسی زمانہ میں بیس لاکھ جمہور جو سیاسی طور پر ناخواندہ اور تمدنی طور پر انفرادیت پسند تھے پارٹی کے ممبر بنائے گئے اور ان کی سیاسی تعلیم کے لئے یہ مختصر رسالہ قرار پایا۔ اس رسالہ میں حکمران طبقہ کے جدید مذہب کے اصول درج تھے۔ اس مذہب کا نام سیاسی مصالح کی بنا پر 'اسٹالینیت' کی بجائے 'لینینیت' قرار دیدیا گیا تھا۔

انقلاب روس کو صرف ۲۶ سال گزرے ہیں تاریخی لحاظ سے ہم اس انقلاب سے اتنے قریب ہیں کہ حقائق ہنوز سیاسی تاریکی میں گم ہیں گذشتہ حالات کا موجودہ روس کی داخلی سیاست سے ہنوز اس درجہ گہرا تعلق باقی ہے کہ سیاسی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے محرم راز لوگوں کا انقلابی

تاریخ کے خفیہ حالات پر سے نقاب اٹھانا موجودہ حکمران طبقہ کے رجحانات پر ضرب لگانا ہوگا۔ شاید اسٹالین کی موت کے کچھ عرصے بعد ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد کے حالات میں صرف تاریخی لحاظ سے دلچسپی رہ جائے اس شکل میں شاید روس کے ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۴ء تک کے واقعات زیادہ صفائی سے بیان کیے جانے لگیں یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ اکابر بولشیوک نے جن میں سے ہر ایک غیر معمولی دل ودماغ کا انسان تھا متعدد تصانیف نہ چھوڑی ہوں لیکن جن مصالح کی بنا پر جیفنے کی سوانح کی طباعت کو حکمران طبقہ نے روکا یہاں تک کہ اس نے خودکشی کرلی بہت ممکن ہے اسی محدود زاویۂ نگاہ کی بنا پر دوسرے اکابر بولشیوکوں کی تصانیف شائع نہ ہونے دیگئی ہوں یہاں تک کہ وہ فنا کردئے گئے۔

اس دنیا کی یہ رسم کہن ہے کہ اس میں تخریبی وتنظیمی رجحانات کے تصادم سے ترقی پیدا ہوتی ہے۔ انسانی ترقی میں باطل کا بھی نمایاں حصہ ہے جب بنی نوع انسان کے ارتقا کا یہی طریقہ کار ٹھیرا تب کیونکر ممکن تھا کہ دنیا اشتراکیت کی منزل سے گزرتی اور باطل حکمران طبقہ کی شکل میں نمودار ہوکر اس کی ترقی کو نہ روکتا جس طرح دشمن کا حملہ مدافعت کرنے والے میں غلبہ پانے کا جوش پیدا کرتا ہے اسی طرح باطل کا حملہ حق میں غلبہ پانے کا جوش پیدا کرتا ہے جس شدت سے باطل حملہ آور ہوگا اسی شدت سے حق اس پر غلبہ پانے کی کوشش کریگا۔ یہ مکافات کا قانون ہے جس نے حکمران طبقہ پیدا کیا اور وہ دن دور نہیں کہ ازلی قدریں جو مارکسیت کی بنیادی حقیقتیں ہیں وہ از سر نو روسی معاشرہ میں جاری وساری ہوجائیں گی۔

(رحمتی رستم سہارنپوری)
6.12.45